

اتِّبَاهُ الْحِكْمَةِ وَفَضْلُ

المحطاب

ALL INDIA MUSLIM EDUCATIONAL CONFERENCE
SULTAN JAHAN MANZIL, ALIGARH

۱۹۱۲ء کی یادگار تقریر

مع

خطبہ صدارت

خان بہادر سرجم بخش

فائل سالانہ اجلاس آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس راولپنڈی

پروفیسر محمد سلیمان اشرف

التَّيَّاهُ الْحِكْمَةُ وَفَضْلُ
الْمَخْطَبِ

پروفیسر محمد سلیمان اشرف

۱۹۱۳ء کی یادگار تقریر
مع

خطبہ صدارت: خان بہادر سر رحیم بخش

۲۸ وال سالانہ اجلاس آل انڈیا مسلم کونگریس کانفرنس لاہور

اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْتَعِيْذُ بِكَ مِنَ الْوَقْظِ

کتاب	: الخطاب
تقریر	: مولانا محمد سلیمان اشرف
خطبہ صدارت	: خان بہادر سررجم بخش
بار اول	: علی گڑھ، ۱۹۱۵ء
طبع جدید	: اکتوبر ۲۰۱۶ء
تقدیم و تشیہ	: ظہور الدین امرتسری
ترجمہ فارسی اشعار	: ڈاکٹر معین نظامی
کمپوزنگ	: محمد نعیم اصغر ۳۹۵۹-۴۴۷-۳۳۳۰
صفحات	: ۱۸۸ صفحات
تعداد	: گیارہ سو
مطبع	: ایوب پرنٹنگ پریس، لاہور
ناشر:	: ادارہ پاکستان شناسی ۲/۲۴ سوڈھیوال کالونی، ملتان روڈ، لاہور ۵۴۵۰۰
	: فون: ۳۲۲-۴۰۰۵۹۵۲
ہدیہ	: ۳۵۰ (تین صد پچاس روپے)

ڈسٹری بیوٹرز

- خان بک کمپنی: ۳ کورٹ اسٹریٹ، لوئر مال، لاہور فون: ۴۲-۳۷۳۲۵۴۶۳
- ادبستان: ۶-سی دربار مارکیٹ، لاہور فون: ۴۱۴۰۲۰۷-۳۰۰
- ہیکن بکس: گلگشت، ملتان فون: ۷۹۱-۷۵۲۰۷۹۰-۶۱
- دارالعلوم نعیمیہ: فیڈرل بی ایریا، دنگیر بلاک نمبر ۱۵، کراچی فون: ۲۱-۳۶۳۲۲۳۶

پہلی وحی اور علم

صرف اسلام ہی وہ مذہب ہے جس نے علم و تعلیم پر ہر مذہب سے زیادہ زور دیا ہے۔ حتیٰ کہ قرآن مجید کی پہلی وحی کا سب سے پہلا لفظ ”اقْرَأْ“ ہے، جس کے معنی ہیں پڑھو۔ یعنی قرآن مجید سب سے پہلے پڑھنے ہی کا حکم دیتا ہے۔ پڑھنے کے علاوہ لکھنے کو بھی بہت زیادہ اہمیت دیتا ہے، چنانچہ اسی اولین وحی میں اللہ کے مقدس اوصاف کا علم عطا فرماتے ہوئے کہتا ہے:

اقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ ۝ الَّذِي عَلَّمَ
پڑھو، اور تمہارا رب بے حد کریم ہے جس
نے قلم کے ذریعہ علم عطا فرمایا ہے۔
بِالْقَلَمِ ۝

قلم اور لکھنے کی راہ سے علم کی اشاعت اسلام کی نگاہ میں اس قدر اہم ہے کہ اس کو اللہ کا بہت بڑا عطیہ فرماتا ہے۔ اتنا بڑا عطیہ کہ اولین وحی میں تخلیق انسانی کے ذکر کے بعد اسی عطیہ کو بیان کرتا ہے۔ اب انداز لگاؤ اس کی اہمیت کا! یوں تو اللہ کے لامحدود عطیے ہیں لیکن قلم اور کتابت کی راہ سے علم عطا فرمانا وہ عطیہ خاص ہے کہ اولین وحی میں صرف تین عطائے الہی کا ذکر ہے جن میں ایک یہ ہے۔

ان تین عطایا کا ذکر بہ ترتیب ذیل ہے:

- ۱ انسان کو علق سے پیدا فرمایا۔ (خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ)
- ۲ قلم کے ذریعہ علم عطا فرمایا۔ (عَلَّمَ بِالْقَلَمِ)
- ۳ اور ذرائع سے بھی علم دیا۔ (عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ)

(جواہر البیان فی تفسیر القرآن، جلد دوم: علامہ عزیز الحق کوثر ندوی،

مطبوعہ بنارس (یو پی) بھارت، ۲۰۰۹ء)

تحریک آزادی میں اسلامیان ہند کے لیے جدید تعلیمی استعداد کی اہمیت اور علماء کرام کا کردار

سب سے اوّل ضرورت یہ ہے کہ مسلمانوں کے دلوں پر سے اُن خیالات کا اثر دور ہو جو اُن کو جدید تعلیم میں ترقی کرنے سے باز رکھتے ہیں۔ یہ کام فی الحقیقت ہماری قوم کے علما کا ہے کیوں کہ وہی مسلمانوں کو سمجھا سکتے ہیں کہ یہ عین مذہب کا منشا ہے کہ ہم علمی اور اخلاقی میدان میں ترقی کریں۔ اسلام نے علم کی ضرورت اور وقعت کو جس قدر سمجھایا ہے کسی ملت نے ایسا نہیں کیا۔ کلام پاک میں ارشاد ہے۔ ”وَقُلْ رَبِّ زِدْنِي عِلْمًا“ (اور اے پیغمبر) دعا کرتے رہا کرو کہ اے میرے پروردگار مجھے اور زیادہ علم نصیب کرنا۔ دولت کے لیے نہیں کی، اولاد کے لیے نہیں، ملک کے لیے نہیں، دنیاوی سر و سامان کے لیے نہیں، ہمارے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا اگر کی تو زیادتی علم کے لیے۔ اب یہ ہمارے علما کا کام ہے کہ وہ یہاں کے مسلمانوں کو سمجھائیں کہ جدید تعلیم میں اعلیٰ مدارج حاصل کرنا عین دین کا منشا ہے۔

(رپورٹ متعلق اٹھائیسواں سالانہ اجلاس ۱۹۱۴ء۔ آل انڈیا محمدن ایگلوادرنیل ایجوکیشنل

مولانا زبیری کے دیباچہ کی چند سطور

اٹھارھویں صدی کے آخر سے اُنیسویں صدی کے چوتھائی سے زیادہ عرصہ تک مسلسل چالیس یا پچاس برس کی مدت میں آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس نے مسلمانانِ ہندوستان میں جس استقلال و استقامت کے ساتھ تعلیم منادی کا فرض انجام دیا ہے اور جس طرح قوم کے اندر علوم جدیدہ کی اشاعت و تبلیغ میں پانی کی طرح روپیہ بہایا ہے جو بلاشبہ یہ ایک بیش بہا قومی خدمت ہے۔ جس زمانہ میں اور جن حالات کے اندر کانفرنس قائم ہوئی اس وقت دنیا متحرک تھی اور مسلمان ساکن و جامد۔ قومی تعلیم کے لحاظ سے وہ ایک تاریک زمانہ تھا جس کے اندھیرے میں ہماری تمام حیاتِ ملی مُردہ ہو رہی تھیں۔ اس مجلس کے میرِ مجلسوں نے دورِ حاضرہ کی ضرورت اور حقائقِ حالات کی بنا پر اپنے زبردست خطبوں کے ذریعہ سے قوم کو تعلیم پر متوجہ کرنے کی اہم کوشش کی۔

دیباچہ: خطباتِ عالیہ، حصہ اول

مسلم یونیورسٹی پریس علی گڑھ، ۱۹۲۷ء

ایک اور اقتباس

ہر زبان کے خطیبوں کے خیالات اور افکار ذہنی و دماغی کا ذخیرہ اُس زبان کا بیش بہا سرمایہ متصور ہوتا ہے جس زبان میں کہ وہ ادا کیے جاتے ہیں۔ جو اپنے زمانہ کے لحاظ سے راہِ عمل اور مستقبل کے لیے قوم کی ہمت اور جوش کا افسانہ تاریخی صفحہء عالم پر اُن کے کارنامہء عمل کی زندہ یادگار بن کر چمکتا ہے۔ موجودہ نسلیں اُن کے ساتھ خواہ کچھ ہی سلوک کیوں نہ کریں، لیکن یقیناً آنے والی نسلیں اُس کو شوق سے پڑھتی ہیں اور اپنے ماحول کے مطابق گزرے ہوئے حالات کے لحاظ سے استخراج نتائج میں اپنے پیش روؤں کے ٹھوس اور عمیق افکار سے مدد لے کر اُن کی دماغی کاوشوں کا (خواہ وہ ملکی پالیسی سے تعلق رکھتی ہوں خواہ تعلیماتِ عامہ یا بہبودی قوم کے دیگر امورِ مہمات سے) غرض ہر طرح سے خیر مقدم کرنے میں پیش قدمی کی کوشش کرتی رہتی ہیں۔

اسی کا نتیجہ ہے کہ مہذب اور تعلیم یافتہ دنیا طرح طرح سے اپنی قوم کے دانشوروں کے خیالات کی اشاعت کرتی رہتی ہیں؛ گویا اس طریقہ سے گزرے ہوئے لوگوں کا پیغام آنے والی نسلوں کو پہنچا کر ان میں عمدہ تعلیم، بہتر تربیت، پاکیزہ اخلاق کی تخم ریزی کر کے اُن کی نشوونما میں مصروف نظر آتی ہے۔

الفہرست

۵۹-۷

دیباچہ

آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس۔ قیام اغراض و مقاصد..... مسلم ایجوکیشنل کانفرنس۔
 کاٹھیاواڑ کے بارہ میں استفتا..... یکے از جواب مولانا عبد العظیم صدیقی میرٹھی.....
 وقت تفہیم کی راہیں بنانا ہے..... سید سلیمان اشرف کا چشم کشا خطاب..... ایک غلط
 فہمی کا ازالہ..... مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کی علم افروز سرگرمیاں اہل علم کی نظر
 میں..... مسلم ایجوکیشنل کانفرنس اور قیام آل انڈیا مسلم لیگ..... وابستگان علی گڑھ کا
 مسلم لیگ اور تحریک پاکستان کے ساتھ والہانہ تعلق خاطر..... علی گڑھ کا طلبہ مجاز
 قائد اعظم کی نظر میں..... تحریک پاکستان کے سنگ ہائے بنیاد میں ایک اہم ترین نام
 آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس..... آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے تعلیمی
 اثرات..... معاشی اثرات..... معاشرتی اثرات..... سیاسی اثرات.....

۶۲-۶۰ پروفیسر سلیمان اشرف بطور معلم، مبلغ اور قومی راہنما اکابر ملت کی نظر میں

۶۶-۶۳ مولانا سلیمان اشرف ایک بالغ نظر مصلح

۷۲-۶۷ حیات مولانا سید سلیمان اشرف کی چند جھلکیاں حکیم محمد خلیل احمد قادری

۸۰-۷۳ محمد تنزیل الصدیقی الحسینی سخن ہائے گفتنی

الخطاب (تقریر: اجلاس آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس منعقدہ ۱۹۱۴ء) ۱۲۳-۸۱
(فہرست مضامین اندر ملاحظہ فرمائیں)

۱۲۸-۱۲۶ بے زبان ناشر

۱۳۲-۱۳۰ تعارف صدر اجلاس مولوی حاجی سر رحیم بخش خان بہادر

۱۶۰-۱۳۳ خطبہ صدارت
خطبہ کے ذیلی عنوانات:

اکابرین قوم کا اثر..... یورپ میں لڑی جانے والی ہولناک جنگ (۱۹۱۳-۱۳ء).....
ٹرکی کے بارہ میں انگلستان اور اتحادیوں کی ہندی مسلمانوں کو یقین دہانی.....
سلطنت برطانیہ اور ہماری وفاداری..... ایجوکیشنل کانفرنسوں کی قدر و قیمت.....
مسلمانوں کا اخلاقی معیار..... تعلیمی عقدہ ہنوز حل طلب ہے..... تعلیمی پالیسی
۱۹۰۴ء..... مقررہ دستور العمل پر کاربند ہونا لازم ہے..... مذہبی تعلیم..... مشرقی
تعلیم کی اہمیت..... تعلیم عربی بہ مقابلہ فارسی زبان..... ایک صحت مند اور خوددار
قوم بننے کی شرائط..... اعلیٰ تعلیم / یونیورسٹی کے نظام تعلیم میں استحکام..... ہمارے
تعلیمی مستقبل کے لیے لارڈ ہارڈنگ کی مدبرانہ سعی..... صنعتی و حرفتی تعلیم.....
خواتین کی تعلیم..... انجمن ترقی تعلیم امرتسر کی قابل تقلید مثال.....

اجلاس مسلم ایجوکیشنل کانفرنس منعقدہ راولپنڈی میں منظور ہونے والی قرارداد ہائے ۱۶۱

۱۸۷-۱۶۳ ضمیمہ

۱۸۸ پنڈت جواہر لال نہرو مدح سرسید میں

عکسی خزانہ نوادر

- ۱۔ رسالہ الدلائل القاہرۃ کے صفحہ ۳۵ کا عکس ۱۹
- ۲۔ رسالہ الدلائل القاہرۃ علی الکفرۃ النیاشرۃ از حاجی قاسم میاں،
مطبوعہ بریلی، بار اول۔ ۱۹۱۷ء..... عکس سرورق ۲۰
- ۳۔ الدلائل القاہرۃ علی الکفرۃ النیاشرۃ، طبع بمبئی، اشاعت دوم۔ ۱۹۳۲ء.....
عکس سرورق ۲۱
- ۴۔ آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس علی گڑھ کی عمارت سلطان جہاں منزل
(تعمیر شدہ ۱۹۱۵ء) کا اندرونی منظر ۳۸
- ۵۔ آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے صدر دفتر (علی گڑھ مسلم یونیورسٹی
علی گڑھ) کا بیرونی منظر ۳۹
- ۶۔ Thesis, All India Muslim Educational
Conference By Afzal Usmani ۵۵-۳۹
- ۷۔ تصویر جامع مسجد مسلم یونیورسٹی علی گڑھ..... متصل صفحہ ۶۲
- ۸۔ تصویر آدم جی پیر بھائی منزل علی گڑھ کی بلڈنگ کے سامنے کا منظر..... مقابل صفحہ ۶۸
- ۸۔ تصویر آدم جی پیر بھائی منزل کے اندر یادگار پتھر..... مولانا سید سلیمان اشرف ۶۹
- ۱۰۔ تصویر مزار مبارک مولانا سلیمان اشرف..... مقابل صفحہ ۷۰

- ۷۱۔ تصویر لوح مزار کا کتبہ.....مقابل صفحہ
- ۷۲۔ تصویر پتھر یا دگر مولانا سید سلیمان اشرف مرحوم و مغفور کا واضح منظر.....متصل صفحہ
- ۸۱۔ الخطاب..... نسخہ مطبوعہ انشی ٹیوٹ پریس، علی گڑھ (۱۹۱۵ء)..... عکس سرورق
- ۱۲۵۔ کتب خانہ مولانا آزاد علی گڑھ کے ذخیرہ میں نسخہ الخطاب کے Issue
اجراء کارڈ کا عکس
- ۱۲۹۔ خطبات عالیہ حصہ دوم، مترجم: مولانا انوار احمدی زیری، طبع مسلم یونیورسٹی
پریس، علی گڑھ (۱۹۲۸ء)..... عکس سرورق
- ۱۶۲۔ آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے سوسال اذمان اللہ خاں شیروانی۔ علی گڑھ،
طبع اول ۱۹۹۴ء..... عکس سرورق
- ۱۶۳۔ رپورٹ متعلق اجلاس بست و ششم آل انڈیا محمدان ایٹکواورینٹل ایجوکیشنل کانفرنس
بحق راولپنڈی مؤرخہ ۲۷ تا ۲۹ دسمبر ۱۹۱۳ء، مطبوعہ علی گڑھ..... عکس سرورق
- ۱۶۳۔ آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے سالانہ اجلاس منعقدہ راولپنڈی ۱۹۱۳ء کے
مندوبین کا گروپ فوٹو.....مقابل صفحہ (۱۶۳)
- ۱۶۹۔ مذکورہ بالا مطبوعہ رپورٹ کے متعدد صفحات کا عکس (۱۸۷ تا ۱۶۹)

دیباچہ

مولانا سید سلیمان اشرف کا یہ خصوصی خطاب آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے اٹھائیسویں سالانہ اجلاس منعقدہ ۱۹۱۴ء بمقام راولپنڈی ہوا۔ اس اجلاس کی صدارت مولوی حاجی سر رحیم بخش مرحوم نے کی۔ یہاں یہ عرض کرنا چلوں کہ ایجوکیشنل کے تمام اجلاس ہر سال باقاعدہ متحدہ ہندوستان کے مختلف مقامات پر منعقد ہوتے رہے، جن میں پورے ہندوستان سے مختلف علاقوں میں رہنے والے

۱۔ رحیم بخش، مولوی سر: (تقریباً ۱۸۶۱ء-۴ مئی ۱۹۳۵ء): وطن ٹھکانہ میراں جی (ضلع کرنال)۔ نارل اسکول سے تعلیم حاصل کی۔ شہر انبالہ میں پندرہ روپے ماہوار پر مدرس مقرر ہوئے ترقی کر کے چیفس کالج لاہور میں ۱۳۵ روپے مشاہرے تک پہنچے۔ نواب صادق محمد خاں رابع وائس بہاولپور چیفس کالج میں آئے، تو مولوی صاحب ان کی توجہ کا مرکز بن گئے۔ چنانچہ وہ انھیں بہاولپور لے گئے جہاں ۱۸۹۷ء تک ۳۰۰ روپے ماہوار تنخواہ ہوئی۔ پھر کسی معاملے میں اختلاف رائے کی بنا پر مولوی رحیم بخش صاحب نے استعفا دے دیا۔ نواب صاحب نے پچاس روپے ماہوار وظیفہ تاحیات مقرر کر دیا۔

۱۹۰۳ء میں نواب بہاول خاں خجتم نے پھر بہاول پور بلا لیا، جہاں مشیر امویہ خانہ مقرر ہوئے۔ نواب موصوف نے حج سے واپسی پر انتقال کیا تو ان کے جانشین کی کم سنی میں مجلس ثبات (کونسل آف ریجنی) بنی، جس کے صدر مولوی صاحب مقرر ہوئے۔ اپریل ۱۹۲۳ء میں ۲۰,۰۰۰ روپے نقد انعام اور ۱۰,۰۰۰ سالانہ وظیفے پر ریاست کی خدمات سے سبکدوش ہوئے۔ تمام تعمیری، اصلاحی، تعلیمی اور مذہبی اداروں سے انھیں وابستگی تھی۔

مسلم ایجوکیشنل کانفرنس، ندوۃ العلماء، راجپوت کانفرنس، سب کی صدارت کی۔ ان کا بڑا کارنامہ یہ تھا کہ مرکزی انجمن تبلیغ اسلام کی بنیاد استوار کی۔ انجمن اصل میں میر غلام بھیک نیرنگ، کنور عبدالوہاب خاں اور مولوی رحیم بخش جی کی منویں احسان تھی۔ مدرسہ مظاہر العلوم سہارن پور کے لیے ایک مشن ۱۰,۰۰۰ روپے جب سے دیے۔ ہزاروں روپے مساکین کو بھی دیتے تھے۔ ملازمت سے سبکدوشی کے بعد حکومت پنجاب نے انھیں بہ اصرار مجلس شمع قانون کارکن نامزد کیا۔ (اردو جامع انسائیکلو پیڈیا، جلد اول)۔ ناشر فتح غلام علی اینڈ سنز، لاہور ۱۹۸۷ء، ص ۶۶۲)

اور قومی ترقی کے خواہش مند افراد شرکت کرتے۔ کانفرنس کے شاندار اجلاس پشاور اور راولپنڈی سے ڈھاکہ اور رنگون تک اور دلی سے کراچی، بمبئی اور مدراس تک منعقد ہوئے جن سے ملک کے طول و عرض میں زندگی کی ایک نئی لہر دوڑ گئی۔ کل ہند سطح پر مذکورہ کانفرنس کب اور کیوں کر قائم ہوئی، کانفرنس کے اغراض و مقاصد کیا تھے؟ تفصیلاً بیان کرتے ہیں کہ نسل نو آگاہ ہو سکے۔

آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس قیام اور اغراض و مقاصد:

آل انڈیا محمدن ایجوکیشنل کانفرنس کا قیام (جسے بعد میں آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کا نام دیا گیا، مدرسۃ العلوم علی گڑھ کے قیام ۲۳ مئی ۱۸۷۷ء کے گیارہ سال سات مہینے بعد) دسمبر ۱۸۸۶ء میں عمل میں آیا۔ اس ادارے کے بنیادی مقاصد میں علی گڑھ کے علاوہ دیگر علاقوں کے مسلمانوں کی تعلیمی ضروریات پر غور و خوض کرنا اور ان میں مغربی تعلیم کے حصول کا شوق اور اپنی تعلیمی پس ماندگی کو دور کرنے کا شعور پیدا کرنا شامل تھے۔

سید الطاف علی بریلوی (م: ۲۳ ستمبر ۱۹۸۶ء) علی گڑھ یونیورسٹی کے تعلیم یافتہ تھے۔ وہ سرسید کی انجمن آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس سے پندرہ سال (۱۹۳۵ء سے ۱۹۵۰ء تک) وابستہ رہے۔ وہ مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ:

’سرسید علیہ الرحمۃ کی زندگی کے اہم کاموں میں سے ایک عظیم الشان کارنامہ ’مسلم ایجوکیشنل کانفرنس‘ کا بھی ہے، جس کو انھوں نے

۱۔ متحدہ ہندوستان میں مسلمان تعلیمی لحاظ سے کس قدر پس ماندہ تھے۔ مولانا سلیمان اشرف نے اس پر ہندو اور مسلم تعلیمی تناسب کا ایک جائزہ پیش کیا ہے۔ (تفصیلی مطالعہ کے لیے دیکھیے: ’اتوز علی گڑھ، ۱۹۳۱ء اور محمد صدیق: ’پروفیسر مولوی حاکم علی‘ لاہور، جنوری، ۱۹۸۳ء)۔

۲۔ ’دارالعلوم علی گڑھ‘ میں کانفرنس کے صدر دفتر کی عظیم الشان ذاتی عمارت سلطان جہاں منزل، اس کا خوشنما ہال اور نادر کتاب خانہ زمانہ دراز سے مزین خلائق اور صاحبان علم و عمل کا مجاہد ادارہ بنا۔ بڑے بڑے قومی اجتماعات ہوتے رہے، اور ترقی و فلاح ملی کی جدوجہد جاری و ساری رہی۔ (آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس کی صد سالہ تاریخی ڈائری ۱۸۸۶ء لغایت جون ۱۹۸۶ء، طبع کراچی، ص ۸)

علی گڑھ کالج کھولنے کے گیارہ سال بعد ۲۷ دسمبر ۱۸۸۶ء کو قائم کیا۔
گزشتہ پینسٹھ سال سے اس کالج فرانس کے مقاصد کی تشریح اور ان کا
اعلان مسلسل طور پر جس بلند آہنگی سے ہوتا رہا ہے اس سے مسلم قوم کا ہر
فرد واقف ہے۔

اب سے ساٹھ پینسٹھ سال قبل مسلمانوں میں ایک دوسرے کے حال سے
بے خبری کا یہ عالم تھا کہ ایک صوبہ تو درکنار، ایک شہر کے مسلمان بھی قومی اغراض اور
قومی بھلائی کی خاطر ایک جگہ جمع ہونا اور قومی اصلاح و ترقی کی تدابیر پر کچھ سوچنا اور
غور کرنا نہ جانتے تھے۔ ہندوستان کے دوسرے باشندے زمانہ کی رو کے ساتھ
آگے بڑھ رہے تھے۔ اور مسلمان تعلیمی، اخلاقی، مادی غرض ہر قسم کے ترقی بخش
وسائل سے نا آشنا محض تھے۔ یہ وہ حالات تھے جن سے متاثر ہو کر مسلمانوں
میں تعلیمی بیداری اور سیاسی شعور پیدا کرنے کے لیے یہ قومی ادارہ وجود میں لایا گیا۔
اور بے شبہ آج کی تمام خدشات و فتنی اور انقلاب خیالات اس کالج فرانس ہی کے رہیں

۱۔ علی گڑھ ایک بیادام ہے۔ سرسید ایک حدیث شریف کے حوالے سے لکھتے ہیں: ”ہمارے جناب و خیر خدا
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مشہور یہ قول ہے کہ انا لہ علم و علی بابا۔ پس یہ پہلا مدرسہ ہم مسلمانوں کا، جو درحقیقت
علم کا دروازہ ہوگا، علی گڑھ ہی میں ہونا چاہئے۔“ (اقتباس از کمیٹی خزیۃ البھاد، اجلاس نهم منعقدہ ۱۸۷۲ء، بحوالہ
ایم۔ وائی انصاری، پروفیسر: سرسید اور فن تعمیر، مشمولہ: مقالات سرسید صدی (مارچ ۱۹۹۸ء) کراچی: سرسید یونی
ورسٹی پریس، ص ۵۰)

نوٹ: سرسید، کمیٹی خزیۃ البھاد، تاسیس مدرسۃ المسلمین کے لائف ممبر تھے۔ اس کمیٹی کا دفتر علی گڑھ کالج کے
قیام تک بنارس میں رہا چونکہ سرسید بسملہ ملازمت (۱۸۷۰ء) بنارس میں ہی مقیم تھے (حیات جاوید، حصہ اول،
طبع ثانی، ص ۱۳۰)۔ سرسید نے اپنے مشن کی تکمیل اور اعلیٰ تعلیم کے حصول کو عام کرنے کی غرض سے مذکورہ کمیٹی قائم کی
تھی۔ کمیٹی کا مقصد مجوزہ کالج (انگلش اور فینل کالج) کے قیام کے لیے چندہ جمع کرنا تھا۔ کمیٹی نے سرسید کو کالج کے
لیے فنڈ (چندہ، عطیات) جمع کرنے کی اجازت دے دی تھی۔ (انج۔ بی۔ خان، ڈاکٹر: تحریک ملی گڑھ تا قیام
پاکستان و قرارداد مقاصد۔ الحمدادی، کراچی، ۱۹۹۸ء، ص ۳۵)

ضوابط اور مطالبات قومی پر بحث و مباحثہ کے طریقے سکھائے، اور اعلیٰ خیالات کا ایک ایسا بلند مینار تیار کیا جس پر چڑھ کر قوم نے اپنی حالت کو دیکھا، اور تباہ کن راہوں کو ترک کر کے ترقی پزیر شاہراہوں پر گامزن ہوئی۔^۱ آگے چل کر سید بریلوی (علیگ) مرحوم رقمطراز ہیں:-

’کانفرنس نے اپنے مقصد اور نصب العین کے مطابق مسلمانوں میں ہر ممکن اور مناسب طریقہ سے صحیح تعلیم کو رائج کیا نہایت استقلال کے ساتھ تصنیف و تالیف و تراجم کے ذریعہ اسلامی لٹریچر اور تاریخ کی حفاظت، اردو کی ترویج و اشاعت کے ذرائع کی بہم رسانی، معلومات تعلیمی کے لیے اعداد و شمار کی ترمیم و تدوین، اصلاح تمدن کے وسائل کی فراہمی، ہزار ہا ضرورت مند طلباء کو لاکھوں روپے وظائف، مدارس و انجمن ہائے اسلامی کا قیام، اور ان کی ہر قسم کی امداد کے علاوہ سب سے بڑی خدمت مسلم یونیورسٹی کو وجود میں لانے کی انجام دی۔ اسی طرح مسلم گزٹس کا لالچ علی گڑھ، ڈھاکہ، یونیورسٹی، انجمن ترقی اردو اور مسلم لیگ جیسے قابل فخر مسلمانوں کے قومی ادارے کانفرنس ہی کی تحریک و تشویق سے معرض وجود میں آئے۔ تعلیم عربی اور مذہبی تعلیم کے مشہور اداروں مثلاً ندوۃ العلماء لکھنؤ وغیرہ کی امداد و اعانت میں بھی کانفرنس نے بہت بڑا حصہ لیا۔‘^۲

آئندہ طور میں ایک اہم حوالہ ملاحظہ فرمائیں، سید معروف لکھتے ہیں:

’سید احمد خاں کو جب ’مخزن کالج‘ کے قیام ۲۴ مئی ۱۸۷۵ء کی جانب سے

۱۔ آل پاکستان انجمن کیشل کانفرنس کی حد سالہ تاریخی ڈائری: ۱۸۸۶ء، غازیہ: جون ۱۹۸۶ء، مرتب: سید الطاف علی بریلوی (علیگ)، طبع کراچی، ص ۹۰۸۔

۲۔ ’سالہا سال تک کانفرنس کے ساتھ ہی لیگ کے اجلاس ہوتے رہے تا آنکہ حضرت قائد اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھوں مسلم لیگ اس قدر بڑھی کہ اس کی جہد خاص سے پاکستان وجود میں آیا جو آج دنیا کی سب سے بڑی اسلامی سلطنت ہے۔‘ (ایضاً، ص ۹)

اطمینان ہوا تو انھوں نے سوچا کہ صرف ایک کالج سے قومی تعلیم کا مسئلہ حل نہیں ہوگا اس لیے کہ دور دراز علاقوں میں رہنے والے مسلمان ایک دوسرے کے حالات سے بے خبر ہیں اور کوئی ایسا ذریعہ نہیں کہ صوبوں اور اضلاع کے لوگ ایک جگہ جمع ہوں اور قوم کی تعلیم و ترقی کے سلسلہ میں اپنے خیالات کا اظہار کر سکیں کہ قومی یکانیت اور ہمدردی پیدا ہو اور تعلیم و ترقی کی سمت نہائی ہو سکے۔ اسی خیال کے تحت ۱۸۸۶ء میں انھوں نے "مژدن ایجوکیشنل کانفرنس" کی بنیاد رکھی۔ ۱۸۹۰ء میں اسے آل انڈیا مژدن ایجوکیشنل کانفرنس کے نام سے موسوم کیا گیا۔ ابتدا میں کانفرنس کے مقاصد حسب ذیل تھے (دیکھیے پنجاب سالہ تاریخ آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس، ۱۹۳۷ء)

۱۔ مسلمانوں میں یوروپین لٹریچر کے پھیلائے اور اس کو وسعت دینے اور انھیں اعلیٰ درجے کی تعلیم دینے کی کوشش کرنا۔

۲۔ مسلمانوں نے جو قدیم علوم میں ترقی کی اس کی تحقیقات کرا کے شائع کرنا۔

۳۔ نامی گرامی علماء اور مشہور مصنفین اسلام کی سوانح عمریوں کو اردو یا انگریزی میں لکھوانا۔

۴۔ مسلمان مصنفین کی وہ تصنیفات جو نایاب ہیں ان کا پتہ لگانا کہ وہ کس جگہ موجود ہیں اور پھر انھیں از سر نو شائع کرنا۔

۵۔ تاریخی واقعات اور قدیم تحقیقات پر لوگوں کو تقریر پر آمادہ کرنا۔

۶۔ بنیادی علوم کے کسی مسئلہ یا تحقیقات پر کسی رسالہ کے تحریر ہونے یا لکچر دینے کی تدبیر کرنا۔

۷۔ فرامین شاہی کو ہم پہنچا کر ان سے کتاب انشا کا مرتب کرانا اور ان کے نمونے فوٹو گراف کے ذریعہ سے قائم کرنا۔

۸۔ مسلمانوں کی تعلیم کے لیے جو انگریزی مدرسے مسلمانوں کی طرف سے قائم ہیں ان میں مذہبی تعلیم کے حالات دریافت کرنا اور بعد ازاں مکانِ عہدگی سے اس

تعلیم کو طلبا میں پھیلا نا۔ (پنجاہ سالہ تاریخ، ص ۴۵-۵۶)

آگے جانے سے پہلے اگر پروفیسر ڈاکٹر نجیب جمال کے مقالے 'یکانہ'۔ تحقیقی و تنقیدی مطالعہ سے استفادہ کر لیا جائے، تو مذکورہ دور کے سیاسی و سماجی، تہذیبی و تمدنی، فکری و مذہبی اور علمی و ادبی پس منظر سمجھنے میں مدد ملے گی۔ ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں:

'خالص علمی نقطہ نظر سے اس عہد کو دیکھا جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں انگریزوں کے ہاتھوں ہٹ جانے کے بعد ہندوستان کے لوگوں میں فکری و علمی افلاس کا احساس شدید ہو گیا تھا۔ یہی وہ لمحہ تھا جب قدامت اپنی تمام بچی کھچی قوت اور توانائیوں کو سمیٹ کر جدیدیت سے ٹکرائی تھی۔ فکری و علمی افلاس اپنے ساتھ غلامی، محکومی اور نقابہت لے کر آیا۔ ایسے میں ایک طرف تو وہ طبقہ تھا جو پرانے معیاروں ہی کو سب کچھ جانتا تھا اور دوسری طرف وہ لوگ تھے جو روحانیت کے مقابلے میں مادیات کی طرف بھٹکتے جا رہے تھے (؟) اور

۱۔ محمد معروف، سید۔ مضمون بعنوان 'انجمن ترقی اردو' مختصر تاریخی جائزہ، مشمول: ادب و کتب خانہ، کراچی: بزم اکرم، ۲۰۱۴ء، ص ۴۰۔

۲۔ ایسے بڑے خطر اور کشن مرحلے میں بھی ہمیں مولانا سلیمان اشرف جی کا آجنگ سنائی دیتا ہے، جو ان کی غیر معمولی دینی غیرت و حسیت اور مومنانہ حق گوئی و بے باکی پر شاہد عادل ہے چنانچہ اپنے رسالہ 'الرشاد' میں یاد دلاتے ہیں: 'مسلمانوں کی انتہائی بد قسمتی یہی ہے کہ یہ کسی غیر قوم کی طرف اس غرض سے بڑھتے ہیں کہ اپنی حیات دنیا سنوارنے کا طریقہ اس سے سیکھیں، لیکن اس سے خوشتر کہ ان وسائل و اسباب پر انھیں دسترس ہو دین و مذہب پہلے کھو بیٹھے ہیں۔ مسلمانوں کا ایک عہد عیسائیت کے ساتھ تعلق و شغف تھا مسلمان ہمدن اس میں طول و جذب ہو جانے کے لیے بے تاب تھے۔ لیکن رانیا قوم نے اس وقت نہایت بلند آہنگی سے یہ صور پھونکا تھا کہ اگر باعزت و حرمت دنیا میں رہنا چاہتے ہو تو یورپ میں جذب ہو جاؤ، مسلم ہستی بذات خود قائم ہو ہی نہیں سکتی۔ اسلامی انداز جلد سے جلد چھوڑ دو اور یورپ کے اسلوب اختیار کرو۔ پھر کیا تھا مسلمانوں کی شکل و صورت، لباس و پوشاک طرز مانعہ بود و غرض ہر ایک شعبہ حیات میں یورپ ہی کی کجائی تھی۔ حتیٰ کہ نام تک یورپین تلفظ و الہام میں شامل کر لیا گیا، ارکان اسلام سے بیگانہ وشی لازم تہذیب و تعلیم قرار پائے، عیسائیت میں جذب ہونے کے لیے مسائل شرعیہ میں طرح طرح کی تخریصیں کی گئیں، آیات قرآنی اور احادیث نبوی کے مطالب میں عجیب و غریب معنی آفرینیوں سے کام لیا گیا۔' (الرشاد: ۱۹، ۲۰)

جن میں گرد و پیش کا تجزیہ کرنے کا شعور موجود تھا، سرسید کی علمی و ادبی تحریک نے اس لمحے میں جنم لیا۔ علی گڑھ تحریک کے پس منظر میں شاہ ولی اللہ (۱۷۶۲ء-۱۷۰۳ء) کے علمی نظریات دکھائی دیتے ہیں۔ سرسید علوم عقلیہ کی طرف متوجہ ہوئے اور ان کی تحصیل کو وقت کی سب سے بڑی ضرورت قرار دے کر علمی سطح پر اس کے فروغ کے لیے کام کیا۔ سوسائٹیاں، مدر سے اور کالج قائم کیے اور اپنے نظریات و افکار کی ترویج کے لیے اپنے بڑے بھائی سید محمد خاں کے فارسی اخبار 'سید الاخبار' سے کام لیا اور پھر خود بھی 'سائنٹیفک سوسائٹی گزٹ' اور 'تہذیب الاخلاق' کا اجراء کیا جنہیں برصغیر (بر عظیم) کی صحافتی، علمی اور ادبی تاریخ میں خاصا نمایاں مقام حاصل ہوا۔^۱

۱۔ 'سرسید نے اپنی تصانیف میں شاہ ولی اللہ دہلوی کو اکثر جگہ نقل کیا ہے اور اپنے دلائل کو اس سے تقویت دی ہے۔' (سرسیدی فکر اور عصر جدید کے تقاضے۔ ص ۱۳۲)

۲۔ ۱۸۶۲ء میں سائنٹیفک سوسائٹی قائم کی، تو اس کا ایک مقصد سرسید نے یہ قرار دیا تھا کہ ایشیا کے قدیم مصنفوں کی کیا ب کتابوں کو تلاش کر کے چھاپا جائے۔ بریلی میں ایک بار تقریر کرتے ہوئے انھوں نے کہا:

"کسی قوم کے لیے اس سے زیادہ بے عزتی نہیں کہ وہ اپنی قومی تاریخ کو بھول جائے اور اپنے بزرگوں کی کمائی کو کھو دے۔" (جواب ایڈرس انجمن اسلامیہ بریلی۔ "لکچروں کا مجموعہ"، ص ۱۳۴)

سید احمد خاں سے زیادہ قومی اور تاریخی سرمایہ کی حفاظت کا خیال شاید ہی ہندوستان میں کسی شخص کو پیدا ہوا ہو۔ آثار الصنادید کو لکھتے وقت ان کا جذبہ یہی تھا کہ کاروانِ رفت کے ایک ایک نقش کو محفوظ کر لیا جائے۔ انھوں نے فارسی مأخذ تاریخ کو ایڈٹ کرتے کا بیڑا اٹھایا اور ضیاء الدین برنی کی تاریخ فیروز شاہی، ابوالفضل کی آئین اکبری اور جہانگیر کی تزک کو بڑے اہتمام سے شائع کیا۔ گزشتہ کم و بیش ایک صدی سے سرسید کے مرتب کیے ہوئے یہ ایڈیشن تاریخ کے طلباء کے زیر مطالعہ ہیں۔ ان کتب وغیرہ کو شائع کرتے وقت ان کے ذہن میں اگر کوئی بات تھی تو یہ کہ اپنے تاریخی سرمایہ کو دست بردوزمانہ سے بچالیں۔ (نظامی، پروفیسر خلیق احمد۔ 'سرسیدی فکر اور عصر جدید کے تقاضے' انجمن ترقی اردو (ہند) نئی دہلی ۱۹۹۳ء۔ ص ۸۸-۸۷ و بعد)

۳۔ ۱۸۷۰ء میں 'تہذیب الاخلاق' کا اجراء ہوا۔ 'تہذیب الاخلاق' نے سیاسی، مذہبی، معاشرتی، تہذیبی، علمی اور ادبی پہلوؤں کا احاطہ کیا اور قومی انقلاب کی راہیں کشادہ کیں۔

۴۔ 'لوگ' Sub Continent of Indo-Pakistan کا ترجمہ برصغیر پاک و ہند کر دیتے ہیں۔ (باقی بر صفحہ آئندہ)

ڈاکٹر صاحب موصوف نے اپنے مقالہ میں اس دوران ہندوستان میں قائم کیے جانے والے بعض سرکاری و غیر سرکاری تعلیمی اداروں کا ذکر کرتے ہوئے لکھا کہ: ۱۸۵ء کا سال ایک ایسی حد بن کر آیا جہاں قدیم اور جدید ایک دوسرے سے جدا ہو گئے۔ دہلی کالج کی تاسیس ۱۸۳۵ء میں ہوئی۔ اس سال ملکیتہ بمبئی اور مدراس میں یونیورسٹیاں قائم کی گئیں۔ ۱۸۶۷ء میں دارالعلوم دیوبند کا قیام عمل میں آیا۔ ۱۸۷۰ء میں لاہور میں 'اوری انٹل کالج' قائم ہوا جہاں الہ مشرقی کی

(بقیہ صفحہ گزشتہ)

حالات کہ اس میں 'بلکہ دیش' بھی شامل ہے۔ ٹائپا جب ہم (Continent) کا ترجمہ براعظم کرتے ہیں، تو پھر Sub Continent کا ترجمہ برصغیر کیوں کر صحیح ہے۔ اعظم کا اسم تصغیر عظیم ہے صغیر نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے شہرہ آفاق مؤرخ ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی نے اپنی تصنیف کا نام 'برعظیم پاک و ہند کی ملت اسلامیہ' رکھا۔ اُس وقت تک بلکہ دیش کا وجود تھا۔ (محمد اسلم، پروفیسر، تحریک پاکستان، ص ۱۲)

۵۔ نجیب جہاں، ڈاکٹر: لنگانہ تحقیقی و تنقیدی مطالعہ۔ لاہور، اظہار سنز۔ بارڈل ۲۰۱۳ء، ص ۴۶، ۴۷۔

۶۔ 'دہلی کالج کی تاسیس کے مقاصد میں اگرچہ میکالے کی تعلیمی پالیسی کے علاوہ ہندوستانی کلرک سٹے داموں خرید کر سیاسی بے اطمینانی کم کرنا تھا مگر بقول متیق صدیقی: 'یہی کالج آگے چل کر مغربی علوم اور مغربی خیالات کی تبلیغ و اشاعت کا مرکز اور ہماری نشاۃ الثانیہ کی تحریک کے ان نوخیز پودوں کی آب یاری کا بڑا منبع بن گیا جن کی فورٹ ولیم کالج (قائم شدہ ۱۸۰۰ء) نے جنم ریزی کی تھی۔ دہلی کالج نے وقت کے شدید تقاضوں کو جس طرح پورا کیا اس کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ اس کالج کے فارغ التحصیل طالب علموں میں مؤرخ، سائنس دان، ادیب، نقاد، ریاضی دان اور اخبار نویس بھی نکلے جو اردو اخبار نویسی کے سابق الاؤلون میں گنے جاتے ہیں۔' ('ہندوستانی اخبار نویسی' سمجنی کے عہد میں) ایڈس جیلی کیشنز کراچی، ۱۹۸۰ء، ص ۳۶۰)۔ دہلی کالج کا روشن پہلو یہ ہے کہ اس درس گاہ میں میکالے کے منصوبے کا وہ پہلو شمر بار نہ ہوسکا جس کا مقصد ہندوستانی سر میں انگریزی دماغ رکھنا تھا۔ (نجیب جہاں، ڈاکٹر: ایضاً، ص ۴۷)

۷۔ بقول عبدالرشید میاں: 'دلچسپ بات یہ ہے کہ علی گڑھ تحریک کے بانی سید احمد خان اور دیوبند کے بانی مولانا محمد قاسم نانوتوی دونوں ایک ہی استاد مولانا ملک علی نانوتوی کے شاگرد تھے۔ مولانا قاسم، حاجی امداد اللہ صاحب کے سلسلہ بیعت میں داخل تھے۔ حاجی صاحب 'وصف شاہ محمد اسحاق سے فیض یافتہ تھے، جو شاہ عبدالعزیز کے نواسے اور جانشین تھے۔ حاجی صاحب ساری عمر مختلف اسلامی فرقوں کے اختلافات و دور کرنے میں کوشاں رہے۔ ان کا مسلک یہ تھا کہ مسائل نزاعیہ میں سے اکثر میں محض نزاع لفظی ہے، اور مقصد متحدہ شروع میں یہ حضرات فرقہ پرستی سے بالا راہ اعتدال پر گامزن رہے، مگر بعد میں انھوں نے اپنی مصالحت پسندانہ روش ترک کر دی اور خود ایک (باقی اگلے صفحہ پر)

تدریس کے ساتھ ساتھ یورپی علوم و فنون، جدید ہندوستانی زبانوں (عربی، فارسی، ہندی اور اردو) کے ذریعے پڑھانے کا سلسلہ شروع کیا گیا۔ ۱۸۷۷ء میں سرسید نے جدید تعلیم کو فروغ دینے کے لیے 'محمدن اینگلو اوری اینٹل کالج' قائم کیا جس نے آگے چل کر مسلمانان ہند کی فکری و علمی رہنمائی کا فریضہ ادا کیا۔ سرسید ہی نے ۱۸۸۶ء میں 'آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس' کی بنیاد ڈالی، جس نے 'آل انڈیا مسلم لیگ' کے قیام کی راہ ہموار کی۔

(بقیہ حاشیہ)

فرقہ بن کر دوسرے فرقوں کے مقابل آگئے۔ نہ صرف یہ بلکہ انھوں نے اپنے بزرگوں کی وسعت نظری کو بھی ترک کر دیا اور روح اسلام کو نظر انداز کر کے چھوٹی چھوٹی باتوں پر زور دینے اور لڑنے جھگڑنے لگے۔ خاص طور پر ان کے افکار مغرب (یا علوم مغرب؟) سے بیزاری نے انھیں بہت نقصان پہنچایا۔ اپنے ذہنوں کو مسدود کر لینے کے باعث ان کے فکر کے سوتے خشک ہو گئے۔ نیز ان کی کانگریس سے وابستگی نے مسلمانوں کو بہت سیاسی نقصان پہنچایا۔ یو امولا نا شبیر احمد عثمانی اور ان کے چند رفقاء کے، ان میں سے کسی قابل قدر ہستی نے تحریک پاکستان کا ساتھ نہ دیا۔ (حوالہ: پاکستان کابینس منظر اور پیش منظر، مشمولہ: باب دیوبند، ص ۱۱۱ بعدہ۔ ادارہ تحقیقات پاکستان، وائس گاہ پنجاب، لاہور ۱۹۸۳ء)۔ انھوں اس بات کا ہے کہ جمعیت العلمائے ہند کے رول کو سراہنے والے عناصر، جو اب وطن عزیز میں مولانا عثمانی مرحوم کی جمعیت علمائے اسلام کے پلیٹ فارم سے سیاست کر رہے ہیں، پاکستان کے قیام کو گناہ سے تعبیر کرتے ہوئے اس مملکت کے بنانے اور اس کی حمایت کرنے والوں کو ملزم گردانتے ہیں (اللہ وانا الیہ راجعون)۔ مولانا عثمانی الحق تھا نوی مرحوم کہتے ہیں: "مفتی محمود اور مولانا یوسف بخاری، جو کہ جمعیت العلماء ہند صوبہ گجرات کے صدر تھے، ان دونوں کا نظریہ یہ ہے کہ حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی کو پاکستان بنانے کے جرم کی پاداش میں قبر میں عذاب مل رہا ہے"۔ (حوالہ: دی گریٹ لیڈر (اردو)۔ جلد اول، ص ۷۷۔ آتش فشاں لاہور ۲۰۱۱ء)۔

۱۔ 'آج ہم ہمسائیہ دیکھ سکتے ہیں کہ سرسید نے جس سیاسی پالیسی کی بنیاد رکھی تھی، بالآخر قوم نے اسی کو اختیار کیا اور وہی کامیاب رہی۔ مسلمانان ہند کی فکری اور سیاسی لیڈر شپ مغربی تعلیم یافتہ اصحاب ہی نے سنبھالی۔ اقبال اور قائد اعظم دونوں اعلیٰ مغربی تعلیم سے مرصع تھے۔ انہی کی مساعی جیلہ سے پاکستان قائم ہوا۔ اور پاکستان کا قیام سرسید ہی کی پالیسی کا نتیجہ اور اس کی صداقت پر مبر ہے۔' (عبدالرشید میاں)۔ پاکستان کابینس منظر اور پیش منظر۔ مشمولہ: سرسید احمد خان۔ ص ۱۱۰)؛ 'حقیقت یہ ہے کہ اگر سرسید اور ان کے مغربی تعلیم کی تحریک نہ ہوتی تو مسلمان آزادی کی تحریک میں اس طرح شریک نہ ہوا پاتے۔ ۱۹۰۷ء میں مولانا محمد علی نے سرسید کی روح سے یہ کہہ کر۔

سکھایا تھا تمہیں نے قوم کو یہ شور و شر سارا جو اس کی انتہا ہم ہیں تو اس کی ابتدا تم ہو ایک تاریخی حقیقت کو بے ثواب کر دیا ہے۔' (خلیق احمد نظامی، پروفیسر: سرسید کی فکر اور عصر جدید کے تقاضے۔ ص ۱۱۰)۔

۱۹۱۷ء میں حیدر آباد میں جامعہ عثمانیہ کا قیام عمل میں آیا جس کا سربراہ میر عثمان علی خاں والی حیدر آباد کے سر ہے۔ اس ادارے کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں تمام مغربی علوم اردو زبان میں پڑھائے جانے لگے اس کے ساتھ انگریزی زبان کی تعلیم بھی لازمی مضمون کے طور پر برقرار رہی۔ مغربی علوم و فنون کی وری کتابوں کے اردو ترجموں کے لیے ۱۹۱۷ء میں دارالترجمہ قائم ہوا جہاں مستند اور معیاری کتابوں کا ترجمہ کیا گیا۔ ۱۹۲۰ء میں علی گڑھ میں مولانا محمد علی جوہر کی کوششوں سے 'جامعہ ملیہ اسلامیہ' کا قیام عمل میں آیا، ۱۹۲۵ء میں اسے دہلی منتقل کر دیا گیا۔ ۱۷

ازیں علاوہ اسلامیہ کالج لاہور (قیام: یکم مئی ۱۸۹۲ء) اور اسلامیہ کالج پشاور (آغاز: ۱۹۱۳ء) بھی قائم کیے گئے تھے۔ سید احمد خان اور دیگر قائدین اس امر کو پانچکے تھے کہ صرف مسلمانوں کی ہی نہیں بلکہ ہر قوم کی ترقی و اعلیٰ کامیابی کا راز صرف مسئلہ تعلیم کے عمدہ طریقے سے حل ہونے پر مبنی ہے، اور یہ فریضہ ایجوکیشنل کانفرنس بخیر و خوبی انجام دے رہی تھی۔

یہ ایک روشن حقیقت ہے کہ انقلاب حکومت اور تغیرات زمانہ سے ہر چیز اثر پذیر ہوتی ہے، اس انقلاب اور مغربی خیالات کی ترقی و اشاعت نے ہندوستان میں مسلمانوں کی مذہبی تعلیم کے مسئلہ کو نہایت اہم اور ایک لحاظ سے پیچیدہ بھی بنا دیا تھا۔ جب کہ اسلامی عہد حکومت میں قدیم و جدید علوم کی کشمکش نہ تھی یہ مسائل کبھی زیر بحث ہی نہ آئے تھے، جو اس دور میں پیدا ہو گئے۔

جیسا کہ مشاہدہ میں آیا، متحدہ ہندوستان کے طول و عرض میں جب ایجوکیشنل کانفرنس کی شاخیں قائم ہو رہی تھیں، تو بعض حساس مسلمان جو غالباً کم نظری مگردیانت داری سے یا بھر شاید طرز کہن پر اڑنے اور آئینہ نو سے ڈرنے کے مصداق کانفرنس کی سرگرمیوں سے اپنے کو بچانا چاہتے تھے، کی جانب سے کچھ خدشات کا اظہار کیا جانے لگا، اور اس کے ازالہ کے لیے انھوں نے اس وقت کے اہل علم سے رجوع کرنا مناسب سمجھا اور ان کے سامنے ایک سوال استغنا کی صورت

۱۔ ینگانہ۔ تحقیقی و تنقیدی مطالعہ، ص ۴۸

۲۔ استنباح کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس سوال میں کہ اس ملک کا ٹھکانہ اور اس میں ایک مجلس بنام کانٹھیا واز مسلم ایجوکیشنل کانفرنس، کانٹھیا واز کے مسلمانوں کی تعلیمی مجلس قائم ہوئی ہے جن کے محرک و متحرکین و متعلقین علیحدہ (باقی بر صفحہ آئندہ)

(بقیہ صفحہ گزشتہ)

کالج ہیں۔ ۲۰ اکتوبر ۱۹۱۶ء کو ان کا پہلا جلسہ جو ناکذہ میں ہوا، جس کی صدارت پروفیسر ڈاکٹر ضیاء الدین احمد، نظامت کے فرائض منشی غلام محمد میر سرائٹ لا کاٹھیا واڑی نمائندہ علیکذہ کالج وونیڈ آل انڈیا یونین انجیو کیشنل کانفرنس نے انجام دیے، حاضرین جلسہ سے خطاب مشہور واعظ مولوی سلیمان چلاواری نے کیا۔ اس کانفرنس کا مقصد وحید تمام مسلمانوں کی دینی و دنیوی ترقی بتایا گیا ہے۔ ایک ایسی کانفرنس جس میں جملہ عیان اسلام بشمول ایسے گروہوں کے کہ جن سے مسلمان اہل سنت و جماعت کو بنیادی نوعیت کے اختلافات ہیں، ہم (بحیثیت سواد اعظم) کیا اس تعلیمی کانفرنس کے لیے داسے، درسے، ملتے، سنتے کسی قسم کی معاونت کر سکتے ہیں۔ جواب آنے پر ان شاء اللہ تعالیٰ اس استحقاق کو چھوڑ کر اس ملک کا ٹھیکہ دار و گجرات و ہندو نائیر ہا جگہ پر بغرض اشاعت مسلمانوں میں عام طور پر تقسیم کیا جائے گا۔

فقہا..... راقم آثم خادم قاسم میاں غنی عت

از مقام گوڈل علاقہ کاٹھیا واڑ

تاریخ ۱۲ المرجم الحرام ۱۳۳۵ھ ہجریہ مقدسہ پشیشہ

ماخوذ..... (استفتا: الدلائل القامرہ علی الکفرۃ النیاشرہ) باراڈل ۱۹۱۷ء

بد قسمتی کیسی اس قوم کے ہر کاب رہی ہے کہ موہوم و مشروض خدشات کو بنیاد بنا کر علوم عصری پر رقیب اقوام کے برابر لانے بلکہ ان پر سبقت لے جانے کی سعی جمیل کے خلاف علمائے دین سے ایسے فتاویٰ حاصل کیے گئے، جن کے باعث اس رتہ روشن کو تاریکیوں سے ڈھانپ کر ملت کی منزل کھوئی کی گئی۔ ساون کے کچھ اندھوں کو آج بھی ہر ابراہی سوچتا ہے حال آنکہ زمانے کے پلوں کے نیچے سے پانی اپنی پوری رفتار کے ساتھ بہتا چلا آ رہا ہے۔ بعض ایسے ایمان فروش مفاد پرست بھی ہیں کہ ان فتاویٰ کے پشاورے اپنی کمر پر اٹھائے سر بازار نظروں کی تجارت سے پیٹ کا دوزخ بھر رہے ہیں۔

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد نے کہا تھا: انقلابات و حادثات نے ماضی کے بہت سے نظریات کو یا تو رد کر دیا ہے یا بھران پر سمجھ تھیں ثابت کر دی ہے۔ لیکن اس کا کیا کیا جائے کہ آج بھی بعض حضرات پوری استقامت کے ساتھ 'مرغ کی ایک ہی ٹانگ پر یقین کا ل رکھتے ہیں۔ علامہ نے ہمارے اس مرض پر بجا طور پر کہا تھا۔

آئین تو سے ڈرنا طرز کہن پہ اڑنا

منزل یہی کٹھن ہے قوموں کی زندگی میں

مقام صد الطیفان امر یہ ہے کہ ہر ہر دور میں صاحبان بصیرت نے بنظر غائر حقائق کو دیکھا اور رائے عامہ کی رومیں یہ نکلنے کے بجائے اپنی بات دو ٹوک انداز میں کہی بھی۔

چنانچہ فتاویٰ کی پھیل میں علامہ شاہ احمد نورانی رحمۃ اللہ علیہ کے والد گرامی حضرت مولانا محمد عبدالحلیم صدیقی میرٹھی رحمۃ اللہ (۲ اپریل ۱۸۹۳ء - ۲۲ اگست ۱۹۵۴ء) کا فتویٰ ایک روشن چراغ کی مانند آج بھی پوری آب و تاب کے ساتھ ان کی دُور رس نگاہ کو خراج تحسین پیش کرتا نظر آتا ہے:

۴۷۲ تصدیق جناب مولانا مولوی محمد عبد العظیم صاحب میرٹھی زید مجدہ

میں بلا واسطہ (جبل و عل) و مصلیٰ و مسلماً محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اما بعد
 لا شیا وارسلہم کیکشکاش کافزمن کے نام سے لاپرواہی کر کے مسلمانوں کا شیا وارسلہم کی ایک قطعی بات پر
 مسلمانوں میں علوم کی روشنی پھیلانا اور ان کو بحالہ کے قمر و ستارے سے نکالنا ایک ایسا ضروری و اہم امر
 جس کے متعلق قرآن عظیم میں بے گون واد ہوتا ہے و لیکن متکاملہ و مہیون الی الفیہ و باصرون
 بالمرحوت و مہیون عن المنکونہ از شام ہوتا ہے کہ یوم اللہ الذین امنوا منکم الذین
 اولوا العلم و رجت طلبہ علم کے متعلق قرآن حضور عالم باکان و ما یکون صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی
 کہ طلب العلم و رجت طلبہ علم کی کل علم و مسالہ تیرا طلب العلم و لو کلان و انصاف لیکن سب سے
 اہم سوال یہ ہے کہ یہ علم سے ملنا کونسا علم ہے کہ یہ علم حضرت علیؓ کی علم و علیؓ کی علم و علیؓ کی علم
 کہ یہ علم حضرت علیؓ کی علم و علیؓ کی علم و علیؓ کی علم و علیؓ کی علم و علیؓ کی علم و علیؓ کی علم
 و النجوم و الزمان کذا فی مدنیۃ العلم و قال الامام الثانی س مۃ اللہ تعالیٰ علیہ السلام علیہ
 علم الطب لا یجوز العلم للادیان سوال مذکور الصنف کا جواب آیات کلام عظیم و احادیث نبوی کریم
 علیہ الصلوٰۃ و السلام کے مضامین کو ترتیب دینے سے باقی تو یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ یہاں اس علم سے ملنا
 علم ہی ہے جو دنیا ہی پر مبنی ہے و نہ زمین کا اجازت دے اگر عیا کہ بعض باتیں معانی آیات و احادیث
 کثرت سے کہ علم انسان ہی اسی ہی داخل ہیں تو یہی یہ امر قطعی ہے کہ علم و دینی کو برت کر علم ایمان پر
 اولیت ان و اولین کے نزدیک بھی مسلم ہوگی اس لیے معاملات تعلیم و تعلم علوم پر غور کرنے والوں کے لیے
 متکرمین ہی نہیں بلکہ لغزائے قائمہ اہل الذکر انکلتو لا قلمیون اہل ذکر و احکامان و علی کا سرور
 بننے کے لیے الذین امنوا کا ہونا نیز طلب علم کی رخصت کا حکم پانے والوں کے لیے مسلم و مسلمہ کا ہونا لازمی ہے
 پس یہاں مسائل تعلیم و تعلیم پر غور کرنے کے لیے اہم و ضروری ہے کہ اولاً حق تبارک و تعالیٰ کی علیہ
 و یا مومن بالمرحوت و مہیون عن المنکونہ اہل الذکر کے مصداق کہلاتے ہیں ان کی اور تعلیم و تحقیق
 یوم یوم اللہ الذین امنوا منکم الذین اولوا العلم و رجت طلبہ علم کے متعلق قرآن حضور عالم باکان و ما یکون
 اہم و اولین کو موصوفی کرتے ہوئے ہمیشہ معرفت واد کے لیے تجارت و نفاعت و معرفت و معرفت و معرفت
 اللہ و معرفت کے علم و تعلیم کے متعلق بھی مشورہ کوئی مین کے حصول سے دین میں نقصان آنے کا احتمال
 انصاف ہی و ہر قاضی انجمن محمد اور اس انجمن کی شرکت مسجد کوئی جائے کی علی اگر انکشاف میں مقرا
 عن الفیہ و مہیون عن المنکونہ اہل الذکر کے مصداق کہلاتے ہیں ان کی اور تعلیم و تحقیق
 سے اہل ایمان کے لیے ہرگز گنہگار نہیں ہیں کہ اگر علم کے متعلقہ سے معاملات ثابت ہو چکا ہے اور قاضی اعظم
 و حل محل مجاہد مکمل و اہم - فقیر محمد عظیم رضا القاضی خضر

وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغُ

[illegible]

الدلائل القاهرة
على الكفرة النياضة

حلی سنیات جناب حاجی قاسم میاں صاحب نام جامع گزشتہ مکتبہ کا مکتبہ
 حنیف لکھنؤ جناب حاجی علی اللہ خان صاحب لکھنؤ مال سٹریٹ لکھنؤ
 جناب حکیم مولوی ابوالفضل احمد علی صاحب افغانی قادری رضوی

مطیع الہی نہایت جماعت سیلی میں چھایا کرتا تھا کیا

ملنے کا پتہ :- دفتر جماعت اہل سنت، محلہ مختتم خان، جلیلی بھیت، یو۔ پی۔

وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغُ

[illegible]

الدلائل لقاهرة
على الكفرة النياشرة

مؤلفہ

حاجی منت جانی قاسم میاں صاحب ایم جامعہ گونڈل علاقہ کاٹھیاوا
حضرت شمس اراکین انجمن تبلیغ صداقت نبوی

پڑا سلطان حسین نے اپنے ملج سلطان راقعہ، امیر خوالد اور گکوٹی میں چھاپا اور

پلیر

عشقی مصطلقے نماں قادری فیض آبادی نے شائع کیا

الحمد لله

1944

پانچویں اکیڑا جلد

عكس مروج: رسالة "الدلائل القاهرة على الكفرة النباشرة" طبع بمبئي ١٩٣٢ء

میں مرتب کر کے یہ جاننا چاہا کہ مذکورہ تعلیمی کانفرنس کے اجلاسوں میں ان کی شرکت یا ان کی کسی قسم کی اعانت کے بارے میں کیا حکم ہے۔

وقت تقسیم کی راہیں بناتا ہے:

سن ستاون کے بعد (بالخصوص ۱۸۶۵ اور ۱۸۷۵ء کے درمیان) مغربی تعلیم کی ترقی پر یہ حالت نے علمائے کرام اور جدید تعلیم یافتہ اصحاب کے درمیان خاصا اختلاف پیدا کر دیا تھا۔ تعلیمی کانفرنس کے قائدین مذکورہ احوال سے ہرگز بے خبر نہ تھے۔ اس لیے وہ اپنی تقریروں اور تحریروں کے ذریعے پیدا شدہ غلط فہمی کو پالنے کی کوشش کرتے رہے۔ امت مسلمہ کا اجتماعی مفاد ان کے پیش نظر رہا۔ یہ اختلاف بتدریج کم ہوا۔ ۱۹۲۵ء کے ایک اجلاس میں مولانا رحیم بخش اپنے خطبہٴ صدارت میں فرماتے ہیں:

..... افسوس ہے کہ اجتماعی حیثیت سے مسلمانوں کی مذہبی تعلیم کے مسئلہ کی اہمیت کا صحیح اندازہ کیا گیا اور نہ ابتدا میں ان دشواریوں کو حل کرنے کی کوشش کی گئی، جو مذہبی تعلیم کی راہ میں حائل تھیں۔..... ہر زمانہ کے لیے یکساں طریقہٴ تعلیم مفید نہیں ہو سکتا، اسی وجہ سے ہمیشہ بہ مقتضائے حالات تبدیلیاں ہوتی رہیں اور آئندہ بھی ہوں گی۔ اس لیے ہم کو ان جدید مشکلات کے حل کرنے کے لیے بھی آمادہ ہو جانا چاہیے، تاکہ ہر جماعت اپنے دائرہٴ عمل کے اندر کام کرے اور قدیم و جدید تعلیم کے لیے جو نظام عمل مرتب کیا جائے وہ ایسا صاف و واضح ہو کہ اختلاف آرا کا اندیشہ کلیتاً زائل ہو جائے۔

مغربی تعلیم کی روز افزوں ترقی و اشاعت نے آخر کار مسلمانوں میں بھی ایک ایسا گروہ پیدا کر دیا، جس کی آزادانہ معاشرت و عقائد نے قدیم جماعت کے

۱۔ دودل رکھنے والے علماء کرام اور اربابِ دانش ہمارے علماء دین کی عمومی روش پر بجا طور پر کبھی اور نچیدہ رہتے تھے۔ پروفیسر سید سلیمان اشرف علی اللہ تمامہ اس ہی مرضِ کینہ کی نشان دہی کرتے ہوئے ایک حکمِ سند پیش کرتے ہیں:-
”تغیر عالم کو دیکھتے ہوئے علماء کرام نے اپنے دل و دماغ کو سیاسیات کی فکر سے ایسا بے نیاز کر لیا تھا کہ علامہ ابن خلدون کو اس مقدس گروہ کے حق میں یہ فیصلہ دینا پڑا کہ ابعد الناس عن السياسية هم العلماء۔ یعنی علماء کا دماغ سیاست کے سمجھنے سے بہت ہی دُور ہے۔“

(بحوالہ: انوارِ مص ۱۹۱)

مذہبی جذبات کو اس حد تک برا سمجھنے کر دیا کہ انھوں نے ان نوجوانوں کو طعہ و زندقہ قرار دیا۔ گویا مسلمانوں میں دو فریق پیدا ہو گئے جو مدت تک باہم دست و گریباں اور ایک دوسرے سے نا آشتی رہے، لیکن خدا کا شکر ہے کہ اب رفتہ رفتہ یہ بے جا گنگی کم ہوتی گئی، اور وہ وقت آ گیا کہ فریقین اپنی اپنی جگہ پر مسلمانوں کی مختلف تعلیمی ضروریات کا احساس کر کے ایک ایسا تعلیمی نظام مرتب کریں، جو مسلمانوں کی ہر قسم کی دنیوی و مذہبی ضرورتوں پر مشتمل ہوتا کہ آئندہ تصادم کا اندیشہ نہ رہے۔ اب وہ زمانہ آ گیا کہ نہ تو انگریزی پڑھنا کفر و الحاد خیال کیا جاتا ہے اور نہ مذہبی تعلیم کی ضرورت سے کسی کو انکار ہے، اس لیے کیوں نہ فریقین باہمی معاونت سے کام کریں تاکہ ایک طرف تو مسلمانوں میں جدید علوم و فنون کا رواج ہو اور دوسری طرف ان کا سینہ مذہبی علوم سے منور ہو، اور اسلامی تہذیب و شائستگی ان کا شعار ہو۔

علماء کو بھی اب جدید تعلیم کی ضرورت سے انکار نہیں ہے، اور عدوۃ العلماء کے پلیٹ فارم پر تو بار بار اس کا اعلان کیا گیا کہ وہ انگریزی تعلیم کو صرف قولاً ہی ضروری نہیں سمجھتا بلکہ اس نے اپنے دارالعلوم میں انگریزی کو بطور زبان ثانی داخل کر کے عملاً بھی اس کا ثبوت دیا ہے کہ علماء کے لیے بھی مذہبی نقطہ نظر سے انگریزی

۱۔ ۱۸۹۳ء میں لکھنؤ میں ندوۃ العلماء قائم ہوا جس کا مقصد قدیم علماء اور ملی گزٹھ کے مدبرین کے انتہائی نقطہ ہائے نظر میں امتدال اور توازن کا راستہ تلاش کرنا تھا اور اس کے ساتھ نصاب تعلیم کی اصلاح، علوم دین کی ترقی، تہذیب اخلاق، شائستگی اطوار کا فروغ، علماء کے باہمی نزاعات کا رفع کرنا اور عام مسلمانوں کی اصلاح و فلاح اس کے مقاصد تھے۔ اردو زبان کا سب سے بڑا اسلامی رسالہ 'معارف' ندوہ کی نشانیوں میں سے ہے۔ (نجیب جمال، ڈاکٹر: یگانہ: تحقیقی و تنقیدی مطالعہ، ص ۴۴، ۴۵)

۲۔ 'ندوہ' نے علمد علوم میں دو چیز کے ساتھ تعلیم انگریزی بھی داخل نصاب کی تاکہ اس مدرسہ کا قارئین تحصیل طالب العلم اگر انگریزی تعلیم حاصل کرنا چاہے تو پانچ برس میں گرجوئے ہو جائے اور اگر مطالعہ و بحث سے کام لے تو اس قدر استعداد اس میں موجود ہے کہ بغیر داخلہ کالج تو نہ مطالعہ سے ہر طرح کا فائدہ کتب انگریزی سے حاصل کر سکے۔ ندوۃ العلماء کے سند یافتہ اس وقت ملک میں موجود ہیں ان کی لیاقت و فضل کا ثبوت ان کی معنیفہ کتابوں سے ملتا ہے۔ (محمد سلیمان اشرف: 'التور' ملی گزٹھ ۱۹۲۱ء، ص ۱۹۸)

ایسی ہی ضروری ہے جیسی عام مسلمانوں کے لیے، البتہ تودہ کی یہ خواہش ضرور ہے کہ انگریزی تعلیم اسلامی تربیت کے ساتھ دی جائے، اور انگریزی خواں جماعت، اسلامی عقائد و روایات سے باخبر ہو، اس کا مقصد سادہ الفاظ میں یہ ہے کہ مسلمان مسلمان رہ کر انگریزی حاصل کریں، اگر وہ ایسا کر سکیں تو اسلام ان کو کسی زبان اور کسی علم و فن کے سیکھنے سے منع نہیں کرتا، تاریخ اسلام میں بکثرت ایسی مثالیں موجود ہیں کہ مسلمانوں نے دوسری قوموں کے علوم و فنون سیکھے بلکہ ان علوم میں یہاں تک کمال حاصل کیا کہ استاد اور امام کے درجہ تک پہنچے۔ اے

سید سلیمان اشرف کا چشم کشا خطاب:

مذکورہ حوالہ کے بعد اگر الخطاب (۱۹۱۴ء) سے درج ذیل اقتباس کا مطالعہ کر لیا جائے، تو ناظرین کرام کو احساس ہوگا کہ وہ مسلمان جو علوم مغربی کو یعنی یورپ کا تمدن، سائنس سب کچھ کفر قرار دیتے (کہ مسلمانوں کو اسلام کے اساسی منافع کی طرف لوٹنا چاہیے) تھے، کہاں کھڑے تھے؟ سید العلماء سولانا سید سلیمان اشرف تمدن، سائنس اور قرآن مجید کے تحت فرماتے ہیں:

’پس اے عزیزو، کیا تمدن کی روح اس کے سوا اور چیز ہے؟ کیا سائنس الہی اس امر کو متکشف نہیں کرتا کہ کس چیز کو ہم کس طرح اپنے کام میں لائیں؟ اگر یہی بات ہے اور ضرور یہی ہے، تو میں ڈنکے کی چوٹ سے کہتا ہوں کہ تمدن و سائنس کی سنگ بیاہ قرآن کریم کی یہی تعلیمات ہیں۔ سائنس پڑھنا، اس میں

۱۔ صدارتی خطبہ الحاج مولانا سرجم بخش، اجلاس ہستم (۲۰۰۱ء) ندوۃ العلماء لکھنؤ منعقدہ ۲۸ نومبر ۱۹۲۵ء بمقام انبالہ بحوالہ تاریخ ندوۃ العلماء (حصہ سوم) مرتبہ: جس تہریز مولوی۔ طبع لکھنؤ، ماراؤل ۱۹۸۳ء، ص ۲۹۲، بعدہ۔

۲۔ مولانا سلیمان اشرف نے جب یہ دیکھا کہ مسلمان انگریزی تعلیم کی مخالفت اس لیے کر رہے ہیں کہ ان کے خیال میں ایک غیر ملکی اور غیر مسلم قوم کی زبان سیکھنا مذہباً ناجائز نہیں تو آپ نے مسلمانوں کے خیالات کی اصلاح کی، پُر زور مضامین اور خطبات کے ذریعے ایسے ادھام و خیالات فرمودہ کی نہ صرف تہذیب و تہذیب کی بلکہ ثابت کیا کہ مذہب علوم جدیدہ کا مخالف نہیں ہے۔ اس طرح مسلمانوں میں سرسید کی تعلیمی کانفرنس کے خلاف نفرت میں کمی پیدا ہوئی اور تحریک علی گڑھ کو تقویت ملی۔

کمال پیدا کرنا، حقیقت میں مسخرہ مخلوق سے مستفید ہونا ہے، اور ان کے مسخر ہونے کو ہامعنی بنانا ہے۔ کوئی وجہ اس کی نہیں کہ قرآن ہمیں جن امور کی طرف رہنمائی کرے جن سے بہرہ مند ہونے کی ترغیب دلائے ہم اُسے مذہب کے خلاف سمجھیں۔ پھر تو کھانا پینا، پہننا، رہنا سب ہی دشوار ہو جائے گا۔ رہی یہ بات کہ کون سی زبان میں ان علوم کو پڑھیں؟ اس تنگ وقت میں زیادہ بحث کا تو موقع نہیں لیکن اس قدر سمجھ لیجئے کہ اردو، فارسی، پنجابی، پشتو، بنگلہ وغیرہ دھڑلہ تو جاتے ہوں مگر یورپ کی زبان حرام آخر اس کی وجہ؟ اگر آج تمام یورپ یا کوئی اُس کا حصہ دائرۂ اسلام میں آجائے تو کیا اُسے اپنی مادری زبان کا بولنا یا اُس میں پڑھنا حرام ہو جائے گا؟ کیوں خدا کی رحمت کو اس قدر تنگ کیا جائے؟ اور ترجیح بلا مرجع دی جاوے؟ الحکمۃ ضالۃ المؤمن حکمت مومن کی گم شدہ چیز ہے اپنی چیز جہاں تحصیل جائے اُسے فوراً اٹھا لو۔

خن کز بہر حق گوئی چہ عبرانی چہ سریانی
مکان کز بہر او جوئی چہ جابلقا چہ جابلسا

ایک غلط فہمی کا ازالہ:-

یہاں یہ بھی عرض کرتا چلوں کہ بعض مسلم راہنماؤں کا خیال تھا اور بقول پروفیسر خلیق احمد نظامی، وہ یہ سمجھتے تھے کہ سید احمد خاں شرقی علوم کے دشمن ہیں اور اپنی ہر قومی چیز کی قیمت پر غیر ملکی چیز کو قبول کرنے کے لیے تیار ہیں۔ سید احمد خاں کی پوری زندگی ان کی تصانیف کا ایک ایک حرف اس خیال کی تردید کرتا ہے۔ وہ چاہتے تھے کہ مشرق کی ہر عمدہ چیز کو باقی رکھا جائے لیکن مغرب کی بھی کسی اچھی چیز کے حاصل کرنے میں گریز نہ کیا جائے۔ اس قسم میں اقرار کرتے ہوئے انھوں نے ایک بار کہا تھا: "مسلمانوں کو بھی یہ لازم ہے کہ عربی زبان کی تحصیل نہ چھوڑیں۔ یہ ہمارے باپ دادا کی مقدس زبان اور ہمارے قدیم ملک کی زبان ہے جو فصاحت و بلاغت میں سمک (Semitic) زبانوں میں لائقانی ہے مگر اقوام و تفریط نہ ہو۔ اس زبان میں ہمارے مذہب کی ہدایتیں ہیں لیکن جب کہ ہماری محاش، ہماری بہتری، ہماری

۱۔ الخطاب، ص ۲۲، ۲۳ ۲۔ آثار جمال الدین افغانی، ص ۱۳۶-۱۳۷ ۳۔ ساری زبان۔ زبانوں کے افریقہ بیانی قبیلے کی شاخ جس میں عبرانی، نبطی، آرامی، اکادی، عربی اور عجمی زبانیں شامل ہیں۔

زندگی با آرام بسر ہونے کے ذریعہ بلکہ ہمارے اس زمانے کے موافق انسان بنانے کے وسائل انگریزی زبان سیکھنے میں ہیں تو ہم کو اس طرف بہت توجہ کرنی چاہیے۔^۱ ملے الغرض بقول انور معین زیری، تذکرہ دور میں مسلمان خود مغربی علوم و فنون کو اپنے لیے ایک زبردست خطرہ سمجھتے تھے اور مسلم ایجوکیشنل کانفرنس سے اداروں کو کم زور کرنے پر تلے ہوئے تھے۔ حال آنکہ ان تعلیمی اداروں کا قیام اور علوم کا حصول مسلمانوں کے مفاد میں تھا، مولانا سلیمان اشرف رقم طراز ہیں:

’انگریزی سلطنت جب اپنے ساتھ علوم مغربیہ ہندوستان میں لائی تو ہندوستانیوں نے دیکھا کہ اب بقا اور نمود کی زندگی بغیر علوم مغربی حاصل کئے ناممکن ہے، تعلیم کا سلسلہ شروع ہوا اور ہندوؤں نے بڑھ کر تعلیم انگریزی کا استقبال کیا اور خوش آمدید کا نعرہ بلند کیا۔ جب اس قوم کے ایک خاص حلقہ میں یہ تعلیم پھیل گئی اور انگریزی کے واقف کار کچھ ہندوؤں میں تیار ہو گئے تو ان میں احساس پیدا ہوا اور حکومت کے انداز فرماں روائی پر نکتہ چینی شروع کی اپنے حقوق کے باب میں صدائے احتجاج بلند کی، ہوم رول سلف گورنمنٹ یا سواراج کا تخیل سب سے پہلے علم مغربی سے آشاد باغ میں آیا۔ حکومت خود مختاری کی صدا جس نے اپنے منہ سے نکالی اور ہندوستان کے رہنے والوں کو یہ سامعہ نواز نغمہ جس نے سنایا وہ انگریزی دان ہندوستانی تھا۔ کانگریس جو سواراج کا سنگ بنیاد ہے اس کی تائیس اور پھر اس عمارت کی تعمیر و تکمیل جن ہاتھوں نے کی ہے وہ سب انگریزی خواں اور انگریزی دان ہیں۔ مسلمانوں میں جب علوم مغربیہ کا آغاز ہوا اور پھر ان میں بھی ایک تعداد

۱۔ تقریر بمقام امرتسر تاج ۲۹ جنوری ۱۸۸۳ء۔ (”لکچروں کا مجموعہ“ ص ۱۸۳) بحوالہ سرسید کی فکر اور عصر جدید کے تقاضے، طبع دہلی، ۱۹۹۳ء، ص ۸۷۔

۲۔ ماضی کے واقعات اس فرض سے فراہم کیے جاتے ہیں کہ آنے والی سلیس ان سے فائدہ اٹھائیں اور ان کی روشنی میں اپنے طریق عمل کو درست کر سکیں۔ ماضی کے واقعات قابلِ فخر بھی ہیں اور باعثِ عبرت بھی، جو ہمارے لیے مصلح راہ ہیں۔ (ظہور الدین)

تعلیم یافتوں کی تیار ہو گئی تو احساس و تاثیر یہاں بھی ظاہر ہونے لگے لیکن افسوس
ہم ابھرتے ہوئے جھونکے میں غزاں کے آئے

(التور، علی گڑھ ۱۹۲۱ء، ص ۱۹۲، ۱۹۳)

ڈاکٹر ایچ۔ بی۔ خان نے بھی اپنے مقالہ (تحریک علی گڑھ کا قیام پاکستان و قرارداد مقاصد)
کے آغاز میں لکھا کہ: 'لیکن جو قوم یا قومیں تھکن، اضطراب اور ناکامی سے صرف اس قدر سبق لیتی ہیں
کہ زرا تھوڑا آرام کرنے کے بعد پھر قوائے مضحل کو تروتازہ کر کے اور پھر سرگرم عمل ہو جائیں وہ نہ
مردہ ہوتی ہیں اور نہ گناہ و بے صدا، بلکہ وہ اپنی تھکاوٹ اور پس ماندگی کے زمانہ تک آرام کر کے
تروتازہ اور ہشاش بشاش ہو کر حوصلہ، عزیمت، استقلال، جرأت اور مردانگی کے ساتھ اٹھتی ہیں اور پھر
اپنی عظمت رفتہ اور چھینے ہوئے وقار کو دوبارہ حاصل کرنے کے لیے سب کچھ قربان کر دیتی ہیں۔'
ایجوکیشنل کانفرنس کے حوالہ سے بات زرا آگے نکل گئی، تو یہاں یہ بتانا مقصود ہے کہ
۱۸۹۰ء میں مسلم ایجوکیشنل کانفرنس، ہندوؤں کی کانگریس کی طرح مسلمانوں کی ایک اہم جماعت
کے طور پر متعارف ہو گئی تھی، جس کی بدولت علی گڑھ مسلمانوں کی ہر طرح کی علمی، ادبی، سیاسی اور
سماجی سرگرمیوں کا مرکز بن چکا تھا۔

مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کی علم افروز سرگرمیاں اہل علم کی نظر میں:

مسلم ایجوکیشنل کانفرنس نے اسلامیان ہند کی پس ماندگی کا ادراک کرتے ہوئے
ہندوستان کے تمام چھوٹے بڑے شہروں میں مسلم گزٹز اور مسلم یونائزڈ اسکولوں کا جال بچھا دیا،
اسلامیہ کالج بھی قائم ہونے لگے۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ تعلیمی میدان میں بھی مسلمان،
اپنے وطن سے بہت پیچھے تھے۔ جب مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کی داغ بیل ڈالی گئی۔ اس وقت
تک مسلمانوں کی حالت نہایت اتر چکی، کیونکہ ۱۸۵۷ء کے بعد مسلمانان ہند زوال پزیر ہونا شروع

۱۔ 'زوال پزیر قوم جبکہ وہ مادی میں اقبال مند اور صاحب اقتدار و اختیار رہی ہو، تو انحطاط کے دور میں اس کی تمام
تر علمی، فنی، صنعتی و حرفی، سیاسی، ذراستی، تجارتی، معاشرتی اور معاشی اور دیگر اس قسم کی ترقی و خوشحالی ماند پڑ جاتی ہے تو
وہ مضحل اور مایوس ہو کر دوسری اقوام کی ترقی و خوشحالی کی طرف مائل ہو جاتی ہے۔' (ایچ۔ بی۔ خان، ڈاکٹر: تحریک
علی گڑھ کا قیام پاکستان و قرارداد مقاصد، ص ۱۹۲)

ہو گئے اور اغیار کی محکومیت اختیار کر کے وہ بے شمار معاشی، سیاسی، اقتصادی، تمدنی، ثقافتی، معاشرتی، مذہبی اور اخلاقی تیاریوں میں مبتلا ہو چکے تھے۔ مرحوم ضیاء الدین اصلاحی، علی گڑھ تحریک پس منظر اور پیش منظر کے زیر عنوان لکھتے ہیں:

۱۸۵۷ء کی تحریک آزادی کی ناکامی کے بعد جب مسلمان بے شمار مشکلات و مصائب میں گھر گئے تو انہیں تباہی و بربادی سے بچانے کے لیے علی گڑھ تحریک وجود میں آئی۔ اس کا مقصد ان کی 'نشاءۃ ثانیہ' اور ہر شعبہ زندگی میں اصلاح و انقلاب برپا کرنا تھا چنانچہ مسلمانوں کی مذہبی سیاسی، تہذیبی اور تعلیمی زندگی پر اس کے دور رس اثرات مرتب ہوئے۔ ۲۷

سر سید نے تعلیم کو ان تمام روگوں کا علاج سمجھا۔ مولانا سلیمان اشرف نے اپنے لکچر میں مسلم معاشرہ میں در آنے والی ان خرابیوں کا ذکر بھی کیا ہے اور علم کے اُجالے سے ان کے تدارک کی سعی انجام دی ہے۔ جناب آزاد بن حیدر 'تاریخ آل انڈیا مسلم لیگ'۔ سر سید سے قائد اعظمؒ تک میں محمدن ایجوکیشنل کانفرنس کے پس منظر میں یوں رقمطراز ہیں:

۱۔ ہندوستان سے مسلمانوں کی سلطنت جب واکل ہوئی اور ۱۵۷۷ء کے واقعہ نے ان کی آنکھیں کھولیں تو انہیں معلوم ہوا کہ سلطنت کے ساتھ کمالات و محاسن بھی ان سے رخصت ہو گئے۔ جب اپنی سلطنت علوم اسلامیہ کی حمایت و حفاظت کے لیے مذہبی ترقی کے سارے ذرائع ٹوٹ گئے اور مسلمانوں کے علوم و فنون کی ہمارت منہدم ہو گئی۔ جب سلطنت جاتی ہے تو محاسن و کمال صرف اُس قوم سے رخصت ہی نہیں ہو جاتے بلکہ کافی مدت کے لیے اسے دام حیرت میں ایسا گرفتار کر جاتے ہیں کہ وہ قوم اس انقلاب کلی سے متاثر ہو کر عالم سراپیسکی میں ششدر و حیران ہوتی ہے اور کچھ مجھ میں نہیں آتا۔ (محمد سلیمان اشرف، پروفیسر مولانا "اقتدار" ۱۸۳، ۱۸۵ء)۔ ۱۸۵۷ء کا طوفان آیا تو یہ ریت کے تودے زروں کی طرح ہوا میں اڑتے نظر آئے۔ نہ سیاسی وحدت کا وجود رہا اور نہ کوئی ملی جمعیت کا نشان، حکمران طبقے انقلاب کی بجائے چڑھے، آبرو والے بے آبرو ہو گئے، دوسروں نے نئے آقاؤں کی غلامی کا فو اپنا، مسلمان قوم مر گئی تو مسلمان کروڑوں کی تعداد میں چلتے پھرتے نظر آتے رہے۔ سر سید احمد خاں نے نئے سرے سے قوم کو زندہ کرنے کا بیڑا اٹھایا۔ کروڑوں مسلمان صرف بے جان اور بے روح ہی نہ تھے بلکہ ان میں کوئی جماعتی شعور بھی باقی نہ رہا تھا۔ (محمد سرور، 'مضامین محمد علی'، مقدمہ، صفحہ الف)

۲۔ معارف، اعظم گڑھ (بھارت)، شمارہ ۵، جلد ۱۲، مئی ۱۹۹۱ء، مشمولہ: مقالہ 'سر سید اکادمی علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کا سینما، ۲۹ مارچ تا یکم مئی ۱۹۹۱ء، ص ۲۸۳

بر عظیم پاک و ہند میں ۱۸۵۷ء کی جدوجہد آزادی کے بعد سر سید احمد خاں نے مسلمانوں کی نشاۃ ثانیہ اور احیائے نو کے لیے علی گڑھ میں محضن اینگلو اورینٹل کالج قائم کیا۔ اس کالج کے قیام کے پس پردہ یہ مقاصد تھے کہ یہ کالج مسلمان نوجوانوں کو جدید تعلیم و تربیت سے آراستہ کرے اور یہاں پر طلبہ کو ہر طرح کی سہولتیں میسر ہوں اور یہ کالج طالب علموں میں انقلابی اور سیاسی شعور پیدا کرنے میں بھی اپنا کردار ادا کرتا رہے۔ اس کالج کے قیام کے بعد انھوں نے محضن اینگلو کیشنل کانفرنس بھی قائم کی۔ اس کانفرنس کے ہر سال اجلاس منعقد ہوتے اور ان اجلاسوں میں وہ اپنے مسائل اور سیاسی صورت حال پر بھی بحث کرتے تھے۔ گویا محضن اینگلو کیشنل کانفرنس مسلمانانِ بر عظیم کے لیے ایک موثر اور عمدہ اسٹیج تھا کہ جہاں سے وہ اپنے حقوق کے لیے کچھ کر سکتے تھے۔ اسے مزید لکھا گیا ہے:

’ہندوستان میں مسلمانوں کی سب سے بڑی تعلیمی انجمن ’محضن اینگلو کیشنل کانفرنس‘ تھی۔ جبکہ تحریک علی گڑھ نے قوم میں جوش و خروش پیدا کیا جس کی مثال انیسویں صدی میں ملنا مشکل ہے۔ اس تحریک میں جن سربراہان و دروہ شخصیتوں نے سر سید کا ساتھ دیا، ان کے نام یہ ہیں: نواب محسن الملک (اصلی نام مہدی علی خاں

۱۔ آمل انڈیا محضن اینگلو کیشنل کانفرنس کا پہلا اجلاس ۲۷ دسمبر ۱۸۸۶ء کو علی گڑھ میں ہوا۔ کئی اجلاس منعقد ہوئے رہے ایک سالانہ اجلاس ہر بائی ٹی سر آغا خاں کی صدارت میں دہلی میں ۲۷ دسمبر ۱۹۰۲ء سے ۳ جنوری ۱۹۰۳ء تک ہوا۔ اجلاس کے ممبروں کی تعداد ۱۰۳۶ اور وزٹریوں کی تعداد ۳۱۰ تھی جنھوں نے اس اجلاس میں شرکت کی۔ (پہچانہ سالہ تاریخ ص ۸۸-۸۹) اس وقت تک کانفرنس کے تین شعبے تعلیم نسوان، تعلیمی مردم شناسی اور ادب اس تھے۔ دہلی اجلاس میں تین مزید شعبے سوشل ریفارم، ادبی شعبہ، امور متفرقات شامل ہوئے۔ (محمد معروف، سید۔ مضمون ’انجمن ترقی اردو‘ مختصر تاریخی جائزہ، شمولہ: رسالہ ادب و کتب خانہ کراچی، ۲۰۱۳ء، ص ۳۱)

۲۔ تاریخ آمل انڈیا مسلم لیگ۔ سر سید سے قاعدہ عظیم تک: آزاد بن حیدر، طبع اول۔ کراچی، ۲۰۱۳ء، ص ۱۵۸

۳۔ مولانا ابوالکلام آزاد نے سر سید اور ان کے مہاجرین کی خدمات کا ذکر کرتے ہوئے ایک بار کہا تھا: ’مرحوم سر سید اور ان کے ساتھیوں نے علی گڑھ میں صرف ایک کالج ہی قائم نہیں کیا تھا، بلکہ وقت کی تمام علمی اور ادبی سرگرمیوں کے (باقی بر صفحہ آئندہ)

(ہے) نواب وقار الملک، مولوی چراغ علی، مولوی ذکاء اللہ، نذیر احمد، مولوی زین العابدین، محمد اسماعیل خان، الطاف حسین حالی اور مولانا شبلی نعمانی۔

۱۸۹۸ء میں سرسید کے انتقال کے بعد ان کے ساتھی ان کے کام کو جاری رکھتے ہوئے آل انڈیا سیاسی تنظیم بنانے کی مسلسل کوششیں کرتے رہے جس کی وجہ سے مسلمان راہنما ایک دوسرے کے اور قریب آ گئے۔^۱

سرسید کے مشن کو آگے بڑھانے کے لیے مذکورہ بالا حضرات کی تحریریں، مضامین اور تقاریر جو تہذیب الاخلاق وغیرہ میں شائع ہوئیں وہ اس کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ تعلیمی کانفرنس کے اجلاسوں میں پڑھے جانے والے خطبات (اور ان میں پاس ہونے والی قراردادیں) جو چالیس بیالیس سالوں پر محیط ہیں ۱۹۲۷ء میں مولانا حبیب الرحمن خان صاحب شروانی المحاطب یہ نواب صدر یار جنگ بہادر کی تحریک پر مولوی انوار احمد صاحب زبیری (مارہروی) نے خطبات عالیہ کے نام سے تدوین و ترتیب دیے۔ یہ خطبات علی گڑھ سے آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے زیر اہتمام شائع ہوئے۔ خطبات کے مقدمہ میں مولانا محمد اکرام اللہ خاں ندوی شاہجہانپوری (م: ۱۹۵۲ء) لکھتے ہیں: "ابتداء میں لوگ زیادہ تر سرسید، نواب محسن الملک، مولانا حالی، مولانا نذیر احمد

(بقیہ صفحہ گزشتہ)

لیے ایک ترقی پسند حلقہ پیدا کر دیا تھا۔ اس حلقہ کی مرکزی شخصیت خود ان کا وجود تھا اور ان کے گرد ملک کے بہترین دماغ جمع ہو گئے تھے۔ اس عہد کا شاید ہی کوئی قابل ذکر اہل قلم ایسا ہوگا جو اس مرکزی حلقہ کے اثرات سے متاثر نہ ہوا ہو۔ جدید ہندوستان کے بہترین مسلمان مصنف اسی حلقہ کے زیر اثر پیدا ہوئے اور یہیں نے قسم کی اسلامی تحقیق و تصنیف کی راہیں پہلے پہل کھولی گئیں۔ (حوالہ: سرسیدی فکر اور عصر جدید کے تقاضے از پروفیسر خلیق احمد نظامی، طبع بھارت ۱۹۹۳ء، ص ۱۳۰ اور ۱۳۷، ۱۳۸)

۱۔ تاریخ آل انڈیا مسلم لیگ۔ سرسیدؒ سے قائد اعظمؒ تک، ص ۸۳، ۸۴

۲۔ بقول مولوی انوار احمد زبیری، مولانا اکرام اللہ خاں ندوی عربی ادب کے ذوق آشنا اور زبان اردو کے پختہ کار ناثر (مضمون نگار) ہیں۔ مولانا سلیمان اشرف نے ۱۹۲۳ء میں جب علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے نصاب تعلیمات اسلامیہ کے لیے تجاویز مرتب کیں تو ندوی صاحب موصوف نے اس کی تحسین کی اور عربی علم ادب کے مطالعہ کرنے والوں کے لیے اسے مفید و مفعوت رسا قرار دیا۔ (اسٹیل: ۳۰)

اور علامہ شبلی جیسے یگانہ روزگار مشاہیر کے دیکھنے اور اُن کا لکچر یا کلام سننے کے لیے آتے تھے۔۔۔۔۔
 ۱۸۹۳ء میں جب کانفرنس کا آٹھواں اجلاس علی گڑھ میں منعقد ہوا اور نواب محسن الملک صدر منتخب ہوئے تو خطبہ صدارت میں ایک خاص وسعت و شان پیدا ہو گئی۔ یہ (گزشتہ اجلاسوں کی نسبت) سب سے پہلا خطبہ تھا جس میں زور بیان اور جوش پایا جاتا ہے اور انشا پر دازی کی ایک خاص جھلک نظر آتی ہے۔ مثلاً نواب صاحب ایک موقع پر نکتہ چینیوں کے جواب میں فرماتے ہیں:-

”مانا کہ ہم نے مغربی علوم کا شوق دلا کر مسلمانوں کو خراب کیا۔ مانا کہ ہم

نے انگریزی تعلیم و تربیت کے جاری کرنے سے الحاد پھیلایا۔ مانا کہ ہم نے کانفرنس

قائم کر کے مسلمانوں کو بہکایا، مگر ہم پر طعنہ کرنے والے خدا کے لیے یہ بتادیں کہ

انھوں نے اپنی قوم کے لیے کیا کیا، اور اس ڈوبتی ہوئی کشتی کے بچانے میں کون سی

کوشش کی؟ اگر ہم نے مسلمانوں کے لیے دیر و کنشت بنایا، مانا کہ گناہ کیا۔ مگر یہ

فرمائیے کہ اُن کا بنایا ہوا بیت المقدس کہاں ہے جہاں جا کر ہم سجدہ کریں؟ اگر ہم

نے اپنے بھائیوں کے واسطے ایک قومی کانفرنس قائم کی، ہم قبول کرتے ہیں کہ ایک

بے سود کام کیا۔ مگر ہمارے دوست براہ مہربانی یہ فرمادیں کہ انھوں نے قوم کے

حال پر مرثیہ پڑھنے، قوم کی مصیبت پر ماتم کرنے پر کون سی مجلس بنائی ہے کہ ہم

وہیں جا کر نوحہ کریں اور سرٹیش؟ ہم اگر مصر یا بے سود کام کرنے کے ٹنڈے گار ہیں، تو

قوم کو مہرتے دیکھنے اور کچھ نہ کرنے کا ذمہ دار کون ہے۔

گر دوسرے تو گشتن و نمودن گناہ و من دیدن ہلاک و رحم نہ کردن گناہ کیست

گیرم کہ وقت ذبح طہیدن گناہ و من دانستہ و شتہ حیر نہ کردن گناہ کیست“

محمد سرور مرحوم (استاذ تاریخ، جامعہ ملیہ اسلامیہ) فرماتے ہیں:

۱۔ آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس۔ صدارتی خطبات (۱۸۸۶ء-۱۹۰۶ء) مرتبہ آغا حسین ہمدانی۔ قومی ادارہ

برائے تحقیق تاریخ و ثقافت، اسلام آباد۔ ۱۹۸۶ء، ص ۸۲-۸۳

’سرسید ہماری قوم کی مٹی زندگی کے خالق ہیں، ان کے چاشنیوں نے اپنے
 مرشد کے بتائے ہوئے رستے پر بڑے خلوص اور سرگرمی سے قوم کو چلایا، محسن الملک
 اور وقار الملک، نے مدرستہ العلوم اور ایجوکیشنل کانفرنس کے ذریعے ہم میں زندگی کا
 احساس اور جمعیت اور مرکزیت کا شعور قوی کیا۔ ان بزرگوں کی کوششوں سے
 اسلامی ہند کے مردہ جسم میں تازہ خون زندگی دوڑا اور ملت اسلامیہ نے نیا جنم لیا، یکے
 مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کا قیام (آل انڈیا مسلم لیگ کی پیش رو):

سیاسی سطح پر مسلم لیگ کے قیام سے پہلے مسلمانان ہند بجا طور پر محضن ایجوکیشنل کانفرنس ہی
 کو سب سے بڑا سیاسی پلیٹ فارم سمجھتے تھے۔ مسلمان زعماء و اکابر اس کانفرنس کے مختلف اجلاسوں
 میں شامل ہوتے رہے اور اپنا عملی کردار بھی ادا کرتے رہے۔ بافضل محضن ایجوکیشنل کانفرنس نے
 آل انڈیا کانگریس کے مقابلے میں اہم کردار ادا کرنا شروع کر دیا تھا۔ بیسویں صدی کے آغاز میں
 جب ہندی اردو تنازع شروع ہوا تو ایجوکیشنل کانفرنس کے زعمائے مسلمانوں کے لیے ایک
 جداگانہ سیاسی جماعت بنانے پر غور و خوض شروع کر دیا تھا۔

۱۔ اگر سید احمد خاں مرحوم و منظور مسلمانوں کو دوبارہ علمی ذوق اور جستجو سے آشنا نہ کرتے تو یہ ملک جس میں ہم آزادی کا
 سانس لے رہے ہیں اس کا قیام ناممکن ہوتا۔ نہ ہمارے پاس اقبال ہوتے نہ جناح۔ نہ ہمیں اپنے ماحول کا فہم ہوتا نہ ہم
 بدلتے ہوئے حالات میں اسلام کے تقاضوں کو سمجھ سکتے چہ جائیکہ اپنے ملی مفاد کا تحفظ کر سکیں۔ بالاکوٹ اور دہلی کی
 شکستوں کے بعد اگر کسی چیز نے ہماری گرتی ہوئی قوم کو سنبھالا تو وہ ملی گڑھ کی تعلیمی تحریک تھی۔ علی گڑھ نہ ہوتا تو پاکستان
 بھی نہ ہوتا۔ پاکستان کی بنیاد ایک تعلیمی تحریک پر ہے اور ایک تعلیمی تحریک ہی اسے قوت اور عظمت بخش سکتی ہے۔
 (ممتاز سن، ڈاکٹر، ’مقالات ممتاز‘، ’تعلیم: ایک ناگزیر فریضہ‘، ادارہ قیادگار غالب، کراچی، ۱۹۹۵ء، ص ۱۸۰)

۲۔ محمد سرور، پروفیسر، مقدمہ: ’مضامین محمد علی‘، مکتبہ جامعہ دہلی، ۱۹۳۸ء، ص ۲
 ۳۔ ہندوؤں کی جانب سے اردو کے خلاف یہ تحریک علمی و ادبی کے بجائے ایک سیاسی تحریک تھی جس کا مقصد وحید
 ہندوستان سے مسلم تہذیب کی تمام نشانیوں کو یکسر ختم کرنا تھا۔ مسلمانوں کی الہامی کتاب قرآن کریم کے ساتھ خود
 ہندو کانگریسی لیڈر مسٹر گاندھی کی دشمنی اس حد تک تھی کہ وہ کہتے تھے میں اردو بھاشا کا اس لیے مخالف ہوں کہ اس
 کے اکثر الفاظ قرآنی بھاشا میں ہیں۔

۳۰ دسمبر ۱۹۰۶ء کو ڈھاکہ میں مسلم ایجوکیشنل کمیٹیوں سالانہ اجلاس نواب مشتاق حسین وقار الملک (۲۳ مارچ ۱۸۳۱ء - ۲۷ جنوری ۱۹۱۷ء) کی صدارت میں منعقد ہوا۔ شرکائے کانفرنس میں بحث و مباحث کے بعد اجلاس کے مندوبین کی اس تجویز کا گرم جوشی سے خیر مقدم کیا گیا کہ مسلمانوں کی فلاح و بہبود اور ان کے سیاسی حقوق کی حفاظت کے لیے ایک علاحدہ سیاسی جماعت ہونی ضروری ہے۔ لہذا اس اجلاس میں اتفاق رائے سے آل انڈیا مسلم لیگ قائم کرنے کا اعلان کیا گیا۔ انڈین نیشنل کانگریس کے قیام یعنی دسمبر ۱۸۸۵ء کے بعد سے مسلمانوں کی سیاسی جماعت کی ضرورت محسوس کی جا رہی تھی۔ نواب وقار الملک نے آل انڈیا مسلم لیگ کے اولین تاسیس اجلاس میں اپنے صدارتی خطاب میں یوں اظہار فرمایا:

”آزماہیل نواب خواجہ سلیم اللہ خان بہادر اور دیگر حضرات! آج جس غرض سے کہ ہم لوگ یہاں جمع ہوئے ہیں، وہ کوئی نئی ضرورت نہیں ہے۔ ہندوستان میں جس وقت سے انڈین نیشنل کانگریس کی بنیاد پڑی ہے، اس وقت سے وہ ضرورت بھی پیدا ہو گئی تھی۔ یہاں تک کہ سرسید مرحوم و مقبور نے جن کی عاقبت اندیشی اور عاقلانہ پالیسی کے مسلمان ہمیشہ مشکور و ممنون ہیں۔ نیشنل کانگریس کے بڑھتے ہوئے اثر سے متاثر ہو کر نہایت زور کے ساتھ اس بات کی کوشش کی کہ مسلمانوں کی بہتری اور حفاظت اسی میں ہے کہ وہ اپنے آپ کو کانگریس میں شریک ہونے سے

(بقیہ صفحہ گزشتہ)

نام علی گڑھ تحریک سے بقول قیام الدین الاسلامی، علم و ادب کا فروغ اور اردو زبان کی مفید خدمت انجام پائی۔ سرسید، نواب محسن الملک اور آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس نے اردو زبان کے تحفظ و بقاء کے لیے بھرپور کوششیں کیں۔ ۱۹۰۳ء میں اردو کی ترویج و ترقی اور حفاظت کے لیے انجمن ترقی اردو کا قیام عمل میں آیا۔ یہ انجمن، محمدن ایجوکیشنل کانفرنس ہی کی ایک شاخ تھی، جو آگے چل کر خود ایک باادار و رخت بن گئی اور تاریخ و تہذیب اور مسلم زبان اور گھر کے ارتقا میں اس انجمن نے اہم کردار ادا کیا۔ (حصول پاکستان، ص ۵۵ اور ششماہی الاہام، کراچی، جنوری۔ جون ۲۰۱۳ء، ص ۲۹)۔ اس سلسلہ میں ڈاکٹر فرمان فتح پوری کی تصنیف ”ہندی آریو تنازع (ہندو مسلم سیاست کی روشنی میں)“ شائع کردہ نیشنل بک فاؤنڈیشن دیکھی جاسکتی ہے۔

باز رکھیں، اور یہ رائے اس قدر صائب تھی کہ گو جناب مرحوم آج ہم میں نہیں ہیں، لیکن مسلمانوں کی عام رائے اس وقت وہی ہے اور جوں جوں زمانہ گزرتا جاتا ہے، ہم کو اس بات کی ضرورت زیادہ محسوس ہوتی جاتی ہے کہ مسلمانوں کے پولیٹیکل حقوق کی حفاظت میں بیش از بیش اہتمام کریں۔^۱

پروفیسر احمد سعید نے اپنی کتاب ”انجمن اسلامیہ امرتسر“ میں آل انڈیا محضن ایجوکیشنل کانفرنس کے باب میں لکھا ہے کہ محضن ایجوکیشنل کانفرنس کے پلیٹ فارم کا قیام اگرچہ خالصتاً تعلیمی مقاصد کے لیے عمل میں آیا تھا، لیکن اسی پلیٹ فارم سے سرسید نے کانگریس کے خلاف تقاریر کیں اور اسی پلیٹ فارم سے مسلمانوں کی پہلی باقاعدہ سیاسی جماعت آل انڈیا مسلم لیگ

۱۔ مسلم لیگ اور کانگریس کے مابین شروع سے اب تک یہ اختلاف چلا آ رہا تھا کہ کانگریس چاہتی تھی کہ پورے ہندوستان پر اس کا اقتدار ہو۔ وہ جس قسم کا قانون چاہے وضع کرے۔ تمام قلیتیں اس کے سامنے سر تسلیم خم کریں۔ مسلم لیگ چاہتی تھی کہ دستور حکومت ایسا ہو جس میں مسلمانوں کو اپنے کلچر، زبان، تہذیب و تمدن و مذہب وغیرہ جیسے اہم معاملات میں پوری آزادی ہو اور وہ حکومت میں شریک ہو کر اپنی ملت کے حقوق پورے کر سکیں۔ (بدایونی، عبدالحمید قادری، مولانا۔ ”تخلیہ صدارت۔ پاکستان کانفرنس“ موزی ۳۰ اگست ۱۹۴۱ء، منعقدہ رائے کوٹ ضلع لودھیانہ، مطبوعہ نظامی پریس۔ بدایوں، ص ۲۳)

۲۔ تاریخ آل انڈیا مسلم لیگ۔ سرسیدؒ سے قائد اعظمؒ تک مرتبہ آزاد بن حیدر، ص ۱۱۰۔

۳۔ ڈاکٹر محمد علی صدیقی کے بقول، آل انڈیا مسلم لیگ کانفرنس دراصل کانگریس کا رد عمل تھی۔ سرسید احمد خان نہیں چاہتے تھے کہ مسلمان ہندوؤں کی طرح سے مغربی طرز سے اپنی زندگیوں کو ڈھال لیں اور برطانوی حکام کے تحت سیاست میں حصہ لیں، کیونکہ مسلمانوں میں تعلیم کی کمی کی وجہ سے یہ امتیاز کرنا مشکل تھا کہ سیاست میں کس طرح سے حصہ لیں، لہذا بہتر یہی تھا کہ سیاست میں حصہ نہ لیا جائے۔ چنانچہ آل انڈیا مسلم لیگ کانفرنس نے قومی تقاضوں کے تحت مغربی تعلیم کا انتظام کیا۔ بنگال سے لے کر سرحد اور پنجاب سے دکن تک کے مسلمانوں کو اپنی قومی اور اجتماعی تعلیم و ترقی کا احساس ہو گیا اور اسی بیداری کے نتیجے میں آگے چل کر ملکی سیاست اور تحریک آزادی میں مسلمانوں نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ (ڈاکٹر محمد علی صدیقی کا انٹرویو بمقام ان کی رہائش گاہ، A-592, Block-I, North Nazimabad, Karachi بروڈر جمعات موزی ۱۵ نومبر ۲۰۱۲ء از کبکشاں ناز بھالہ ششماہی الایام، کراچی، جنوری۔ جون ۲۰۱۴ء، مشمولہ: آل انڈیا مسلم لیگ کانفرنس میں سید الطاف علی بریلوی کی خدمات (۱۹۳۵ء تا ۱۹۵۰ء)۔

معترض وجود میں آئی۔ ہمارے مجدد کے مستند دانشور خواجہ رفیع حیدر کی رائے ہے کہ مسلمانوں میں عام بیداری پیدا کرنے میں آل انڈیا کونسل کا نقشہ بہت مفید ثابت ہوئی۔ علامہ مسلم لیگ کو بلاشبہ یہ حیثیت جماعت بلکہ تحریک، پاکستان بنانے کا مفرد اعزاز حاصل ہے، لیکن یہ بھی مسلمہ حقیقت ہے کہ مسلم لیگ نے بالفضل آل انڈیا مسلم لیجو کونسل کا نقشہ کے بطن سے جنم لیا، تو پھر اس کے فعال کردار کا اعتراف کیوں نہ کیا جائے۔

وابستگان علی گڑھ کا مسلم لیگ اور تحریک پاکستان کے ساتھ والہانہ تعلق خاطر آج اگر مورخین اس حقیقت کے معترف نظر آتے ہیں کہ تحریک پاکستان کو عملاً دست و بازو علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے طلبہ نے عطا کیے تو اس کا کمال ادراک اس وقت بھی علی گڑھ والوں کو نصیم قلب و جاں تھا۔ اور وہ بالفضل اپنے خون جگر سے اس ملی تحریک کی آبیاری میں بچے رہے تھے۔ آئیے رسالہ سماجی علی گڑھ جلد ۲۲، شمارہ نمبر ۱، ۱۹۳۶ء کا ایک شذرہ ملاحظہ فرمائیے۔

”علی گڑھ ہندوستان میں مسلم قوم کا سرچشمہ، فکر و عمل اور ان کی ملی زندگی کا آئینہ ہے۔ اس چند مربع میل سرزمین میں دس کروڑ انسانوں کی روح اور قلب و ذہن کی پہنائیاں بند ہیں۔ یہیں پہنچ کر ہندوستان کے ”مرویہ باز“ کو پہلی بار امید کی کرن نظر آئی اور ”خون صد ہزار انجم“ سے نمود و محر کے آثار پیدا ہوئے یہیں سے تعلیمی اور مابعد معاشری اصلاح کا دور شروع ہوا اور یہیں سے اور یہیں کی اصلاحات کے بطن سے ۱۹۰۶ء میں سیاست نے مسلم لیگ کی شکل میں جنم لیا۔ یہیں سے خلافت کی آواز اٹھ کر پورے ہندوستان میں گونجی اور یہیں کے مجاہدوں نے اس نازک وقت میں جناح کے گرو جمع ہو کر مسلم قوم کو بچا لیا، جب کانگریس اس اپنے میں ضم کر لینا یا بالفاظ دیگر اس چراغ کو اپنے دامن میں چھپا کر گل کر دینا

۱۔ انجمن اسلامیہ امرتسر (۱۸۷۳-۱۹۳۷ء) تعلیمی و سیاسی خدمات از احمد سعید، مطبوعہ ادارہ تحقیقات پاکستان، وائس گاہ پنجاب، لاہور، ۱۹۸۶ء، ص ۶۳۔

۲۔ قائد اعظم کے ۷۲ سالہ سورتی اکیڈمی، کراچی، ۱۹۷۰ء، ص ۱۷۔

چاہتی تھی۔ جہاں کی یہ تاریخ ہو وہاں یہ کس طرح ممکن تھا کہ قوم پر آزمائش کا وقت آ پڑے اور خاموشی رہے۔ چنانچہ جب ہنگامہ انتخابات شروع ہوا اور قوم کو ضرورت ہوئی تو یہاں کے فرزند قوم کے مفاد پر اپنے مفاد اور قوم کے مستقبل پر اپنے مستقبل کو قربان کرنے کے لیے تیار ہو گئے۔ ہزاروں اسرائیل لے کر اٹھے اور موت کی سی خند سونے والوں کو بھی جھنجھوڑ کر اٹھا دیا۔ قریب قریب پھرے اور گلیوں گلیوں کی خاک چھانی کہیں صرف اپنی جیب کے چنوں پر گذارا کیا اور کہیں کڑکڑاتی سرورائیں اپنی سیاہ شروانیوں کے سہارے گھلے میدانوں میں گزار دیں۔ مشکل سے ہندوستان کا کوئی ایسا مسلم آباد گوشہ ہو گا جہاں ان کے قدم نہ پہنچے ہوں اور موزن کی صداؤں سے آشنا کم ایسی بستیاں ہوں گی جہاں ان کی آواز نہ گونجی ہو۔ کہیں کہیں تیس تیس، چالیس چالیس میل کی مسافت ایک وقت پیادہ پا طے کی اور کہیں بیمار پڑے تو غربت و کس پیری میں بھی اپنے رفیقوں کو حکم کا روئے کر رخصت کر دیا۔ بالآخر اس جذبہ ایثار و خلوص عمل کو کامل فتح ہوئی اور دنیا کو معلوم ہو گیا کہ مسلم لیگ مسلم قوم کا پیکر اور پاکستان اس کی روح ہے۔“

علی گڑھ کا طلبہ مجاز قائد اعظم کی نظر میں

علی گڑھ والوں کی تحریک پاکستان اور قائد اعظم محمد علی جناح کے ساتھ محبت ایک طرفہ یا محض وقتی جذبات کی آئینہ دار نہ تھی۔ نہ ہی یہ چاہت اور خلوص ایک طرفہ تھا۔ قائد اعظم محمد علی جناح کو جو انان علی گڑھ کی محبت کا حد درجہ پاس تھا اور وہ اپنے ان جاں نثاروں کی دل جوئی اور سرپرستی کو اپنے اوپر لازم جانتے تھے۔ ذیل میں ان کے خیالات کی ترجمانی کرتی ایک تحریر دیکھئے۔

”علی گڑھ میری تحریک کا مرکز ہے، ہمیں سے میرے نوجوان سفیر براعظم ہندوستان کے ہر کونے میں جا کر مسلمان عوام کو مسلم لیگ کا پیغام پہنچاتے ہیں۔ ان کا مشنری

جذبہ اور تحریک سے بے لوث لگاؤ ہی میری ساری متاع ہے۔ میں علی گڑھ دس کام چھوڑ کر آتا ہوں اور ان بچوں کی صحبت میں بیٹھ کر اور ان سے باتیں کر کے اپنے عزم اور ارادے میں تقویت حاصل کرتا ہوں۔“ ۱۔

تحریک پاکستان کے سنگ بنیاد

میں ایک اہم ترین نام آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس

پاکستان کے تخیل کو ایک زندہ حقیقت بنانے کے لیے جو جاں نسل اور عظیم جدوجہد ہمارے اکابر نے کی، اس سچی تحریک میں ایک اہم ترین کارنامہ آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کا وجود میں لانا ہے۔ اس کتاب کے مختلف ابواب میں انتہائی شرح و بسط کے ساتھ اس ادارہ کی اہمیت و افادیت اور گراں قدر خدمات کا اظہار کیا گیا ہے۔

اس سلسلہ میں جہاں جہاں سے بھی کوئی قابل ذکر اور قابل قدر مواد میسر آیا اسے کتاب کا حصہ بنایا گیا کہ تاریخین کرام زیادہ سے زیادہ تاریخی حقائق تک رسائی حاصل کر سکیں۔
محسن اتفاق سے جناب افضل عثمانی کا ایک مفید اور مستند مقالہ ہمارے ہاتھ آیا، جو ہم من و عن بزبان انگریزی ہی شامل کتاب کر رہے ہیں۔

۱۔ ”علی گڑھ اور تحریک پاکستان“، نواب مشتاق احمد خاں، ماہنامہ اردو ڈائجسٹ، اگست ۱۹۶۹ء، بحوالہ کرامت علی خاں، ”جہاد آزادی (منتخب مقالات)“، طبع لاہور، ۱۹۹۵ء، ص ۱۱۱۔

All India Muslim Educational Conference



سلطان جہاں منزل (مرکزی دفتر آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس) کا اندرونی منظر



**All India Muslim Educational Conference Head Office
(Sultan Jahan Manzil, AMU Aligarh India)**

By Afzal Usmani

All India Muslim Educational Conference (AIMEC), a Non-political organization which brought Muslim rulers of remaining princely states of undivided British India, social and political leaders, intellectuals and distinguished people from all of walks of life onto one platform for educational empowerment of Muslims of India and transformed the dimensions of Aligarh Movement and fulfilled the dream of its founder, Sir Syed Ahmad Khan by converting Muhammadan Anglo Oriental College (M.A.O. College) to Aligarh Muslim University. The Conference also became championing the cause of Women's education and gave birth to one of the oldest and biggest women's educational institution, Women's College Aligarh. This non-political, All India Muslim Educational Conference which was started for educational empowerment of Muslims of India also gave birth to largest Muslim political party "Muslim League" which still has its roots in all the 3 countries of British India, Pakistan, Bangladesh and India. This one time conglomerate of Muslim Intelligentsia of British India has lost its glory and living or dying quietly in a monumental and historical building

"Sulatan Jahan Manzil" in Aligarh Muslim University campus. The only time we hear its name when it sends 5 representatives to Aligarh Muslim University supreme governing institution AMU Court or get a peek into its symbolic lowest possible subscribed Journal, "Conference Gazette". Let's have a look, what was All India Muslim Educational Conference.

The inauguration of first Session of Indian national Congress at Bombay on 28-31 December 1885 by Allan Octavian Hume was a turning point in social and political movements of British India. Indian National Congress chooses a path of confrontational politics with the rulers of British India which was against the philosophy of Sir Syed Ahinad Khan, who was a strong supporter of Co operational Politics with British Empire. This lead Sir Syed to establish Mohammadan Educational Congress on 27th December, 1886 at Aligarh. By this time Sir Syed was undisputed well wisher of Muslims of India and had unquestioned secular credentials. Sir Syed's decision not to participate in Indian National Congress surprised a lot of intellectuals of the time. But Sir Syed was very clear in his mission of Muslim upliftment and at any cost he did not wanted to see the wrath of British Empire on Muslims of India which he had himself witnessed after 1857 revolt and so he choose the path of Co operational Politics with the rulers of India. This Congress became Mohammadan Educational Conference in the annual session of 1890 at Allahabad. This organization was a key element of Aligarh Movement and played an important role in taking the Aligarh Movement across the Indian Sub-continent and the establishment of Aligarh Muslim University. It is an established fact that the foundation of AIMEC was to keep Muslims of India away from a confrontational politics of Indian National Congress against British Empire and to do so it was made very clear that AIMEC is socio-political group to promote education among the Muslims of Indian subcontinent. One of the demands of the INC was to have open competition for Civil Services. Sir Syed was convinced that Muslims of India are educationally not at par with their fellow countrymen and so can not compete in open competition with their fellow countrymen. Sir Syed and leaders of AIMEC made it very clear that AIMEC is neither against INC or other political groups of India nor intended to alienate Indian Muslims from main stream political process but to promote education among the Muslims of Indian subcontinent to bring them at par with their fellow countrymen. In the Inaugural session of Muslim Educational Conference on 27th December, 1886 at Aligarh, Sir Syed emphasized his philosophy of co operational politics with the rulers of India and put forward the need of educational

empowerment for the Muslims of India. Indian National Congress leaders were not very happy with the formation of Muslim Educational Conference.

Muslim Educational Conference was concern primarily with Muslim education. It kept a vigilant eye on the spread of modern education among Muslims and passed resolutions and took steps to deal with the factors which were hindering its progress. Muslim Educational Conference became a platform for Indian Muslim Intelligentsia to mobilize Indian Muslim masses to promote education and specifically modern and western education and clear their doubts and misconception about the western and modern education. The Conference was much more than a gathering of Muslim Educationist and gave an opportunity to Aligarh Movement leaders to promote Aligarh Movement. Principal Theodore Beck and Prof. Theodore Morrison also took keen interest in Conferences activities. Sir Syed Ahmad Khan was elected as Secretary of the newly formed organization. The Conference was a powerful instrument of Intellectual awakening and general spread of knowledge amongst the Muslims of India.

The life of All India Muslim Educational Conference can be broadly divided in five phases or periods;

1. 1886-1898 : Sir Syed Period
2. 1898-1907 : Mohsinul Mulk Period
3. 1907-1917 : Sahabzadah Aftab Ahmad Khan Period
4. 1917-1947 : Nawab Sadar Yar Jang Period
5. 1947-till date : Post Independence period

1886-1898: Sir Syed Period:



Maulvi Samiullah Khan

The Beginning a new Conglomerate of Muslims of India:

The first session of Muslim Educational Conference (AIMEC) was held at Aligarh. This inaugural session was presided over by none other than close friend of Sir Syed and one of the strongest supporters of Aligarh Movement, Maulvi Samiullah Khan. In this session, Sir Syed Ahmad Khan was elected as Secretary of the newly formed organization. The Inaugural session at Aligarh adopted the following resolutions;

1. Establishment of "AIMEC" and to hold its annual session in different parts of the country.
2. British Government should only take care of modern and western education. Muslims will take care of Oriental studies.
3. Promote publications of journals and special attention should be paid for memorization of Quran (Hifz-e-Quran)
4. The Head Office of Muslim Educational Congress will be at Aligarh.

The second session of The Congress was held at Lucknow and was presided over by Mr. Imtiaz Ali Khan of Kakori. The session adopted the following resolutions;

1. Scholarships will be awarded to Muslim students for higher education.
2. Local Educational Committees were formed.

The first two sessions of The Congress were focusing on education but the Third session which was held at Lahore in 1888 focused on social issues of Muslims of India. The session was presided by Sardar Muhammad Hayat Khan and the following resolutions were adopted;

1. Voice was raised against some heinous and Non-Islamic traditions among the Muslims and solutions were discussed to curb these Non-Islamic and heinous traditions from the Muslim societies.
2. Request was made to the government for concessions and exemptions on tuition fees for poor Muslim students.
3. Oriental and religious education should be started in Government Schools.
4. An extra effort needs to put for promotion of women's education.

The Fourth session was held at Aligarh in 1889 and was presided over by Sardar Muhammad Hayat Khan and following points were discussed;

1. A passionate appeal was made to donate Zakat Money for the education of poor Muslim students.
2. Demands were made to remove derogatory and anti-Islamic contents from History course books.
3. Proposals were made to establish separate technical institutes.
4. Special attentions were paid towards the need to develop curriculum for toddlers and kids.

The Fifth session was held at Allahabad in 1890 and once again it was presided by Sardar Muhammad Hayat Khan. The major attraction of this session was the renaming of All India Mohammadn Educational Congress to All India Muslim Educational Conference. The other focus of this session was translation of literary works of different languages into Indian languages. The marching mode of this caravan of Muslim intellectuals of India was well received by the Indian Muslims and its resolutions and

proposals started showing some results. The Sixth session at Aligarh recognized appreciated the efforts of Shamsul Ulema, Allama Shibli Nomanî for his writings "Al-Jizya (Security Tax for Non-Muslims in Islamic State), Al-Mamoon (Biography of Khalifa Mamoon Al-Rasheed) and Seeratun-Noman (Biography of Imam-e-Azam, Abu Hanifa)". This session also recognized the need of women education for the overall development of Muslims of India. Some concrete steps were proposed to promote women education. Publication of "Conference Journal" was a baby of this Aligarh session. This historical session at Aligarh was presided over by Nawab Ishaq Khan, who later served as Secretary of Mohammadan Anglo Oriental College Management. The Sixth session was held at Delhi in 1892 and faced some stiff resistance from some local theologians. This session was presided over by Maulvi Hashmatullah Khan. This session was also addressed by M.A.O. College Principal, Prof. Theodore Beck and M.A.O. College Professor and well known Orientist, Prof. Thomas Walker Arnold. The session of 1894 at Aligarh also made a passionate appeal to support the newly formed organization "Nadwatul Ulema".

In 1896, the annual last executive session of Muslim Educational Conference in Sir Syed Ahmad Khan's lifetime, made a proposal to start a women education section in Muslim Educational Conference was accepted and Justice Karamat Hussain was appointed as its Founding Secretary. Nawab Mohsinul Mulk, Sahabzada Aftab Ahmad Khan, Janab Sultan Ahmad and Haji Ismail Khan were asked to assist Justice Karamat Hussain. In the annual session of Muslim Educational Conference of 1898 in Lahore, a separate department of women's education was established and Sahabzada Aftab Ahmad Khan was elected its Secretary. This started a wrath from the traditional Muslims of India but a dedicated team of Janab Ummid Ali, Ghulam-us-Saqlain and Haji Ismail Khan wrote several letters and article in Aligarh Institute Gazette and other reputed journals to defend the decision of Muslim Educational Conference to start a women's educational movement. Justice Amir Ali presided over the annual session of AIMEC in 1899 at Calcutta and the idea to start girl's schools is all of the state capital was accepted. It was also agreed that the Ulema will be consulted to develop the curriculum of the schools and the modern subjects of Science and Social Science will also be included the syllabus. In the session of December 1902 in Delhi under the leadership of H.H. Sir Agha Khan, young Shaikh Abdullah was appointed as Secretary to look into the women's educational project and was asked to start the activities very aggressively. The year 1897 was a bit tough on AIMEC as could not held the annual session due to poor

health complication with Sir Syed Ahmd Khan and finally Sir Syed Ahmad Khan died on 27th March 1898 and the rein of All India Muslim Educational Conference were transferred to Saiyad Mehdi Ali, Nawab Mohsinul-Mulk. By this time AIMEC had become an effective and established platform and even the opponents of Sir Syed including Justice Amir Ali, Justice Badruddin Tayabji and many more had joined the AIMEC and had started attending AIMEC sessions in different parts of the Country. The British staff of MAO College including Principal Theodore beck, Prof. T. Morrison, Prof. T.W. Arnold and others started supporting the AIMEC in India and started a campaign to generate support in England too.

1898-1907: Mohsinul Mulk Period:

The Beginning of Movement for a Muslim University and Birth of Muslim League:

The death of Sir Syed was a tragic event for Aligarh Movement and its leaders but to fulfill the mission of Sir Syed, his close confident and friend and one of the strongest supporter of Aligarh Movement, Saiyad Mehdi Ali, Nawab Mohsinul Mulk was elected as Secretary of M.A.O. College Management Committee as well as Honorary Secretary of All India Muslim Educational Conference. Colleges everywhere were feeling the pinch of the government's demands for higher fees and harder examinations. At Aligarh, the number of students fell from 595 in 1895 to 323 at the time of Sir Syed's death on 27 March 1898, and by the following July had plummeted to 189; and the situation was made worse by an embezzlement scandal in 1895, and by renewed attacks from Sir Syed's old collaborators who had broken with the college in 1889. The college accounts were in disorder, and as a result of embezzlement, the suspension of grants from a number of benefactors, and the fall in income from fees, the institution was heavily in debt. [6].

This was a very tough time for MAO College and Aligarh Movement but after taking over the rein of Aligarh Movement, Nawab Mohsinul Mulk gave a big boost to fulfill the dream of Sir Syed Ahmad Khan to convert M.A.O. College into a Muslim University and in the first session during his Secretary ship in 1898 at Lahore, he pushed forward the proposal of Muslim University. The proposal was prepared by Prof. T. Morrison and Maulvi Badrul Hasan. This session of AIMEC also put emphasis on moral education for youth and special attention were paid to promote women's education

The following proposals were made in the 12th session of AIMEC at Lahore, which was first session after the death of Sir Syed Ahmad Khan.

1. Proposal for a Muslim University.
2. Promotion of Women's Education.
3. Promotion of moral education for youths
4. Establishment of Muslim Hostels at Public or Private Institutions.

This session at Lahore was presided over by Nawab Fateh Ali Khan Qazalbash. The proposals for a Muslim university were fully discussed at this session at Lahore in December 1898. About 900 people attended and the Conference showed a new spirit of enterprise. Prof. T. Morison proposed that a Muslim university should be founded, observing that it would really be no more than an expanded version of Aligarh College. Beck reminded the audience that the University would be the Indian Muslims' passport to office. Badruddin Tyabji of Bombay, Sir Syed's old political antagonist, subscribed Rs. 2,000 to the university, and, from Calcutta, Syed Amir Ali pledged his support. In December 1899, the conference moved out of upper India and met in Calcutta under the presidency of Amir Ali. The Sir Syed memorial fund started a Bengal branch. The 1901 session of the conference took place in Madras. The following year, the Aga Khan presided over the meeting in Delhi, and in 1903 the Conference was held in Bombay under Badruddin Tyabji. Badruddin Tyabji, speaking as president of the 1903 Muhammadan Educational Conference, described the plans for a university as premature. Muslims should first lay a strong foundation of local Muslim schools and colleges which, initially at least, could be affiliated to the existing government universities.⁴⁹ Akbar Hydari, Tyabji's nephew, spoke out against the whole idea of a Muslim university.⁵⁰ Hydari argued that for secular advancement Muslims would be better off at the existing universities. Serious theological training was adequately provided in existing madrasas. Moreover, it would be foolhardy to bring the doctrines of different Muslim sects into open rivalry at one centre. At a regional meeting of the Educational Conference in Ahmadabad in October 1904, Muhammad Ali, younger brother of Shaukat Ali, replied to Hydari in an eloquent restatement of the Beck-Morison concept of a Muslim university.⁵² He called upon his experience at Aligarh and Oxford to argue for 'the expansion of Aligarh'. Muhammad Ali projected a bold view of India as a 'federation of religions'; only if Muslims and Hindus were allowed to cultivate their distinctive cultural traditions could they live together amicably. Therefore both the Muslim university at Aligarh and the Hindu university at Benares, proposed earlier in the year by Pandit Madan Mohan Malaviya, should be encouraged.

Professing 'no concern with politics, and certainly no desire to confound it with education', Muhammad Ali none the less warned that government educational policy must respond to the wishes of the people. The idea of a Muslim university had been generated by a popular movement: 'Aligarh is the people's very own.' Wider participation, however, also meant a greater variety of ideas about the university; if Aligarh was to ask for money from such far-off places, it had to offer something in return. To scores of meetings Mobsin ul-Mulk and others held out the image of Aligarh as the best hope of the Indian Muslims, the restorer of past greatness. The university was becoming a symbol of a reviving Islam. [6].

The other sessions were held at Rampur (1900, Maulvi Syed Husain Bilgirami), Lucknow (1904- Prof. T. Morrison) and Aligarh (1905- Khalifa Mohd. Hussain). The major highlights of these different sessions were promotion of Science, law and other modern education at M.A.O. College and promotion of Women's education and establishment of Girls School at Aligarh and establishment of Fund for M.A.O. College. MAO College affairs as well as AIMEC were demanding more time and resource and it became tough for Secretary of MAO College management Nawab Mohsinul Mulk to do a balance of commitment for MAO College and AIMEC, than a staunch supporter of Aligarh Movement Sahebzadah Aftab Ahmad Khan was appointed as founding Jt. Secretary of AIMEC in the annual session of 1905 at Aligarh.

Dhaka Session of 1906 and Birth of Muslim league:

Even though the official publication of All India Muslim Education Conference "Muslim Educational Conference kay 100 Saal " does not talk about the this session due to one or the other reasons but it is almost very clear that the 1906, Dhaka session of All India Muslim Educational Conference was the birth place for "All India Muslim League". In the early October 1906 All India Muslim Educational Conference leaders and few others met Viceroy of India at Shimla and discussed some of their concerns. Nawab Khwaja Salimullah of Dhaka could not join the deputation due to his cataract operation [2]. The omission of Division of Bengal issue from the discussion or unsatisfactory response from the Viceroy made young Nawab Khwaja Salimullah unhappy and he proposed an All India Muslim Educational Conference to be held in Dhaka, capital of the then East Bengal and Assam Province in the year 1906. The conference was inaugurated on 27

December 1906 and continued till 29 December 1906 as Conference on Education. The inaugural session was chaired by Nawab Justice Sharfuddin, the newly appointed justice of Calcutta High Court. On 30 December 1906 political session of the conference took place. It was chaired by Nawab Viqar-ul-Mulk. In this session a motion to form an All India Muslim League (AIML) was proceeded. Initially a party styled as All India Muslim Confederacy was discussed. But, in the process the name All India Muslim League, proposed by Nawab Khawaja Sir Salimullah Khan Bahadur and seconded by Hakim Ajmal Khan, was resolved in the meeting. All delegates were registered as members of the proposed party led by Janab Muhsin-ul-mulk and Janab Viqarul Mulk, who were Joint Conveners. AIML was first Muslim political party in the history of India. A total of 1955 delegates attended the event. The conference was attended by most of the Muslim zamindars, educationists, pleaders, and other leaders of the community.

1907-1917: Sahabzadah Aftab Ahmad Khan Period:

AIMEC and Muslim University Movement

Sahabzadah Aftab Ahmad Khan was officially Joint Secretary of All India Muslim Educational Conference and Secretary of M.A.O. College management Committee, Nawab Mohsinul Mulk, Nawab Viqarul Mulk and Nawab Ishaq Khan remained Secretary of AIMEC during this time of 1905-1917 but their pre-occupation with MAO College affairs gave young and energetic Aftab Ahmad Khan almost absolute freedom to give AIMEC a new direction. This 12 year reign of Sahabzadah Aftab Ahmad Khan gave AIMEC a new direction and took it to a new peak and AIMEC became a reckoning force of Muslims of India. It also took interest in local issues of the place where annual session is held and attentions were paid to help and support local community to over come their social and educational problems. He also expanded the perimeter of AIMEC and its annual session was held even in Rangoon in 1909. During this time the annual sessions were held at Karachi (1907- Altaf Hussain Hali), Amritsar (1908- Sir Khawaja Salimuddin of Dhaka), Rangoon (1909- Sir. H.H. Nawab Mohd. Ali, raja of Mahmudabad), Nagpur (1910- Abdullah Yusuf Ali, Principal of Islamia College of Lahore and famous English translator of Quran), Delhi (1911 - Emadul Mulk Syed Hussain Bilgiram), Lucknow (1912- Major Syed Hasan Bilgiram), Agra (1913- Justice Shah Deen), Rawalpindi (1914, Maulvi

Rahim Bakhsh), Pune (1915, Justice Abdul Rahim), Aligarh (1916- Miyan Mohd. Shafi), Calcutta (1917, Nawab Sir Haider Nawaz Jang Bahadur Mohd Akbar Ali).

The plan for the Muslim University had by 1910 taken on the complexion and force of a national movement. The session of the All India Muslim Educational Conference at Nagpur in December, 1910 was presided by Abdullah Ibn Yusuf Ali Khan. In his address Sir Aga Khan gave the signal for a concentered, nation-wide effort to raise the necessary funds for the projected University. In moving the resolution on the University, the Aga Khan III made a stirring speech. He said, "This is a unique occasion as His Majesty the King-Emperor is coming out to India. This is a great opportunity for us and such as is never to arise again during the lifetime of the present generation, and the Muslims should on no account miss it. We must make up and make serious, earnest and sincere efforts to carry into effect the one great essential movement which above all has a large claim on our energy and resources. If we show that we are able to help ourselves and that we are earnest in our endeavors and ready to make personal sacrifices, I have no doubt whatever that our sympathetic government, which only requires proper guarantees of our earnestness, will come forward to grant us the charter. 'Now or never' seems to be the inevitable situation." To make a concerted drive for the collection of funds, a Central Foundation Committee with the Sir Aga Khan III as Chairman with Maulana Shaukat Ali (1873- 1938) as his Secretary; and prominent Muslims from all walks of life as members was formed at Aligarh on January 10, 1911. The Aga Khan III accompanied by Maulana Shaukat Ali, who was still in government service and had taken a year's furlough, toured throughout the country to raise funds, visiting Calcutta, Allahabad, Lucknow, Kanpur, Lahore, Bombay and other places. Willi Frischauer in his book, *The Aga Khans* writes, "His campaign for the Aligarh University required a final big heave and, as Chairman of the fund raising committee, he went on a collecting tour through India's main Muslim areas: 'As a mendicant', he announced, 'I am now going out to beg from house to house and from street to street for the children of Indian Muslims.' It was a triumphal tour. Wherever he went, people unharnessed the horses of his carriage and pulled it themselves for miles"[4]. The response to the touching appeal of the Sir Aga Khan III was spontaneous. On his arrival at Lahore, the daily "Peace" of Punjab editorially commented and called upon the Muslims "to wake up, as the greatest personality and benefactor of Islam was in their city." The paper recalled a remark of Sir Syed Ahmad Khan prophesying the rise of a hand from the unseen world to accomplish his

mission. "That personality" the paper said, "was of the Sir Aga Khan III." On that day, the "London Times" commenting upon the visit, regarded him as a great recognized leader of Muslims. Allama Shibli Nomani was with Sir Aga Khan in the delegation for fund raiser to Lahore. Shibli recited a very passionate Persian poetry to motivate the audience for fund raiser. The significant aspect of the Aga Khan's fund collection drive was not the enthusiastic welcome accorded to him, but the house to house collection drive. Qayyum A. Malick writes in his book "Prince Aga Khan" that once the Aga Khan on his way to Bombay to collect funds for the university, the Aga Khan stopped his car at the office of a person, who was known to be his bitterest critic. The man stood up bewildered and asked, "Whom do you want Sir?" "I have come for your contribution to the Muslim university fund," said the Aga Khan. The man drew up a cheque for Rs. 5000/-. After pocketing the cheque, the Aga Khan took off his hat and said, "Now as a beggar, I beg from you something for the children of Islam. Put something in the bowl of this mendicant." The man wrote another cheque for Rs. 15000/- with moist eyes, and said, "Your Highness, now it is my turn to beg. I beg of you in the name of the most merciful God to forgive me for anything that I may have said against you. I never knew you were so great." The Aga Khan said, "Don't worry! It is my nature to forgive and forget in the cause of Islam and the Muslims." The drive received further great fillip from the announcement of a big donation of one lac rupees by Her Highness Nawab Sultan Jahan Begum of Bhopal. The Aga Khan III was so moved by her munificence that in thanking her, he spoke the following words:

Dil'e banda ra zinda kardi,
 dil'e Islam ra zinda kardi,
 dil'e qaum ra zinda kardi,
 Khuda'i ta'ala ba tufail'e Rasul ajarash be dahad"

It means, "You put life in the heart of this servant; you put life in the heart of Islam; you put life in the heart of the nation. May God reward you for the sake of the Prophet!". In sum, Sir Aga Khan collected twenty-six lacs of rupees by July, 1912 in the drive and his personal contribution amounted to one lac rupees.

The Major resolutions and achievement of this period were:

1. AIMEC received a generous donation from ruler of Bhopal, Begum Sultan Jahan and built its head office building at Aligarh. The building is known as "Sultan Jahan Manzil" and even today it holds the office of AIMEC.
2. Movement for Muslim University was primary attention of AIMEC. A National Campaign was in full swing to raise money for Muslim University.
3. Foundation Committee was established under the Chairmanship of Sir Agha Khan.
4. Special attentions were paid to local social and educational issues.
5. Proposal for 1% educational tax to landlords from their agricultural produces.
6. Maharaja Kashmir was requested to pay attention to the educational issues of Kashmiri Muslims. A delegation was sent to Maharaja Kashmir to pursue him to pay attention to the educational issues of Muslims of Kashmir. Arabic Teachers were appointed in Schools of Kashmir
7. Schools at Aligarh will have a Kinder Garden (KG) educational system
8. Urdu should be a medium of Instruction in educational systems in Urdu speaking areas like Punjab.
9. Committee was formed to revise schools curriculum in Bengal
10. State Governments needs to grant some financial assistance to M.A.O. College and Schools.
11. A special fund was established to support the cost of Conferences for teachers and professors.
12. A sub-Committee was formed to help Burma's (Myanmar) educational development.
13. Special scholarship was instituted for meritorious students of Medical and Engineering Colleges.
14. Recommendations were made to have at least one Muslim Members in every state and University Text Book Committee.
15. Efforts were made to start a "Yateem-Khana" in Burma
16. The need of a Islamia College in every state and secondary school for Muslims in every district was realized and efforts were made to have a Islamia College in every state and a Secondary school for muslims in every district.
17. Efforts were made to bring Islamic Scholars (Ulema) into AIMEC's fold and efforts were made to clear existing confusions from the minds of Ulema.
18. Muslim University Fund Committee was established to raise funds for Muslim University.
19. Muslim students were Encouraged to receive Medical education.
20. A state Educational Conference in Punjab was established.
21. Scholarships were instituted for technical educations for Muslim

students.

22. A Movement was started to promote Madarsah of Calcutta to a Islamia College.

23. Protests were made when University of Calcutta dropped Arabic and Persian from their curriculum.

1917-1947: Nawab Sadar Yar Jang Period:

AIMEC under the umbrella of Aligarh Muslim University

In 1917, Sahabzadah Aftab Ahmad Khan was nominated into the British Council in the Ministry of Indian Affairs and he moved to England. AIMEC elected Maulana Habibur Rahman Khan Sherwani, Nawaba Sadar Yar Jang as its Joint Secretary. In 1920, when M.A.O. College became Aligarh Muslim University, at Amrawati, AIMEC made a constitutional amendment and AMU Vice-Chancellor became President of AIMEC and elected Maulana Habibur Rahman Khan Sherwani, Nawaba Sadar Yar Jang as Honorary Secretary and so he served to position till 1947. In his leadership, the first session was held in 1918 at Surat (Bombay State- now in Gujarat). The session was presided over by Sir Ibrahim Rahmatullah. The session appreciated the efforts of Bombay State Government for starting Urdu Medium Schools. A committee was formed under the leadership of Dr. Ziauddin Ahmad to promote a similar concept of Urdu Medium schools in other states. Fund was raised to establish a Muslim hostel in Surat. Proposal was adopted to start a Training College for the teachers of Arabic Schools/Madaris. The annual session of 1923 at Aligarh adopted the proposal to rename All India Mohammad Educational Conference to All India Muslim Educational Conference.

After the establishment of Aligarh Muslim University, the All India Muslim Educational Conference could not work with the same pace as it worked for the establishment of Aligarh Muslim University. At the same time division of Aligarh Movement leaders and establishment of a news University Jamia Millia Islamia took some of the resources of AIMEC. Even though the sessions of AIMEC used to held annually at Khairpur-Sindh (1919- Maulvi Rahim Bakhsh), Amrawati (1920 – H. Ibrahim Haroon Jaffer), Aligarh (1922- Miyan Fazal Hussain), Aligarh (1923- Sahabzadah Aftab Ahmad Khan), Bombay (1924-Ibrahim Rahmatullah), Aligarh (1925 – Sahabzadah Abdul Qayum), Delhi (1926- Abdul Rahim), Madras (1927 – Shaikh Abdul

Qadir), Ajmer (1928- Sir Shah Sulaiman), Banaras (1930 - Sir Ross Masood), Rohtak (1931 - Sir Syed Raza Ali), Lahore (1932 - Col. Maqbool Hussain Quraishi), Meerut (1934 - Sir Shaikh Abdul Qadir), Agra (1936- Sir Ziauddin Ahmad), Rampur (1936 - H.H. Sir Agha Khan) and the 50th anniversary session of AIMEC was held at Aligarh in 1937. In 1938, the annual session was held in Patna and Maulvi Fazal Haq presided over the session. The next sessions were held at Calcutta (1939-Nawab Kamal Yar Jang), Pune (1940, Maulvi Fazal Haq), Aligarh (1943 - Nawab Zaheer Yar Jang), Jabalpur (1944 - Sir Azizul Haq). The last session of All India Muslim Educational Conference in British India was held at Agra 1945 and was presided over by Nawabzadah Liyaqat Ali Khan. These sessions were focusing on growth of Muslim University and other social and educational issues faced by Muslims of India. During the peak of freedom of India movement, AIMEC sessions were not very regular as the major energy of masses was used in freedom movement.

1947-till date: Post Independence period

On 14th & 15th August 1947, British India became 2 independent countries India and Pakistan and due to Aligarh's geographical location, of course All India Muslim Educational Conference became an organization of India. An All Pakistan Educational Conference was formed in Pakistan by Mr. Syed Altaf Ali Bareilvi. The detail of All Pakistan Muslim Educational Conference can be found in "History of the Conference" by Mr. Syed Altaf Ali Bareilvi. The subsequent few years were very tough for the Indian sub-continent and hence even at Aligarh, it took time to bring things in order. Dr. Zakir Hussain was appointed as first Vice-Chancellor of Aligarh Muslim University in independent India. The Ministry of Educational affairs started looking into affairs of Aligarh Muslim University.

Secretary : 1949 - 1992

In the mean time in 1949, AIMEC elected Alhaj Obaidur Rahman Khan Sherwani as its Honorary Secretary. Alhaj Obaidur Rahman Khan was son of Maulana Habibur Rahman Khan Shrwani. This started a new chapter in the history of AIMEC. After his election as Honorary Secretary, the first session was held in 1952 at Aligarh. The session was chaired by AIMEC President and Vice-Chancellor of AMU Aligarh. After the Aligarh session, the last regular session of AIMEC was held in 1955 in Madras (Chennai) under the

leadership of Dr. Zakir Hussain. After 1955 session, no session of AIMEC held. After a gap of 38 years, a session of AIMEC was held in 1993 in Delhi under the Chairmanship of Prof. Rasheeduz Zafar, the then Vice-Chancellor of Jamia Hamdard. This is the last known AIMEC function.

As per Dr. Mohsin Raza, former president of AMU Students Union and a faculty at Jawaharlal Nehru Medical College at AMU Aligarh, a session of AIMEC was also held in 1969 at Aligarh. This session was presided over by Mr. Badruddin Tayyabji, the then Vice-Chancellor of AMU and president of AIMEC. Here is the narration of Dr. Mohsin Raza on 1969 session of AIMEC:

"One session that I attended was held in 1969, Late Badruddin Tayyabji attended this session. Several members assailed the inactivity of the AIMEC, Maulana Saeedurrehman Zaini was extra loud on which Mr. Badruddin Tayyabji took an exception and got angry". In the same meeting the Sultan Jahan Manzil Hall was officially allotted without rent to the Muslim Social Uplift Society's Medical Coaching Centre."

The official publications of AIMEC do not have any account of this session of 1969.

Till 1972, Vice-Chancellor of Aligarh Muslim University used to be President of AIMEC. In 1972, AIMEC made an amendment in its constitution and elected Industrialist Mr. Mustafa Rasheed Sherwani, Founder & Chairman of Jeep Flashlight. This marked a new start in AIMEC and now AMU does not have any association with AIMEC. In the meantime Mr. Ammar Ahmad Khan was elected as Honorary Secretary in 1958 and served till 1964, and then Prof. Anwarul Haq Haqqi was Honorary Secretary from 1964 to 1970. Once again Alhaj Obaidur Rahman Khan Sherwani got elected as Honorary Secretary and he served till his last breath in 1992 and then his son Prof. Reyazur Rahman Khan Sherwani got elected as Secretary of AIMEC and Mr. Amanullah Khan Sherwani as Joint Secretary and they are serving till date. AIMEC elected Mr. Ammar Ahmad as its President in 1992 and had served till his last breath in 2004. After his sad demise, no news about any President of AIMEC. As a principal organ of Aligarh Movement, AIMEC found 5 permanent births in AMU Court. Here is the list of MEC representative in AMU Court in the last session: Mr. Asad Yar Khan, New Delhi, Mr. Kh. Mohd. Shahid, New Delhi, Mr.

Munawwar Haziq, New Delhi, Dr. Shahid Qamar Qazi, Aligarh and Prof. Akhtarul Wasey, New Delhi.

All India Muslim Education Conference had played a key role in the establishment of Aligarh Muslim University and had always supported AMU for its progress. Even after 1920, when Aligarh Muslim University was created, AIMEC generated funds to start different courses at AMU and helped in promoting the cause of Aligarh Movement. But for one or the other reasons, AIMEC stopped playing its role in independent India. The geo political situation of Independent India is totally different than British India but this does not prevent to work for the upliftment of social and educational problems of Muslims of India. Different Muslim Social and Educational organizations got started in independent India and flourished in their respective mission like Anjuman Islam and Anjuman Khairul Islam in Maharashtra, Al-Amin in Karnataka and many more in different parts of the country and they had established schools and colleges in their respective area of operation whereas AIMEC became extinct.

To know more about Muslim Education Conference, please refer to;

1. Muslim Educational Conference kay 100 Saal By Amanullah Khan Shrwani
2. Education of Indian Muslims: a study of the All-India Muslim Educational By Akhtarul Wasey, All-India Muslim Educational Conference
3. "Separatism among Indian Muslims" by Francis Robinson, "
4. The All India Muslim educational conference: its contributions By Abdul Rashid Khan
5. The Muslims of British India By Peter Hardy
6. Campaign for Muslim University- David Leylyveld & Gail Minault

آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے اثرات

سید احمد خان کا یہ بہت بڑا کارنامہ ہے کہ انھوں نے مسلمانوں کو ماضی کے بندخول سے باہر نکالنے اور جدید تعلیم سے بہرہ ور کرنے کی بھرپور جدوجہد کی نتیجتاً وہ معاشی ترقی کے راستے پر گامزن ہو گئے۔ کانفرنس نے ابتدائی بیس (۲۰) سالوں (یعنی اپنے قیام سے ۱۹۰۶ء تک) میں نہ صرف اپنی بنیادیں مضبوط کیں، بل کہ برعظیم میں مسلمانوں کی تمدنی زندگی کے مختلف تعلیمی، معاشرتی، معاشی اور سیاسی شعبوں میں دُور رس اثرات مرتب کیے اور اس طرح ہماری ملتی تاریخ میں ایک نئے باب کا اضافہ کیا، جس کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

تعلیمی اثرات:

یہ کانفرنس سید احمد خان کے تصور تعلیم کا نتیجہ تھی۔ آپ کی بے لوث اور مثالی کاوشوں کے ثمرات اُن مرتب ہوئے:

- کانفرنس نے مسلمانوں کو چار دانگ ہند میں تعلیم کی طرف راغب کیا۔
- قوم کے ہونہار بچوں کے لیے وظائف کا انتظام کیا، قومی تعلیم کا یہاں قائم کیں، تعلیمی مصارف کی بہم رسانی کی سبیلیں نکالیں۔
- مسلمانوں کو تعلیم نسواں، مذہب، شیعہ، صنعت و حرفت، اسلامی علوم و فنون، تجارت و زراعت اور دیگر پیشوں کی تعلیم و تربیت جسمانی کی جانب توجہ دلائی۔
- حکومت کو مسلمانوں کے ہر قسم کے جائز تعلیمی حقوق و ضروریات کی جانب متوجہ کیا یہاں تک کہ بعض دیسی ریاستوں کے دروازوں پر بھی دستک دی۔
- کانفرنس کی تحریک سے اردو لٹریچر میں محفل اور قابل قدر اضافہ ہوا۔
- مسلمانوں کی علم و فن میں دل چسپی بڑھنے سے ان میں حکمت اور دانائی کی اقدار کو رائج کر دیا۔
- کانفرنس کے خطبات، تقاریر اور قراردادیں آج بھی مسلمانوں کی ترقی کے لیے منار نور ہیں۔

معاشی اثرات:

۱۸۵۷ء کے سانحہ نے مسلمانوں کو انگریزی تعلیم اور انگریزی ملازمت سے متنفر کر دیا تھا،

لیکن اب صورت حال بدلی:

- سرسید احمد خاں کی تحریک علی گڑھ نے جب مسلمانوں کے قلوب و افکار، علم و فن کی روشن خیالی اور وسعت کو اجاگر کیا، تو ان کے لیے ملازمتوں کے حصول کے لیے آسانیاں پیدا ہو گئیں۔
- یہاں کے فارغ التحصیل نوجوانوں نے سرکاری و نیم سرکاری ملازمتوں میں شمولیت اختیار کر کے حتی المقدور مسلمانوں کی ترقی کے سامان پیدا کیے۔ قوم کے یہ سپوت سرسید احمد کے خوابوں کی تعبیر ثابت ہوئے۔

○ مسلمانوں نے کانفرنس کی جدوجہد سے صنعت و حرفت، زراعت، تجارت، وکالت وغیرہ میں کافی ترقی کی۔

○ مسلمانوں کی معاشی بد حالی ختم ہونے سے وہ اس قابل ہوئے کہ برعظیم کی دوسری اقوام خاص کر ہندوؤں کے مد مقابل نیا مقام پیدا کر لیا۔

معاشرتی اثرات:

حصول تعلیم کے شوق اور مسلمانوں کی معاشی حالت کی بہتری نے ان کی معاشرتی زندگی میں بھی انقلاب برپا کر دیا:

- منزل اور حصول منزل کی جدوجہد سے اتحاد و یگانگت کا درس ملا۔
- مسلمانوں کی ایک معتد بہ جماعت کو قومی تعصبات کی بیڑی اور ملکی رسم و رواج (جو ان میں ہمسایہ قوم سے تمدنی میل جول کے باعث در آئے تھے) کی غلامی سے بالکل آزاد کر دیا۔
- سرسید احمد خاں کے مشن کو کانفرنس نے ان کی رحلت کے بعد نہ صرف آگے بڑھایا، بل کہ

۱۔ ”سرسید احمد خاں کے جانشینوں میں بھی چند ایسے لوگ تھے جن کے دل و دماغ ملکی اور ملی جذبے سے سرشار تھے۔ وہ اپنے مقصد کے پیش نظر کام کی لگن کا جذبہ بدرجہ اتم رکھتے تھے۔ پھر نہ وہ رات کو رات سمجھتے تھے اور نہ دن کو دن۔ انہیں لوگوں میں نواب حسن الملک، نواب وقار الملک، قاضی ذکر ہیں“ (عثمانی، امیر احمد، پروفیسر حکیم۔ شمول، مضمون: ”میدیکل کالج مسلم یونیورسٹی علی گڑھ اور اکثر ہادی حسن“۔ کراچی، العلم۔ ماہی جنوری تا مارچ و اپریل تا جون ۱۹۸۸ء، جلد نمبر ۳۶ شمارہ نمبر ۱۲۱ ص ۸۱)۔

ہندوستانی مسلمانوں کی معاشرتی زندگی میں انقلاب آفریں کردار ادا کیا۔

سیاسی اثرات:

- مسلمانوں میں شعور جاگ رہا ہونے پر انھوں نے ملت کی بقا و ترقی کے لیے تدابیر بھی سوچیں:
- معاشرے میں بیداری کے باعث مسلمانوں کے سیاسی حقوق کی بحالی اور حصول کے لیے کوششیں عمل میں آئیں۔
- کانفرنس نے مسلمانوں میں قومی و اجتماعی تعلیم و ترقی کے احساس کو ہمیز لگائی جس سے آگے چل کر ملکی سیاست اور تحریک آزادی میں مسلمانوں نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔
- آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کی توجہ اور کوشش سے مسلم لیگ معرض وجود میں آئی، جس کے جنڈے تلے بڑے عظیم کے مسلمان جمع ہوئے اور یوں آزادی کا قافلہ اپنی منزل مقصود کی طرف رواں دواں ہوا۔
- اسی تنظیم نے سر سید احمد کے دو قومی نظریے کو اپنے منشور کی بنیاد بنا کر نہ صرف مسلم قومیت کو جاگایا، بل کہ مسلمانوں کی آزادی کی جنگ لڑی اور تمام تر دشواریوں کے باوجود مسلمانوں نے متحد ہو کر قائد اعظم کی قیادت اور بے مثال رہنمائی میں ۱۹۴۷ء میں مملکت پاکستان حاصل کی۔
- تحریک علی گڑھ سے قیام مسلم لیگ تک کی تاریخ، مسلم تحریک آزادی کا ایک اہم باب ہے، جس پر آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے صدارتی خطبات (۱۸۸۶-۱۹۰۶ء) شاہد عادل ہیں۔

۱۔ ”یوں تو تحریک پاکستان تقریباً ایک صدی سے چل رہی تھی۔ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کا قیام ایک چھوٹے سے پاکستان کا سنگ بنیاد تھا۔“ (زاہدی، سید مسعود۔ مضمون ”قائد اعظم! ہم شرمندہ ہیں!“، ہفت روزہ استقلال، لاہور، ۱۲ جنوری ۱۹۸۳ء، ص ۱۹)۔ نیز بقول یاسین خان، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی جو دہلی سے چند گھنٹوں کی مسافت پر واقع ہے، اسے قیام پاکستان کی نظریاتی جنگ کے مرکزی حیثیت بھی حاصل تھی۔ (عظیم بؤار۔ پاکستان اور ہندوستان کا قیام)

○ بیسویں صدی کے آغاز میں کانفرنس کی اگلی صف میں شریک مسلم زعماء مسلم سیاست میں بھی پیش پیش تھے۔ بقول محترمہ ممتاز مبینؒ، یہ کانفرنس مسلم لیگ کے قیام (۱۹۰۶ء) تک ہندوستان میں مسلمانوں کے مفادات کی نگہداشت کرتی رہی۔
الغرض ۱۹۰۶ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کا قیام اسی مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کا توسیعی عمل تھا۔

ظہور الدین خاں امرتسری

۱۔ مسز ممتاز مبین الیم اے سابقہ پرنسپل اسلامیہ کالج۔ کراچی، مصنفہ وی بی آر جے پبلشرز۔

پروفیسر سلیمان اشرف اکابرین ملت کی نظر میں

مولانا سلیمان اشرف صاحب کی تقریر، جو آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے پلیٹ فارم سے نشر ہوئی۔ بعد میں 'الخطاب' کے عنوان سے ۱۹۱۵ء میں انسٹی ٹیوٹ پریس علی گڑھ میں چھپ کر شائع ہوئی۔

مولانا سید سلیمان اشرف کو اللہ تعالیٰ نے جہاں گونا گوں کمالات اور خوبیوں سے نوازا تھا وہاں ان کو تقریر و خطابت کا بھی بڑا ملکہ عطا کیا تھا، ان کی ہر تقریر کی طرح یہ تقریر بھی تہایت موثر، دلور، انگیز اور از دل خیز و بردل ریز و کا مصداق تھی۔ دیکھیے مولانا کا یہ خطاب جہاں بہت سی مفید معلومات لیے ہوئے ہے وہیں اسلامی علوم و فنون کی اجمالی تاریخ بھی سامنے آ جاتی ہے۔ نیز ان کی تصانیف آج بھی ایک زندہ رہنما کی طرح ہیں۔

ماننا پڑتا ہے کہ مولانا سلیمان اشرف تقریر و تحریر میں معلم البیان کی نعتِ عظمیٰ سے سرفراز تھے۔ بقول آل احمد سرور، مولانا کی شخصیت میں علم کی ریسمان شان ہے۔ ان کی عظمتوں کے علامہ اقبال، سید سلیمان ندوی، ڈاکٹر سر ضیاء الدین احمد، خواجہ حسن نظامی، پروفیسر رشید احمد صدیقی، ڈاکٹر ابواللیث صدیقی اور نواب حبیب الرحمن خاں شروانی جیسے اہل علم معترف رہے ہیں۔ ممتاز اذیب اور تذکرہ نگار طالب ہاشمی (۱۹۲۹ء۔ ۱۸ فروری ۲۰۰۸ء) رقمطراز ہیں۔

”حضرت مولانا سید محمد سلیمان اشرف کا شمار اپنے دور کے سرآمد روزگار علما میں ہوتا تھا۔ وہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں شعبہ اسلامیات کے صدر تھے اور قریب قریب ساری عمر انھوں نے علی گڑھ ہی میں گزاری۔ ان کا وجود علی گڑھ یونیورسٹی کے

۱۔ ڈاکٹر صاحب مولانا سلیمان اشرف کے درجہ قرآن میں شامل ہو کر ان سے کسب فیض کرتے۔ آپ کی مولانا سے عقیدت و محبت کس درجہ کی تھی اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ انھوں نے اپنی کوششوں کا منزل کا سنگ بنیاد پروفیسر سلیمان اشرف کے ہاتھوں رکھوایا۔ (ذہیری، محمد امین۔ ’فضائلِ حیات‘ ص ۲۶۲۔ طبع دین محمدی پریس کراچی۔ ستارہ)

لیے آئے رحمت کی حیثیت رکھتا تھا۔ وہ علم و فضل کا بحر زخار اور ظاہری و باطنی خوبیوں کا جیکر جمیل تھے۔ ہزاروں تشنگان علم ان کے فیضان علمی سے بہرہ یاب ہوئے اور پھر اپنے اپنے دوائر میں ان کے نام کو روشن کیا۔“ لے

علامہ شبیر احمد خاں غوری فرماتے ہیں۔ حضرت مولانا سلیمان اشرف کی ذات گرامی مرتجع اکابر و اعیان تھی، ان کی بارگاہ میں نہ صرف یوتی ورٹی کے اکابر بل کہ ضلع علی گڑھ کے رؤساء عالی مقام اور شہر کے عمال و اعیان (امراء و وزراء) حاضر ہوتے تھے۔ یہ قول ڈاکٹر طلحہ رضوی ان کا آبائی نسب حضور عظیم رضی عنہ اور مادری نسب حضرت مخدوم اشرف جہانگیر سمنانی رحمہ تعالیٰ تک پہنچتا ہے۔ سلسلہ چشتیہ نظامیہ فخریہ سے منسلک تھے۔

مولوی عبدالرزاق بلخ آبادی اور مولانا عبدالماجد دریابادی لکھتے ہیں کہ مولانا سلیمان اشرف بلاشبہ بڑے فصیح و بلیغ مقرر تھے اور رموز خطابت سے بھی آشنا..... جبکہ یہ قول رشید احمد صدیقی، سید صاحب کوثر خطابت میں کمال حاصل تھا:-

”آواز میں کڑک اور چلک، دھک تھی..... خطابت پر آتے تو معلوم ہوتا صفیں الٹ دیں گے۔“

خواجہ حسن نظامی نے ۱۹۲۳ء کی 'درویش جشتی' میں سید صاحب کی قادر الکلامی اور ثقافت بیانی کا ذکر بڑے ہی دل نشیں اور دل کش انداز سے کیا ہے:-

۱۔ ماہنامہ ضیائے حرم۔ لاہور، جنوری ۱۹۸۷ء، ص ۸۱

ج۔ 'عام خلقت کو متاثر کرنے کے لیے فصاحت و بلاغت سے زیادہ کارگر حربہ اور کوئی نہیں۔ دنیا کی تمام بڑی بڑی تحریکیں ہمیشہ عامۃ الناس کے دلوں میں جگہ کر کے ابھرتی رہی ہیں، جب کسی قوم پر تاجی کی گھنائیں منزل لا رہی ہوں تو اس وقت صرف جذبات کی کڑک تھی ہوئی بجلی میں ہی یہ طاقت ہوتی ہے کہ ان یادلوں کو چاک کر دے۔ یاد رہے کہ صرف وہی لوگوں دوسروں کو جوش میں لا سکتے ہیں، جن کے اپنے دل سینے میں درد سے ترپ رہے ہوں۔ کیا وجہ ہے کہ بڑے بڑے لیڈروں کے الفاظ میں لوگوں کے دلوں کو صوم کی طرح پگھلا کر جس طرف وہ چاہیں ادھر موڑ لینے کی تاثیر ہوتی ہے؟ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ وہ اپنے اندر جذبات کی بھٹی بھڑکالینے کی استعداد رکھتے ہیں۔ بڑے بڑے انقلابات صرف تو تقریر سے برپا ہوتے ہیں۔' (ظفر، ایڈوولف۔ 'تزک بٹلری' (مترجم: جشتی، محمد ابراہیم علی۔ گلشن ہاؤس، لاہور، ۱۹۹۸ء، ص ۱۶۵)

”تقریر ایسی تیز اور مسلسل کرتے ہیں جیسے ای-آئی-آر کی ڈاک گاڑی۔ دورانِ تقریر صرف درود پڑھنے کے لیے تھوڑی تھوڑی دیر میں وقفہ ہوتا ہے، ورنہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہمالہ کی چوٹی سے گنگا کی دھارا نکلی ہے، جو ہر دو ارتکب کہیں رکنے اور ٹھہرنے کا نام نہیں لے گی۔ بیان کی ایسی روانی آج کل ہندوستان کے کسی عالم میں نہیں ہے۔ تقریر میں محض الفاظ ہی نہیں ہوتے بلکہ ہر فقرے میں دلیل اور علمیت کا انداز ہوتا ہے۔“

جناب سید امیر الدین قدوائی مرحوم تحریر کرتے ہیں:

”حضرت مولانا پروفیسر سید سلیمان اشرف صاحب قبلہ بڑے جید عالم اور مہربان درویش تھے۔ وہ اپنی طرف سے تفسیر کا درس مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کی مسجد میں دیا کرتے تھے۔ اور جو لوگ اس میں شرکت کرتے تھے صرف اُن ہی کو شاگرد تسلیم کرتے تھے، وہ فیض کا دریا تھے۔ جس نے حسبِ ظرف جو کچھ اُن سے حاصل کر لیا اُس کی برکت اُسی نے نہیں بلکہ دُنیا نے بھی دیکھی اور اُس سے نفع پایا۔“

ڈاکٹر ابوالکلیت صدیقی (۱۹۱۶ء-۱۹۹۵ء) سابق سربراہ شعبہ اُرو، جامعہ کراچی ”رفت و بود“ کے زیرِ عنوان رقم طراز ہیں:

”میں نے بہت سی یونیورسٹیاں دیکھی ہیں، بڑے بڑے علما کو دیکھا اور قریب سے دیکھا اور پرکھا ہے، لیکن سلیمان اشرف جیسا عالم میں نے نہیں دیکھا۔ میں جب اقبال کے مروجہ مومن کا تصور کرتا ہوں اور اپنے آس پاس اسے تلاش کرتا ہوں تو مولانا سلیمان اشرف کا پاکیزہ اور روشن چہرہ میرے سامنے آ جاتا ہے۔“



جامع مسجد یونیورسٹی

مولانا سلیمان اشرف ایک بالغ نظر مصلح

مولانا سلیمان اشرف ایک بالغ نظر مصلح بھی تھے، اس لیے انھوں نے اپنے پیچھے اور تحریروں کے ذریعہ مسلم معاشرہ میں در آنے والے بگاڑ اور مختلف خرابیوں کی نشاندہی کر کے اصلاحِ احوال کی پوری کوشش کی۔ آئیے ان کی کچھ تصانیف سے ایسی مساعی کی چند مثالیں دیکھتے ہیں۔

غیر محرم مرد کے ہمراہ حج و عمرہ:

”آج کل یہ مسئلہ بنالیا گیا ہے کہ اگر عورت کسی ایسی عورت کے ساتھ حج کے لیے جائے جس کے ساتھ اس کا محرم ہو تو سفر جائز ہوگا۔ ہرگز یہ مسئلہ احناف کے نزدیک مقبول نہیں۔ ایسے مفتی جنھیں اپنے مذہب کے لطائف و نفائس کی خبر نہیں، ان کے فتاوے سے احتراز چاہیے۔ عورت کے ساتھ جب تک شوہر یا محرم قابلِ اطمینان نہ ہو سفر حرام ہے۔ اگر کرے گی حج ہو جائے گا مگر ہر قدم پر گناہ لکھا جائے گا۔ محرم وہی ہے جس سے نکاح ہمیشہ کے لیے حرام ہے۔ ہمارے ائمہ احناف کی یہی تحقیق ہے اور یہی مسئلہ حق ہے۔“ ۱

آغاز سفر کے لیے بعض دنوں کا نخس خیال کرنا:

”یہ خیال محض عامیانہ ہے کہ بدھ کا دن منحوس ہے۔ اہل علم جانتے ہیں کہ حضرت محبوبِ الہی سیدنا نظام الدین اولیاء قدس سرہ کی اس دن کے ساتھ عجیب خصوصیت یہ ہے کہ آپ کی ولادت چہار شنبہ کو ہوئی، آپ کی بیعت کا دن چہار شنبہ ہے، شیخ نے جس روز غرقۂ خلافت عطا فرمایا وہ چہار شنبہ کا دن تھا، آپ نے جس روز رحلت فرمائی وہ چہار شنبہ تھا۔“ ۲

۱۔ محمد سلیمان اشرف، پروفیسر مولانا: اربع طبع مسلم یونیورسٹی پریس، علی گڑھ، ۱۹۲۸ء، ص ۳

۲۔ یہ کیا اتفاق ہے کہ مولانا سلیمان اشرف کی وفات بھی چہار شنبہ کے روز ہوئی۔

۳۔ اربع، ص ۳۳

کم خوابی و کم خوری:

اطباء متفق ہیں کہ کم کھانا اور کم سونا انسانی صحت کے لیے مفید ہے۔ بسیار خوری اور گھٹنوں لمبی تان کر سونا اگر صحت کے لیے مضر ہے تو نام نہاد ڈاکٹنگ سے جسم کو اتنا کمزور کر لیتا کہ بیماری کو دعوت دینے کا باعث بنے دونوں انتہا پسندی کا مظہر ہیں۔ اسلام اعتدال کا حکم دیتا ہے۔ مولانا لکھتے ہیں:

”شریعت محمدی نے مسلمانوں کو کم کھانے اور کم سونے کی طرف بہت ہی رغبت دلائی ہے تاکہ قوائے حیوانیہ کا ایسا غلبہ نہ ہونے پائے جو قوائے ایمانیہ کو مغلوب کر لیں۔“ ۱

شرعی لباس کیا ہے؟

یہ ایک بے نتیجہ اور خواہ مخواہ کی بحث ہے۔ لباس ستر کے لیے ہے اس کا صاف ستھرا اور پاکیزہ ہونا شرط اول ہے۔ مولانا اسلام کی مرضی و منشا بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

”اسلام نے لباس کے باب میں اس قدر ضرور اصلاح کی ہے کہ متکبرانہ و بے سرو بے حیا کی کاجامہ نہ ہو۔ اور یہ ایک کامل مذہب کا فرض تھا۔ باقی کسی خاص شخص کو لباس میں کچھ بھی دخل نہیں دیا۔ ہاں شارع علیہ السلام کا لباس بے شک مسنون و موجب اجر و عطا، جب تہذیب و قیص عربی مسنون و محبوب مگر فرض و واجب نہیں۔“ ۲

مولانا مرحوم کو کیا خبر تھی کہ دین کے علمبردار حضرات مخصوص ٹوپوں اور عماموں کے ساتھ اپنے گرد و گردوسروں سے الگ اور نمایاں کرنے کا عجیب و غریب و طیرہ اختیار کریں گے اور رنگ برنگے پہناوے کی بدولت ملت کو ٹکڑیوں میں بانٹنے کا (غیر ارادی طور پر ہی سہی) ناپسندیدہ کارنامہ انجام دیں گے۔

۱۔ محمد سلیمان اشرف، پردیسِ مولانا، طبع مسلم یونیورسٹی پریس، علی گڑھ، ۱۹۲۸ء، ص ۲۳

۲۔ سید سلیمان اشرف، ہماری، پردیسِ مولانا، طبع مطبع احمدی، علی گڑھ، ۱۹۱۳ء، ص ۱۵

مسلمانوں کی سیاست دین سے جُدا نہیں:

کم فنی اور لاعلمی کی بنا پر بعض حضرات اسلام کو زندگی کے تمام شعبوں پر محیط کرنے سے گریزاں ہیں۔ ان کا استدلال ہے کہ اسلام کو صرف عبادت تک ہی محدود رکھا جائے، یہ طرز عمل نہایت ہی خطرناک ہے کہ سیاسی اور معاشرتی معاملات میں لوگوں کی راہ نمائی کرنے کے بجائے انھیں حالات کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا جائے۔ اگرچہ ”دنیا کے تمام مذاہب میں اسلام ہی وہ مذہب ہے جس نے دین و دنیا کا ہر پہلو انسانی حیات اور ضروریات کے لیے ایک مکمل ضابطہ پیش کیا، کوئی ایک بھی گوشہ حیات ایسا نہیں جسے اسلام واضح سے واضح شکل میں پیش نہ کرتا ہو، جہاں وہ روحانی اخلاقی تعلیم دیتا ہے وہیں تمدنی، معاشرتی، تعلیمی، صنعتی، اقتصادی، تجارتی، سیاسی مسائل پر مکمل اصول پیش کرتا ہے، دین و دنیا کو ساتھ لے کر چلتا ہے، وہ دوسرے مذاہب کی طرح رہبانیت نہیں سکھاتا۔“ مولانا سلیمان اشرف نے اپنے رسالہ البلاغ کے حصہ اسلام و خلافت میں اسلام..... اصول تمدن اور اسلام..... اسلام اور سیاست..... اسلام اور حرب..... خلافت..... جیسے عنوان قائم کر کے انسانی ضابطہ حیات کے تمام پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے اور یہ واضح کیا ہے کہ اسلام نے ایسی ضروریات زندگی جو انسانی حیات کے لیے جزو لاینفک ہیں مثلاً تمدن، سیاست، حرب۔ اس کو خوب حل فرمادیا۔ اور یہ ایک کامل و صادق مذہب کا فرض تھا۔

مولانا ان عناصر سے بھی مخاطب ہوتے ہیں جو اپنی دعوت و تبلیغ میں اسلام کے قانون، اس کے اجتماعی عدل، معاشی مساوات، معاشرتی اور سیاسی نظام کی بات نہیں کرتے، انھوں نے اپنے اجتماعات اور پروگراموں کو محض چند مذہبی مسائل اور وعظ و نصیحت تک محدود کیا ہوا ہے جبکہ قرآن اور کتب حدیث اور فقہ کی کتابوں میں زندگی کے جملہ پہلوؤں پر جامع ہدایات ملتی ہیں، مگر عبادات اور انسان کے تعلق باللہ کی نسبت مجموعہ ہائے حدیث کا بہت بڑا حصہ اجتماعی اور معاشی مسائل، حقوق انسانی، مملکت کے انتظامی امور اور قیام امن و انصاف کے لیے دیوانی اور فوجداری قوانین

پر مشتمل ہے۔ مذکورہ رسالہ میں مولانا سلیمان اشرف فرماتے ہیں:

”احکام شرعیہ سے جو حضرات کہ ناواقف ہیں۔ اور انھیں توفیق اس سے آگاہی کی بھی نہیں ہوتی۔ وہ بر بنائے جہل مرکب^۱ یہ کہہ دیتے ہیں کہ اسلام صرف تزکیہ نفس سکھاتا ہے باقی اسے دنیاوی امور میں کوئی دخل نہیں۔ اس تیرہ صدی میں جبکہ الحاد و جہل کی گھٹا مسلمانوں پر ان کی بد نصیبی کی طرح چھائی ہوئی ہو اس طرح کی آوازیں اور بھی اسلام سے بے پروا کرنے والی ہیں۔ لہذا یہ بتلا دینا کہ اسلام ہی ہے جس نے تمدن و سیاست و حرب تمام دنیا کو سکھلایا۔ ایک نہایت ضروری بات ہے۔“

چنانچہ خالق کے عطا کردہ کامل نظام۔ دین حنیف کو من چاہے خاتون میں بانٹنے کی جاری عمومی روش کو ڈاکٹر محمد ارشد (جامعہ پنجاب) نے اپنے مقالے ’اسلامی ریاست کی تشکیل جدید میں بے بصیرتی، کوتاہ اندیشی اور خود غرضی سے تعبیر کیا ہے کہ کسی قوم کے اجزائے ترکیبی میں جہاں تہذیبی، ثقافتی، سماجی، مذہبی اور روحانی عوامل بے حد اہمیت کے حامل ہیں، لیکن سیاسی شعور سے عاری انسانوں کا کوئی گروہ دیگر تمام تر خصوصیات کے باوصف ایک قوم کہلانے کا مستحق ہرگز نہیں ہے۔ بقول غلام غوث صدیقی علیگ:

خواہی از سیاست دین جدا وای بر تدبیر طبع نارسا
ای ز دین بیگانه و حق ناشناس دینت الحاد و سیاست بے اساس

۱۔ جہل مرکب (۸) مذکورہ مومنٹ۔ ذہری نادانی، نادان ہونے پر اپنے آپ کو دانا جاننا، کسی چیز پر خلاف واقع اعتقاد کرنا۔ مثلاً سونے کو چاندی اور چاندی کو سونا جاننا۔ دو جملوں میں گرفتار ہونا، یعنی عدم علم اور ناواقفیت عدم علم، غلط واقفیت (۲) جو علم نہ ہونے کے باوجود خود کو عالم سمجھے۔

۲۔ آنکس کہ نداند و بداند کہ داند در جہل مرکب ابدال دہر بماند

حیاتِ مولانا سلیمان اشرف کی چند جھلکیاں **

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق

ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

بلاشبک حی و قیوم کے خاص بندے، موت کو اگلے مراتب کے لیے زینہ اور فتح باب بناتے ہیں، بوسیدگی، شکستگی اور بربادی ان کی موت کا دوسرا نام ہے جو حقیقت و محبت سے کٹ گئے اور فنا کے گھاٹ اتر گئے۔

بقول ڈاکٹر طلحہ رضوی، آپ کا آبائی نسب حضور غوث اعظم رضی عنہ تک اور مادری نسب حضرت مخدوم اشرف جہاں گیر سنائی رحمہ تعالیٰ تک پہنچتا ہے۔ آپ سلسلۂ چشتیہ نظامیہ فخریہ سے منسلک تھے۔ گھر پر ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد کاتپور استاد الاساتذہ حضرت مولانا احمد حسن رحمہ تعالیٰ کی خدمت میں پہنچ کر کتب علوم دین کی خواہش ظاہر فرمائی۔ اساتذہ وقت پہلے حدیث اور پھر منطق کی تعلیم دینا چاہتے تھے، لیکن سید صاحب پہلے منطق اور بعد میں حدیث کی تحصیل پر مہمصر تھے۔ اپنی رائے پر قائم رہتے ہوئے جون پور حضرت مولانا ہدایت اللہ خاں رحمہ تعالیٰ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ مولانا رحمہ تعالیٰ نے سید زادہ کی ہر خواہش پر سر تسلیم خم کرنے کو خوش نصیبی سمجھتے ہوئے ہر بات پر طیبہ خاطر قبول فرمائی اور اس طرح ایک جوہر شناس ماہر کو ایک گوہر بے بہا مل

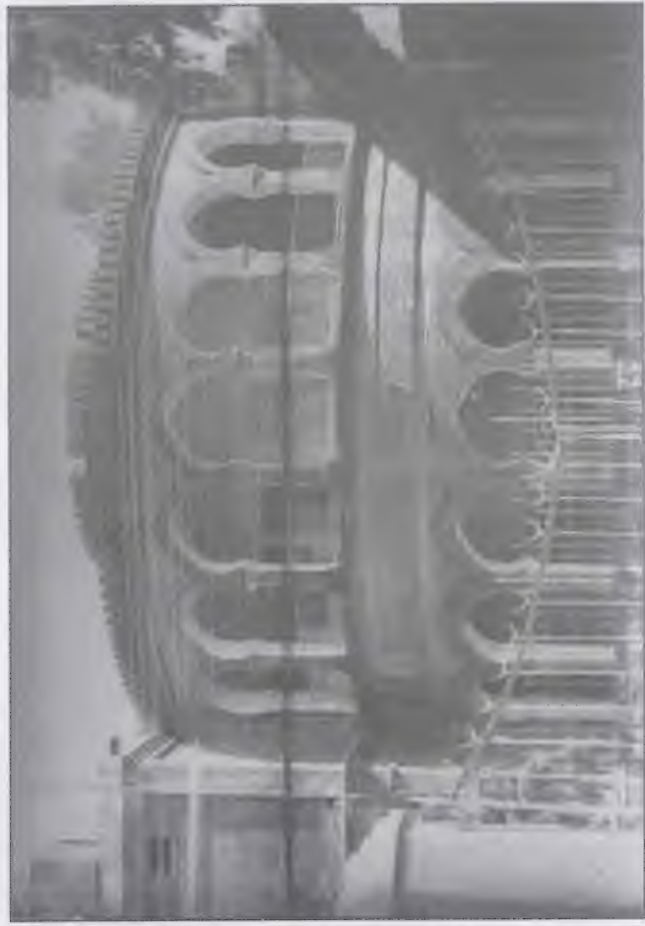
* سابق ریڈر طبیہ کالج علی گڑھ

** مضمون موصول امرامہ گرامی نامہ خاتم ظہور الدین خاں از بیت انور، ہر سیدنگر۔ علی گڑھ، موزخ ۱۱ اگست ۱۹۸۶ء

گیا۔ آپ نے لمحہ بے لمحہ اپنی ذہانت و صلاحیت کے خیرہ کن جواہر بریزے بکھیرنا شروع کر دیے، اور آخر کار آپ کی جلالت، علم و فضل اور عشق رسول نے آپ کی شخصیت کو ایسا تراشاکہ خود جوہری اپنے گوہر کی آب و تاب سے خیرہ ہو کر اس کا عاشق ہو گیا۔ چنانچہ ایک بار جون پور میں ایک محفل میلاد مقدس میں سید صاحب علم و حکمت اور عشق رسول کی فضا کو معطر و معطر فرمانے میں محو تھے کہ ایک مرقع علم و حکمت نے منبر پر پہنچ کر دفور محبت سے سرشار اور وارفتہ سید صاحب کو سینہ سے چٹالیا اور پیشانی کو بوسہ دینے لگے۔ یہ تھے آپ کے استاذ حضرت مولانا ہدایت اللہ خاں رضی عنہما۔ سید صاحب بھی اپنے استاد کے پروانہ تھے۔ آخری سانس تک استاد پر جان نچا اور کرتے رہے اور جب استاذ نے اپنے خالق کے حکم کو لبیک کہا، تو آپ نے ہوش و حواس کھو دیا۔ عرصہ تک کھوئے کھوئے سے رہے۔ آخر کار اسی مدرسہ میں مدرس اور استاد مرحوم کی نیابت کے فرائض کو قبول فرما لیا۔ ایک مناسب موقع پر سید صاحب کے عقیدت مند مولوی جواد علی صاحب نے آپ کے علم میں لائے بغیر علی گڑھ کالج کے شعبہ دینیات کے استاد کی ایک جگہ کے لیے درخواست دے دی۔ پھر انھی کے اصرار پر ۱۹۰۸ء میں آپ بحیثیت استاذ شعبہ دینیات علی گڑھ تشریف لائے۔

آپ کے حاسدین و مفترین نے آپ کے قیام علی گڑھ کے دوران جو جوٹل کھلائے اس کا تذکرہ کئی مستند مضامین میں آچکا ہے۔ یہاں بسلسلہ تقرر ایک واقعہ پیش کر رہا ہوں، جو بورڈ اس جگہ کے استاذ کے انتخاب کے لیے مقرر کیا گیا تھا اس میں ایک اہم رکن نواب مزل اللہ خان صاحب رئیس محکم پور بھی تھے۔ تقرر کے لیے غور و خوض اور فیصلہ کے وقت نواب صاحب موجود نہ تھے اور ان کی شخصیت کے پیش نظر ان کی رائے بہر حال قابل اعتبار اور ناگزیر تھی۔ نواب صاحب نے حضرت کے تقرر کے لیے یہ شرط پیش کی کہ مولوی حسین احمد صاحب مدنی ان کی قابلیت کی تصدیق کریں، جو اتفاقاً علی گڑھ ہی میں موجود تھے۔ نواب صاحب نے شب میں دعوت اور دوسرے دن جلسہ سیرت پاک کا پروگرام مرتب کیا۔ اب حضرت کی جلالتِ شان، صلاحیت ایمان، کمالِ جرأت و استغنا کی ایک جھلک قارئین ملاحظہ فرمائیں۔ شب کی دعوت میں حضرت مدعو تھے، وہاں پہنچ کر کھانے سے لے کر نشست و برخاست تک فریقِ مراتب دیکھ کر آپ کی رگوں

آدم جی پیر بھائی منزل کا سامنے کا منظر





آدم جی پیر بھائی منزل کے اندر یادگار پتھر

ہاشمی پھڑکی اور سخت ناراضگی و ناگواری کا اظہار کرتے ہوئے کھانے میں شرکت کیے بغیر اپنے دوست نواب صدر یار جنگ کے یہاں واپس آ گئے۔ واقعہ سن کر صدر یار جنگ آپ کے تقرر کے سلسلہ میں بے حد متفکر ہوئے، لیکن آپ سر اپنے استغنا اپنے معمولات میں مصروف رہے۔ صبح حسب پروگرام نواب صاحب کی کوشی پر جلسہ سیرت پاک میں آپ کی تقریر ہوئی۔ آپ کے تجربہ جوش بیان اور قوت استدلال نے عوام تو عوام خواص کو بھی متحیر کر دیا حتیٰ کہ مولوی حسین احمد صاحب مدنی حضرت کی مدلل تقریر سے مبہوت ہو گئے۔ سید صاحب سے عرض کر دیا گیا تھا کہ مدنی صاحب سلام و قیام کے قائل نہیں ہیں، آپ نے اسی کو اپنا موضوع تقریر بنایا اور آیات و احادیث کی ایسی بوچھاڑ کی کہ خود مولانا داور ان تقریر تصویر حیرت و حیران بنے رہے، اور جب سید صاحب صلوٰۃ و سلام کے لیے کھڑے ہوئے، تو مولانا مدنی بھی بے ساختہ اور موذبانہ کھڑے ہو گئے۔ پھر جب سید منبر سے اترے تو مولانا مدنی نے والہانہ انداز میں اٹھ کر انھیں سینے سے لگا لیا اور کہا کہ میرا تو خیال تھا کہ مولانا ہدایت اللہ خاں کے یہاں منطق و فلسفہ ہی کا شور و شورہ ہے، آج معلوم ہوا کہ قرآن و حدیث کے بحر و خاں کی مشاوری میں ان کے شاگرد تک (نہایت) مہارت رکھتے ہیں۔ مولانا مدنی نے یہ تک کہہ دیا کہ اب نہیں قیام کا قائل ہو گیا۔ نواب صاحب نے اشارہ کیا کہ سید صاحب اس داد پر مولانا کا شکریہ ادا کریں۔ آپ نے برجستہ فرمایا: "ان دادوں کی کیا حیثیت ہے؟ مجھے داد اس بارگاہ سے ملتی ہے جو اپنے محبت و مولیٰ کی عنایت سے قاسم بھی ہے مختار بھی۔"

آپ کی شخصیت عزت نفس، غیرت، علم، قلندریت اور دانش وری کا مرقع تھی۔ "آدم جی خیر بھائی منزل" کے ایک حصہ کو اپنا سیرا بنالینے والے اس مردِ مومن اور صوفی باصفائے زندگی کی وہ طرح ڈالی جس سے ہزاروں زندگیوں نے روشنی لی اور خود بھی منارہ علم و عمل بنے۔ وائس چانسلر سر ضیاء الدین آپ کے حضور میں حاضری کو باعثِ فخر سمجھتے تھے اور اہم مسائل میں آپ کی اصابت رائے سے ہمیشہ استفادہ کرتے رہتے تھے۔ ریاضی کی چند گتھیوں کو سلجھانے کے لیے حضرت ہی کے مشورہ پر انہی کی معیت میں سفرِ جرمنی کو بریلی کی طرف موڑ دیا اور چٹکیوں میں حل ہونے والی گتھیوں کے واقعہ پر پر عظیم کے عظیم ماہر ریاضیات ہمیشہ کے لیے نہ صرف حضرت بلکہ امامِ اہلسنت

کی غلامی کا دم بھرنے لگے۔ پروفیسر ظفر الحسن کے تحقیقی مقالہ کے اصل روح رواں سید صاحب ہی تھے۔ علم دین کی حرمت کا یہ عالم تھا کہ کبھی کا نوکیشن میں شریک نہیں ہوئے۔

عربی، فارسی اور منطق و فلسفہ کے پروفیسران اپنی گتھیوں کو لے کر طالب علمانہ آتے اور نئی روشنی و نئے عزم کے ساتھ نکلاں جاتے۔ گفتگو میں علم و فضل کی جلال و متانت کے ساتھ ساتھ خوش طبعی اور مزاح لطیف کی کلیاں بھی کھلتی رہتیں۔ خود فراموشی اور قلندریت نے اگر ایک جانب سادگی اور سادہ مزاجی کا سبق آموز نقشہ پیش کیا، تو دوسری طرف نزاکت طبع نے رد ساء وقت کو انگشت بدندان کر دیا۔ گرمی کی آگ، سردی کی برفانیت، برسات کا طوفان باد و باران ہمیشہ ایک ہی جگہ پر آپ کے قیام گاہ کی استقامت کو چومتی اور آگے بڑھی ہیں۔ صدر یار جنگ جو خود بھی تبحر عالم اور مولانا ابوالکلام آزاد جیسے لوگوں سے مراسلہ رابر رکھتے ہمیشہ عصر و مغرب کی نماز آپ کے فقیر کدہ پر آپ کی امامت میں پڑھتے۔ اور گھنٹوں علمی پیاس بجھاتے رہتے۔ سید صاحب کی مرقہ انور اور قیام گاہ کے سنگ مرمر پر کندہ کتبے سید صاحب کے حضور آپ کی عقیدت بلکہ دلبہانہ عشق اور کمال علم و فضل کے آئینہ دار ہیں۔ سید صاحب کی تنہا "المبین" ایک دائرۃ المعارف یا انسائیکلو پیڈیا ہے جو ایک نئے فن کی ایجاد کا سرچشمہ اور حضرت کے لسانی اور ادبی نابغیت کی زندہ تصویر ہے۔ اگر آپ اسی پر بس کرتے تو اس سے ہزاروں کتابیں وجود میں آسکتی اور جنم لے سکتی تھیں۔

آپ نے تصنیفی زندگی میں مقدار، حجم اور تعداد کو نہیں بلکہ ضرورت و وقت، مسائل کی اہمیت کو فوقیت دی۔ دینی علمی، سیاسی سماجی وغیرہ موضوعات میں جب بے راہ روی، گم رہی اور اسلام و جمہور کو نشانہ بننے و یکساں تو را آپ کے قلم نے پتھر کی لکیر کھینچ دی اور زبان و بیان، سلاست و فصاحت کے ساتھ دلائل و براہین کے وہ انبار لگا دیے کہ مخالف بھی سوچنے اور ماننے پر مجبور ہوا۔ المبین، الشور، البلاغ، الانہار، السبیل، الخطاب، الحج وغیرہ آپ کے اس نظریہ تصنیف کے ترجمان ہیں۔

آپ کے مزار مبارک پر یہ زندہ کرامت دیکھنے میں آئی کہ کھجور کا جو درخت مزار انور پر سایہ فگن ہے اس کی تمام شاخیں مردہ اور خشک ہو چکی ہیں، لیکن وہ شاخیں تو تازہ اور شاداب ہیں،

مزار مبارک کے مقابل لوح پر مظلوم تاریخ وصال





مرقد مبارک کا کتبہ

جنیس خاص مزار انور (یعنی لوح مزار یا تعویذ قبر) یہ سایہ فانی کا شرف حاصل ہے۔
ذیل میں لوح مزار کی منظوم تاریخ وصال اور قیام گاہ کی تحریر کی نقل درج کی جا رہی ہے۔

مرقد

مولانا سید سلیمان اشرف بہاری نظامی فخری میر شعبہ دینیات مسلم یونیورسٹی

تاریخ رحلت ۵ ربیع الاول ۱۳۵۸ھ روز چہار شنبہ

سلیمان اشرف سر اہل تقویٰ

یہ علم و عمل والے دین اشرف

چو نقش شنید ایہ ارجی را

بہ جنت شد از قربت حق مشرف

سبش از دل پاک حسرت نوشتہ

بہ جنات عدن سلیمان اشرف

۱۳۵۷

$\frac{1}{1358}$

از نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمن خاں صاحب شروانی

المختص بہ حسرت

سید صاحب کا مزار مبارک قبرستان مسلم یونیورسٹی کے شرقی غربی گوشہ میں قبرستان^۱ (جس کو منموں کل بھی کہتے ہیں) کی چہار دیواری کے اندر ایک چھوٹی چہار دیواری میں واقع ہے، جو

۱۔ "قبرستان کے شمالی حصے میں ایک چار دیواری کے اندر چند قبریں نظر آتی ہیں۔ ان میں سب سے نمایاں قبر مولانا سید سلیمان اشرف مرحوم کی ہے۔ مولانا شعبہ دینیات کے سربراہ تھے اور میلادِ حقانی کی محفلوں میں خاص طور پر مدعو کیے جاتے تھے۔ ان کا سال وفات ۱۳۵۸ھ ہے۔" یہ جنات عدن سلیمان اشرف سے ۱۳۵۷ھ برآمد ہوتے ہیں۔ ماہرین فن تاریخ نے ایک عدد کی رعایت دی ہے۔ "(محمد اسلم، پروفیسر۔ "سفرنامہ ہند"، دہلی: برادرز۔ لاہور، ۱۹۹۵ء، ص ۴۷) تاثر

نواب صدر یار جنگ کی خصوصی عقیدت کی نشانی ہے۔ اس چہار دیواری میں نواب فیلی کے علاوہ اور بھی قبریں ہیں جن کی کثرت اگر ایک طرف دُور عقیدت و حصول فیوض و برکات کی مظہر ہے تو دوسری طرف زائرین کی حاضری میں سدا رہا بن گئی ہے۔ نیز قبرستان ایک دوسرے عقیدہ کے فرد کے انتظام میں ہے اس لیے مناسب دیکھ بھال اور حفاظت (یعنی Maintenance) کے نہ ہونے سے مستقبل میں بوسیدگی بڑھ جانے کا اندیشہ ہے۔

حضرت قدس سرہ کی قیام گاہ پر سنگ مرمر پر کندہ حسب ذیل تحریر ہے:

۷۸۶

بیادگار

مولانا سید سلیمان اشرف صاحب مرحوم و مغفور
صدر شعبہ دینیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ۔ متوطن بہار شریف (بہار)
جنھوں نے

تیس (۳۰) سال مسلسل "آدم جی پیر بھائی منزل" کے اس حصے میں
مستقل قیام فرمایا۔ اپنی تہذیب و دین، فضیلت علم، اصابت فکر اور
ستودگی سیرت سے اس درس گاہ کو سر بلند رکھا اور سر بلند رہے

راہ رواں شوق از ما ساہبا آرنند یاد

نقشہا انگینت در زاہ محبت گام ما

تاریخ رحلت ۵ ربیع الاول ۱۳۵۸ھ مطابق ۲۶ اپریل ۱۹۳۹ء (حسرت شروانی)



یادگار پتھر کا واضح منظر

سخن ہائے گفتنی

مولانا سید سلیمان اشرف گزشتہ صدی کے ان علمائے ذی اکرام میں سے ہیں جن کی ذات علم و عمل کی جامع تھی۔ انھیں علوم شرعی کے ساتھ ساتھ شعر و ادب سے بھی طبعی مناسبت تھی۔ فلسفہ و معقولات کے ماہر تھے تو لسانیات پر بھی عبور تھا۔ مولانا سلیمان اشرف تقریباً ۱۲۹۵ھ/۱۸۷۸ء میں محلہ میراد (پٹنہ، بہار) میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد مولانا حکیم سید عبداللہ اپنے مہد کے فاضل طبیب و عالم تھے۔ ان کا سلسلہ نسب مخدوم سید اشرف سمنانی کچھوچھوی کے بھانجے سید عبدالرزاق جیلانی سے جاملتا ہے، تاہم اس خاندان کے اراکین مخدوم سمنانی کی طرف منسوب ہو کر اشرفی کہلاتے ہیں، خود مولانا کے نام کے ساتھ اشرف کا لاحقہ اسی نسبت سے ہے۔

مولانا نے ابتدائی تعلیم اپنے اعمام محترم سے حاصل کی۔ مولانا کے چار چچا تھے۔ مولانا عبدالقادر، مولانا عبدالرزاق، مولانا عبدالغنی اور مولانا عبید اللہ۔ چاروں ہی سے مختلف اوقات میں مختلف کتابیں پڑھیں۔ اسی دوران مولوی رمضان علی سے بھی کسب علم کرتے رہے۔ اس کے بعد بہار اسکول میں داخلہ لیا۔ دسویں کلاس تک پہنچے تھے کہ طبیعت و دینی تعلیم کی طرف شدت سے مائل ہوئی۔ اسکول کو خیر باد کہا اور مولانا نور محمد اصدقی (خلیفہ اعظم شاہ قیام اصدق، پیر گبھہ جمواتواں) سے عربی و فارسی کی تعلیم لی۔ اسی دوران ان کے دامن عقیدت سے وابستہ ہوئے اور اخذ طریقت کیا۔ اس کے بعد مولانا مولانا حکیم سید وحید الحق استخوانوی (م: ۱۳۱۵ھ) کے قائم کردہ ”مدرسہ اسلامیہ“ استخوانواں (قیام ۱۳۰۱ھ) میں مولانا سید محمد احسن استخوانوی بہاری سے اخذ علم کیا۔ یہ مدرسہ بہار میں دیوبندی احناف کا پہلا تمامندہ مدرسہ تھا۔ یہاں یہ دلچسپ امر بھی لائق ذکر ہے کہ

اس مدرسے کے بانی مولانا سید وحید الحق اور اس کے اولین مدرس مولانا سید محمد احسن مشہور اہل حدیث عالم سید نذیر حسین محدث دہلوی (م: ۱۳۲۰ھ) کے تلمیذ رشید تھے۔

مدرسہ اسلامیہ کے بعد مولانا نے اپنی تعلیمی زندگی کا کچھ عرصہ مولانا احمد حسن کان پوری کی درسگاہ اور ”دارالعلوم ندوہ“ میں بھی بسر کیا۔ اس کے بعد ”مدرسہ خفیہ“ جون پور میں مولانا ہدایت اللہ خاں رام پوری سے اخذ علم کیا۔ مولانا ہدایت اللہ منطوق و معقولات میں اپنے زمانے کے امام تھے۔ مولانا فضل حق خیر آبادی کے شاگرد رشید تھے۔ مولانا نے منطوق و معقولات میں اسی خیر آبادی سرچشمہ علم سے فیض اٹھایا۔ ان کے اساتذہ عالی مرتبت کے علاوہ مولانا کے اساتذہ میں ایک قابل ذکر نام مولانا یار محمد بندیا لوی (م: ۶ دسمبر ۱۹۴۷ء) کا بھی ہے۔

مولانا سلیمان معقولات کے عالم، لسانیات کے ماہر، فقیہ و مدرس اور ادیب تھے، لیکن طبعاً وہ اڈل تا آخر ایک صوفی تھے۔ ان کے تصوف کی سب سے بڑی خوبی ان کی سلامت روی اور وسیع الشریعتی تھی۔ یہاں اس غلطہ العام خیال کی تردید ضروری ہے کہ مولانا سلیمان اشرف، مولانا احمد رضا خاں بریلوی کے تلمیذ و خلیفہ تھے۔ بعض اہل علم نے برہائے عقیدت مولانا سلیمان اشرف کو فاضل بریلوی کے اجلہ خلفاء میں محسوب کیا ہے۔ اس میں کچھ شبہ نہیں کہ مولانا سلیمان کو فاضل بریلوی سے شدید عقیدت تھی مگر یہ تعلق عقیدت و ارادت تلمذ و خلافت کی نسبت کے بغیر تھا۔ خود مولانا بریلوی نے ”ذکر احباب و دعاء احباب“ کے عنوان سے اپنے خلفاء کے ناموں کو منظوم کیا ہے جس میں اپنے چودہ (۱۴) اکابر خلفاء کے نام درج کیے ہیں ان میں مولانا سلیمان کا نام شامل نہیں۔ اسی طرح جب مختلف حضرات نے خود کو مولانا بریلوی کا تلمیذ رشید و خلیفہ ارشد پاور کرانا شروع کیا، تو مولانا بریلوی کو ضرورت محسوس ہوئی کہ ان جعلی خلفاء سے اظہار برأت کی جائے لہذا انہوں نے ضروری اعلان کے تحت ایک اشتہار شائع کرایا جس میں اپنے پچاس (۵۰) خلفاء کے نام درج کیے ان میں بھی مولانا سلیمان اشرف کا نام شامل نہیں۔ اگر مولانا سلیمان، فاضل بریلوی کے خلیفہ ہوتے تو کیا ممکن تھا کہ انہیں نظر انداز کر دیا جاتا؟ مولانا نے مسلم یونیورسٹی

علی گڑھ جیسی مرکزی درس گاہ میں بیٹھ کر سالہا سال درس و تدریس کی ذمہ داریاں نبھائیں مگر ان کے کسی شاگرد نے اور نہ ہی کسی معاصر نے انہیں مولانا بریلوی کی خلافت سے منسوب کیا حتیٰ کہ مولانا سلیمان کے سوانح نگار محمد علی اعظم خاں قادری نے اپنی کتاب ”حیات و کارنامے۔ سید سلیمان اشرف بہاری“ میں مولانا بریلوی سے ان کی عقیدت کا ذکر تو کیا مگر ان سے نسبت تلمذ و خلافت کا کوئی دعویٰ نہیں کیا۔

مولانا سلیمان کی وسیع الشربلی نے انہیں ہر طبقے میں ہر عزیز بنا دیا تھا۔ ان کے مراسم اپنے نقطہ نظر کے مخالف علما و اہل علم کے ساتھ بھی بڑے خوشگوار تھے۔ مولانا کا دینی و سیاسی مسلک مولانا احمد رضا خاں بریلوی کے مسلک کے مطابق تھا۔ اپنے مسلک میں شدت سے وابستگی کے باوجود انہوں نے دوسرے مکاتب فکر کے اہل علم کے ساتھ احترام کا رشتہ کبھی ہاتھ سے جانے نہ دیا۔ ان کی تحریر و تقریر میں کبھی سو قیت طاری نہیں ہوئی۔ اسی طرح اپنے نقطہ نظر کے مخالف علماء، اشخاص و اداروں کے محاسن کا ذکر کرنے سے مولانا کے قلم نے بخل سے کام نہیں لیا۔ عربی مدارس میں اصلاح اور انگریزی کی شمولیت کا خیال سب سے پہلے مولانا ابو محمد ابراہیم آروی (م: ۱۳۱۹ھ) کے دل میں آیا تھا جسے انہوں نے عملی شکل (مدرسہ احمدیہ آرہ) میں مرتب کیا۔ عام طور پر مؤرخین اس کا ذکر نہیں کرتے۔ مگر مولانا سلیمان اشرف نے باوجود اختلاف مسلک و شرب تسلیم کیا کہ:

”اگر خصوصیت ملی اور اتھارٹومی کی حیثیت سے اب علوم اسلامیہ تھی تو قوام جسم کا نظام اپنے بقا و دسمو کے لیے انگش زبان کا بھوکا تھا حکماء امت کی دور بین نگاہوں نے اسے دیکھا اور عربی مدارس کے اصول تعلیم میں تغیر و تبدل کے لیے آمادہ ہو گئے خالص مدارس عربیہ میں کچھ انگریزی کی تعلیم داخل کی گئی نیز طریقہ تعلیم میں بھی سہولت کی راہ پیدا کی گئی۔ فقیر کے علم میں سب سے پہلے مدرسہ احمدیہ آرہ نے اس کی بنیاد رکھی۔ صرف و نحو کی بعض کتابیں سہل اصول پر تصنیف ہو کر وہاں سے شائع ہوئیں اور کچھ انگریزی کا سیکھنا لازم قرار دیا گیا۔“ (السبیل: ۲۵)

اسی طرح جب ایک ملحد کی ترویید مسئلہ ڈاڑھی پر ”نزہۃ المقال فی لمحیۃ الرجال“ لکھی تو اس میں مولانا ابوالمحمد ابراہیم آروی، مولانا حافظ عبداللہ عازمی پوری، مولانا ابو عبد الرحمن عبداللہ ہزاروی ثم گیلانی وغیرہم کے فتوے بھی درج کیے۔ یہ مولانا سلیمان کی وسعت قلبی کی واضح دلیل ہے۔

مولانا مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے لائسنس ٹکریم استاد تھے جہاں مختلف الخیال علما و اہل علم موجود رہتے تھے۔ مولانا بھی اس بزم کے ایک رکن تھے۔ مولانا کو ارباب دولت سے کبھی سروکار نہیں رہا۔ اللہ نے انھیں غنائے قلب کی دولت سے نوازا تھا۔ انھوں نے تازیست کبھی کسی کی خوشامد نہیں کی اور نہ ہی کسی سے اپنے جاہ و مرتبے کی امید باندھی۔ مولانا سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں:

”مرحوم خوش اندام، خوش لباس، خوش طبع، تقافت پسند، سادہ مزاج اور بے تکلف تھے، ان کی سب سے بڑی خوبی، ان کی خودداری اور اپنی عزت نفس کا احساس تھا، ان کی ساری عمر علی گڑھ میں گزری، جہاں امرا اور ارباب جاہ کا تانتا لگا رہتا تھا مگر انھوں نے کبھی کسی کی خوشامد نہیں کی اور نہ ان میں سے کسی سے دب کر یا جھک کر ملے، جس سے ملے برابری سے ملے اور اپنے عالمانہ وقار کو پوری طرح ملحوظ رکھ کر علی گڑھ کے سیاسی انقلابات کی آندھیاں بھی ان کو اپنی جگہ سے ہلانہ سکیں۔ علی گڑھ کے عشرت خانہ میں ان کی قیام گاہ ایک درویش کی خانقاہ تھی، یہاں جو آتا، جھک کر آتا، اگر مجلس سازگار ہوئی تو دعائیں لے کر گیا ورنہ اٹے پاؤں ایسا واپس آیا کہ پھر آدھر کا رخ نہ کیا۔“ (یادرفسنگ: ۱۸۹-۱۹۰)

مولانا تہا بہت نیک نفس تھے، دوسروں کی ضرورتوں کا خیال رکھتے تھے۔ اپنے استاد کے داماد کو ملازمت دلوائی۔ اور ان کے بیٹے کے تعلیمی اخراجات کے کفیل ہوئے۔ پڑھا لکھا کر انھیں یونیورسٹی میں ملازمت کے قابل بنایا لیکن پھر اس کی ضرورتوں کا خیال رکھتے رہے۔ اپنے ایک بھانجے سید معین کی کفالت کی۔ مولانا کے ایک بڑے بھائی سید انیس اشرف جو محکمہ پولیس میں آفیسر تھے ان کا دماغی توازن خراب ہو گیا تھا۔ انھیں اپنے پاس رکھا اور جس جانفشانی سے ان کی

خدمت کی وہ اپنی مثال آپ ہے۔ بقول سید سلیمان ندوی:

”اپنی ضعیف والدہ کی اطاعت اور اپنے ایک دیوانہ بھائی کی رفاقت اور خدمت

میں عمر اس طرح گزاری کہ اس کی نظیر مشکل ہے۔“ (حوالہ مذکور)

مولانا مدت العمر شادی سے گریزاں رہے۔ اپنی والدہ مکرمہ کے شدید اصرار پر آخری عمر

میں رشتہ ازدواج میں منسلک ہوئے مگر کوئی اولاد نہ ہوئی۔

مولانا کے علم و فضل اور ان کے طرز خطابت و وعظ کا ذکر کرتے ہوئے پروفیسر ابرار حسین

فاروقی لکھتے ہیں:

”حضرت مولانا سید سلیمان اشرف مرحوم و معذور کے علم و فضل کا اندازہ وہ

لوگ خوب کر سکتے ہیں جنہوں نے مدوح سے درس لیا یا ان کے مواظبت سے۔

ان کا وعظ سیدھے سادے الفاظ میں تصنع، تکلف اور لغظی کے بغیر بڑا دلکش ہوتا

تھا۔“ (ماہنامہ ”معارف“، اعظم گڑھ۔ فروری ۱۹۷۵ء)

مولانا اپنے نقطہ نظر کے اظہار میں بڑے جری و بیباک تھے۔ کسی مخالفت کی پروا نہ کرتے

تھے، جب ہندوؤں کے سیاسی اثر سے مسلمان زعماء بھی ذبیحہ گاہ کو مصیبت ترک کر دینے پر آمادہ

ہو گئے تو مولانا سید سلیمان اشرف نے اس کی سختی سے تردید کی۔ اپنی گراں قدر کتاب ”الزُّشاد“

میں اس مسئلے پر سیر حاصل بحث کی۔ مولانا سلیمان اشرف کے علاوہ بہار کے جن علما نے ذبیحہ گاہ

کی حمایت میں سرگرمی سے حصہ لیا ان میں مولانا حکیم محمد ادریس ڈیالوی اور مولانا محمد شموئیل عظیم

آبادی وغیرہم قابل ذکر ہیں۔ مؤخر الذکر کی کتاب ”عید المومنین“ کے عنوان سے پٹنہ سے طبع ہوئی

جس پر اوّل الذکر کی تقریظ ہے۔

مولانا سلیمان کی زندگی کا ایک قیمتی اور روشن پہلو ملت اسلامیہ کے لیے دلی درمندر کھنے

والے غم خوار کا تھا۔ ان کا سینہ امت مسلمہ کی زبوں حالی سے غم زدہ تھا اور ان کی آنکھیں زوال

امت پر اٹکنا تھیں۔ وہ دین اور سیاست کی تفریق کے سخت مخالف تھے۔ خود فرماتے ہیں:

”جو مذہب اپنی حفاظت نہیں کر سکتا اور اپنی مامون زندگی کے لیے طاقت روا نہیں رکھتا ہے اُس کا وجود محالاتِ عادیہ میں سے ہے اور وہ ایک فلسفہ خیالی سے زائد مرتبہ نہیں رکھتا۔ وہ ہاتھ جس میں اخلاقی حسہ کی کتاب ہو نہایت ہی مقدس و واجبِ تعظیم ہے اُس کو بوسہ دیجئے آنکھوں پر رکھئے۔ لیکن سلامت وہی ہاتھ رہ سکتا ہے جس میں خوشچکاں شمشیر کا قبضہ دکھائی دے۔“ (البلاغ، اسلام و خلافت: ۲-۳)

وہ مسلمانوں کے اندرونی اختلافات کو ناپسند کرتے تھے اور استعمار کے ہاتھوں کھلونا بننے کو انتہائی معیوب سمجھتے تھے۔ ان کے خیال میں مسلمانوں کی طاقت کو جب ضعف و اضمحلال نے آیا تو استعمار کو دراندازی کا موقع ملا۔

مولانا نے کئی کتابیں تالیف فرمائیں۔ عربی زبان کی اہمیت و افادیت پر ان کی ایک کتاب ”المبین“ ہے جس پر ہندوستانی اکیڈمی نے انھیں ایوارڈ اور پانچ سو روپے نقد انعام دیا۔ ”النور“، ”البلاغ“، ”الرشاد“، ”اللمح“، ”السبیل“ اور ”نہجہ القتال فی لمحیۃ الرجال“ بھی ان کے تحریری ذخیرے میں اہم مقام رکھتے ہیں۔ ”بہشت بہشت“ پر ان کا فاضلانہ مقدمہ موسوم بہ ”الانہار فن شاعری میں ان کے درک کا مظہر ہے۔ ”الخطاب“ ان کا لکچر ہے جو کتابی شکل میں شائع ہوا۔ ”مسائل اسلامیہ“ کے عنوان سے ان کے مختلف مواعظ کا ایک مجموعہ ان کے تلمیذ مولوی عبدالباقی نے جمع کیا۔ خیال ہے کہ ان کے لکچر کے اور مجموعے بھی شائع ہوئے ہوں گے، تلاش و جستجو کی جائے تو مزید مل سکتے ہیں۔

مولانا سید سلیمان اشرف اپنے عہد کے کثیر الدرس مدرس اور وسیع المشرب عالم تھے۔ انھوں نے پوری زندگی اس شان سے گزاری کہ علما کے وقار کو بخیر و برکت نہ ہونے دیا۔ تا آنکہ رجب الاول ۱۳۵۸ھ / ۲۷ اپریل ۱۹۳۹ء میں اس عالم رفیع القدر نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا کی وفات پر ”علی گڑھ میگزین“ نے اپنی جولائی ۱۹۳۹ء کی اشاعت میں ان

خیالات کا اظہار کیا:

”یہ ہماری بد نصیبی ہے کہ ہم میں جو ہر قابلِ اول تو پیدا ہی نہیں ہوتے اور اگر شاذ و نادر پیدا بھی ہوتے ہیں تو ان کی ہستی زیادہ پائندہ نہیں ہوتی۔ گزشتہ چند سالوں میں مسلمانوں کو بعض ممتاز ہستیوں کی اچانک موت سے ناقابلِ حلافی نقصان پہنچا۔ انھیں میں ایک وہ گوشہ نشین فاضل اجل تھا جس کی ذات سے علی گڑھ میں فیض کا ایک چشمہ جاری تھا۔ الحاج مولانا سید سلیمان اشرف صاحب جو شعبہ دینیات مسلم یونیورسٹی کے صدر تھے تھوڑے عرصہ طویل رہ کر رحلت فرما گئے۔ مرحوم مسلسل تیس سال تک تفسیر قرآن کا درس دیتے رہے۔ اس طویل مدت میں مولانا سے جو فیض ان کے شاگردوں نے پایا اسے انھیں کا دل محسوس کر سکتا ہے۔ مرحوم صوفیانہ وضع کے پابند تھے اور علمائے سلف کا صحیح نمونہ۔ انھوں نے دولت، امارت، حکومت اور شوکت سے مرعوب ہو کر کبھی علم کی توہین نہیں کی۔ مولانا کے متعلق یہ بات عام طور پر مشہور تھی کہ بغیر کسی پس و پیش و تردد کے اپنے خیال اور رائے کا ہر موقع پر اظہار کر سکتے تھے۔ لوگوں کو مولانا سے جو جو فیض پہنچے ان کی داستاں تو بڑی طویل ہے۔ لیکن یہ سچ ہے کہ مولانا کی وفات سے ہم میں جو کمی ہو گئی اس کے پورا ہونے کی مستقبل قریب میں کوئی امید نظر نہیں آتی۔

خداوند! بیا مرز آں شہید امتحانے را“

یہ جو دو آنے سے دو چار نظر آتے ہیں ان میں بھی کچھ صاحبِ اسراف نظر آتے ہیں ایسے ہی دیوانوں میں ہمارے معاصر دوست جناب ظہور الدین امرتسری کا شمار ہوتا ہے۔ وہ تاریخِ بر عظیم کا کتابی ذوق رکھتے ہیں۔ کتاب سے محبت ان کی ذاتی علامتوں میں سے پہلی علامت ہے۔ مولانا سلیمان اشرف سے ان کو گہری قلبی وابستگی ہے۔ یہ مولانا سلیمان کی ”روحانی

حالات“ ہی کہیے کہ اپنے روحانی استاد کی طرح ان کا مسلک بھی صلح کل ہے۔ وہ اپنے مسلک پر سختی سے کاربند رہنے کے باوجود دوسرے مسالک کے اہل علم سے دوستانہ مراسم رکھتے ہیں، جن میں یہ خاکسار بھی شامل ہے۔

ظہور امرتسری صاحب نے اپنے وسیع الاثر بی کے باوجود اپنے مسلک کی بذریعہ قلم و قریطاس جیسی خدمات انجام دیں وہ قابل قدر ہے۔ مولانا سلیمان اشرف کی کتابوں کی از سر نو طباعت کر کے انھوں نے مولانا کو ایک نئی علمی زندگی دی ہے۔ اگر یہ کتابیں وہ شائع نہ کرتے تو مولانا سلیمان کا نام تو یقیناً زندہ رہتا مگر ان کے کام سے لوگ واقف نہ ہو پاتے۔

بر عظیم میں ان کے مسلک کے نمائندہ علما کی تاریخ و سوانح اور ان کی مساعی حسہ کی جستجو ظہور امرتسری صاحب کا خاص موضوع ہے۔ اس سلسلے میں ان کی دیوانگی اپنے طبقے کے اہل علم کی فرزانگی پر فضیلت رکھتی ہے۔

بااں ہمہ، ”الخطاب“ کی نقل کے ساتھ یہ چند صفحات میں نے ان کی خواہش پر تحریر کیے ہیں۔ دعا ہے کہ اللہ ان کے نیک جذبات کا بہتر صلہ عطا فرمائے اور وہی بہتر اجر دینے والا ہے۔

والسلام مع الاکرام
محمد تنزیل الصدیق الحسینی
۷ اکتوبر ۲۰۱۳ء
کراچی

آئینہ الحکمتہ فصل

الخطاب

تقریر فقیر محمد سلیمان اشرف

ہو قع اجلاس بست و ہجتم کا نفرس

مشقودہ کیا ولیندی

بابہام محمد مصطفیٰ خاں مہرانی

عقبتی النبی صلی اللہ علیہ وسلم

فہرست مضامین

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۱۷	اسلاف اور اخلاف	۱	بشارت فتح مبین
۲۰	اصول ترقی اور قرآن کریم	۳	فلسفہ عمل و نظری
۲۱	انسان اور کائنات عالم	۳۰	مشاہدہ شبلیہ سے سبق
۲۲	ہماری تہذیب کی غایت	۵	قرآن اور فلسفہ عمل و نظری
۲۳	تہذیب و سائنس اور قرآن	۷	قرآن کا طرز استدلال
۲۴	قابلِ گہرہ نظر	۸	جاسانِ علوم و تحقیقات کا ایک مطالعہ
۲۵	تشریح ان غویب میں از کثرت تعبیر	۹	فیثاغورث کی حکایت
۲۶	میں اور صداقت و نبوت	۱۰	لمعاتِ کلام ربانی
۲۷	ایک غور طلب مسئلہ	۱۱	مسئلہ رسالت
۲۸	ایک اور واقعہ	۱۲	احتیاجِ معلم
۲۹	بہترین قانونِ معاش و معاد	۱۳	حادثہ رسالت و نبوت
۳۰	خلافِ نظری آزادی	۱۴	کامل دستور العمل کا معیار
۳۱	تعلیمِ نبوی کا معجزہ ثانی	۱۵	حقیقی حیات اور حقیقی علم
۳۲	احتیاجِ نصائحین		حالتِ عرب قبل بعثت اور اس کا علاج
۳۳	ایک جامع کمال ذات		
۳۴	غایت کمال انسان		
۳۵	ختم کلام		
۳۶			

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ مَحْمُودٌ كَثِيرًا

خطبہ مسنونہ و صلوات بخدا و تہود و تمجید کے بعد یہ آیت کریمہ تلاوت کی گئی۔ جو الذی ارسل
رسولہ بالہدٰی و دین الحق لیطہر علی الذین کلمہ و کفی باللہ شہیداً

یہ آیت کریمہ آخر کو سورہ فتح کی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے مخلص بندوں کی ایک جماعت
پہر جو حبیب ابوالعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجر کا بی بی بی سعادت کو نبی کی حالت

بشارت فتح مبین

کو نبی ہوئی مدینہ طیبہ واپس جا رہی تھی۔ بعض من عمرہ رسول کریم علیہ الوفاء و الصلوٰۃ و السلام چودہ سو مسلمانوں
کو لیکر ہازم مکہ معظمہ چلے گئے۔ کفار و رافضیہ سے لگے بیڑا نہ ہوا۔ و نماز و اقامہ طویل ہو۔ مختصر
یوں سمجھیے کہ ایک صلح نامہ لکھا گیا جس کے شرائط مسلمانوں پر تھیں تھیں۔ لیکن مسکار دو عالم کی متابعت
اسی میں تھی لہذا اس صلح نامہ منظور نہ ہوا۔ مگر اس طرح کی مراجعت نے دلوں کو اس کیفیت کو جس میں ایک سوزش
اس سوزش میں اخلاص اس اخلاص میں عبودیت کامل موجود تھی ذرا چمکا دیا تھا۔ اس پر منافقین کے ہستہ
و لمن دشمنیہ ادبی نمک چھڑکتے جاتے تھے۔ پس کمال نیاز و زندیہ اتہاس سے تذل و انحرار سے قلوب مخمور

ایک مختصر تفسیر یہی ہے اس سورت مبارکہ کا شان نزول ہی مذکور تھا۔ اس سے یہ بات معلوم ہو گئی ہوگی کہ اپنی کامیابی کا کیا راز ہزاروں کامیاب زندگی کے کیا معنی ہیں۔ لیکن مختلف طبقات کے شاہکار کا خیال کرتے ہوئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ کسی قدر واضح تفسیر اس آیت شریفہ کی چاہئے۔

حضرت ابوالفضل علیہ السلام نے اس آیت کریمہ میں اپنی توحید والوہیت اور نبوت و رسالت کو طالع قلمرو بیان کرتے ہوئے اس میں انہی کے متعلق جس کی ابتدا حضرت آدم سے اور انتہا حضرت عیسیٰ بن مریم سے ہوئی حالت بیان فرماتا ہے۔ اس کے بعد ان خوش نصیبوں کا ذکر اور ان کے حالات عیسیٰ کی طرح فرماتا ہے جنہوں نے نہایت استقامت سے اس دین الہی کو لیکھا تھا۔ مبارک ہیں وہ بندے جو صدق اس آیت کریمہ کے ہوئے اور قابل عقیدہ ہوئے۔ حال جس کی شرح سرائی کلام الہی میں ہوئی۔ کافی ذرا لگے فَلْيَتَذَكَّرْ لَكُمْ يَوْمَ تَكُونُ اَرْسُلُ كُرْنِے والوں کو اس امر میں پس کرنا چاہئے۔) آیت کریمہ کے حصہ اولیٰ (توحید والوہیت) کے سمجھنے کے لیے ایک مختصر مقدمہ کی ضرورت ہے پہلے اس پر اجماعی طور فرمایا۔

حضرات! عالم میں جس قدر چیزیں کہ پائی جاتی ہیں خواہ جوہر ہوں فلسفہ عملی و فلسفہ نظری | یا عرض وہ دو حال سے خالی نہیں بعض تو ایسی ہیں جن کا وجود ہماری قدرت

و اختیار میں ہے جیسے علم صدق یا نیت وغیرہ وغیرہ۔ ۱۔ بعض ایسی ہیں جن کا وجود ہماری قدرت اختیار میں نہیں جیسے آفتاب زمین و خورشید و غیرہ وغیرہ۔ پہلے قسم کے علم کو فلسفہ عملی اور دوسرے قسم کے علم کو فلسفہ نظری کہتے ہیں۔ پہلے قسم کو فلسفہ عملی اس لیے کہتے ہیں کہ وہاں جو علم کمال انسانی کے پورے کافی نہیں ہوتا ہے بلکہ اس پر عمل چنانچہ شریعت مثلاً ایک شخص اتفاق کے معنی جانتا ہے اور اس کے فوائد کا بھی اسے علم ہے لیکن اس پر عمل آ نہیں ہوتا تو عمر بھر یہی وہ فوائد محال نہو گے جو اتفاق سے وہب نہیں اور یہ علم قطعاً اس کے نفس کو مہذب نہ بنائے گا۔ پس حکمت عملی کے لیے ضرور ہر کمال الہی باتوں کا علم حاصل کیا جائے اور بعد علم کے اس پر عمل کی عادت ڈالی جائے تاکہ نفس اور پاکیزہ عادتوں پر ملکہ ہو جائے۔ ۲۔ فلسفہ نظری وہاں صرف علم کمال نفس ہوتا ہے یعنی ایسے سوچ و ذات جن کا وجود ہماری قدرت اختیار میں نہیں ہے۔ ان کے متعلق کمالی قدر طاقت بشری جتنا کمال نفس کے لیے کفایت کرتا ہے۔ آج دنیا میں انہیں حقائق کے انکشافات کا میز جو محیر العقول کرشمے تم دیکھ رہے ہو۔ فَسُبْحَانَ الَّذِي عَلَّمَ الْقُرْآنَ مَبْرَأًا مِّنْ فَسَادِ دُنْيَا بَاکِ ہو کہ وہ ذات جس نے انسان کو وہ باتیں سکھادیں جن میں وہ نہ جانتا تھا) ۳۔

۱۔ تفسیر ۲۲۰ ج ۱۔ مجرور کیا تھا (۲) وہ شے جو مادہ سے پاک ہو جیسے روح فرشتہ مع معقل۔ عملی اور ذات چاہو مع حکمت عملی۔
پایسی کام کرنے کی حکمت اور اندیش ۵۔ موجودات (موجود کی مع) مخلوقات۔ دنیا کا کائنات و نظام جی جی۔ جو اللہ تعالیٰ نے پیدا کی ہیں انچہ
۳۔ انکشافات (انکشاف کی مع) اور یافت (۲) کھانا کھانا ہوتا ہے قول تعالیٰ عَلَّمَ الْإِنْسَانَ خَالِمًا يَعْلَمُ (علق ۵)

تو بڑی برکت والا ہے اللہ تعالیٰ بہت غریب پیدا کرنے والا
 ۱۔ تو بڑی برکت والا ہے اللہ تعالیٰ بہت غریب پیدا کرنے والا
 ۲۔ تو بڑی برکت والا ہے اللہ تعالیٰ بہت غریب پیدا کرنے والا
 ۳۔ تو بڑی برکت والا ہے اللہ تعالیٰ بہت غریب پیدا کرنے والا
 ۴۔ تو بڑی برکت والا ہے اللہ تعالیٰ بہت غریب پیدا کرنے والا
 ۵۔ تو بڑی برکت والا ہے اللہ تعالیٰ بہت غریب پیدا کرنے والا
 ۶۔ تو بڑی برکت والا ہے اللہ تعالیٰ بہت غریب پیدا کرنے والا
 ۷۔ تو بڑی برکت والا ہے اللہ تعالیٰ بہت غریب پیدا کرنے والا
 ۸۔ تو بڑی برکت والا ہے اللہ تعالیٰ بہت غریب پیدا کرنے والا
 ۹۔ تو بڑی برکت والا ہے اللہ تعالیٰ بہت غریب پیدا کرنے والا
 ۱۰۔ تو بڑی برکت والا ہے اللہ تعالیٰ بہت غریب پیدا کرنے والا

بعد اس کے کہ فلسفہ سن و فلسفہ تنہا کی تعریف غایت معلوم ہو چکی میں آئی ہے پر چاہا ہوں کہ جس نے اپنے آپ کو فلسفہ عمل سے متصف کیا ہو گا کیا اُس کی نظر سے یہ بات بھی رہ سکتی ہو کہ جس نے اس شے کو پیدا کیا اوداں صفات و اخلاق سے نفس کو متصف کر لینی ہدایت فرائی بیشک وہ ایک بڑا حکیم و عظیم ہو۔ ہاں یہ امر بھی یہاں پر سمجھ لینے کے قابل ہو کہ اللہ تعالیٰ نے انسان میں متعدد صفات و قوتیں کر دینے فرائی ہیں ان میں سے ہر ایک ضروری و انتہائی درجے کی مفید ہے۔ ان کا صحیح استعمال بے عمل صرف التہ انھیں مذموم بنا دیتا ہے مثلاً ایک جذبہ غریب ہو کر جب تک اس جذبہ کو اس حسیہ دائرہ تک کیے محدود کر لیں ان فرائض کے مرتبہ میں پہنچ کر غضب جنوں کا فائدہ ہو اور تفریط میں اگر بے غیری تو بے عینیت۔ جب قدر غور کر کے اسی قدر یہ مسئلہ واضح ہو جائیگا کہ فرائض و تفریط سے اگر کام نہ لیا جائے تو ہر انسان میں کوئی جذبہ و قوتہ مذموم نہیں اور جذبات کو اعتدال پر قائم رکھنا اصل کمال انسانی ہے۔ اب کیا وہ شخص جس کی زندگی کا دستور اصل فلسفہ عمل ہو کیا اس امر کا اعتراف نہ کرے گا کہ جس نے ان جذبات و قوتوں کو پیدا کیا وہ ایک عجیبے مثل ذات ہے اور اُس کی حکمت کی حقیقت تک پہنچنے سے انسان عاجز ہے۔ اسی طرح جس کائنات کے صحائف کا مطالعہ کیا ہو گا اور چٹان کی ٹھیکانٹ ان میں سے کسی کی صفت کی طرف غور و فکر سے کام لیا ہو گا تو قدرہ کے عجائبات نے اُس کی عقل کو تسمیر فکر کو تسلیم بنا دیا ہو گا۔ اور یہی اُس کے منہ سے یہ نکل گیا ہو گا۔ **فَبَارِكْ اللَّهُ أَحْسَنَ الْحَمْدِ الْقَبْلِ وَ**

مشابہن اشیاء سے سبق | صبح کے وقت کسی چرخ میں اوداں کا سامان کیوں بڑوں کا منہا نہیں کھاتے ہونہ مختلف پہلوئیں مختلف رنگت ہو گا یا پھر کیا یہ سب میں اس طرف نہ سب سے نہ کرے جس کے عالم کا کوئی سامان ہو۔ ایک جگہ لکھا ہے کہ اس کی نزاکت اُس کی بات اُس کی رنگت، اُس کی نیکوئی اُس کی پختگی کے لئے کیا ہے غافل ہویت نہیں ہے نہیں یا اُس کے کمال صفت کو اپنے وجود سے ثابت نہیں کرتے **حَسْبُكَ اللَّهُ الَّذِي أَنْفَعُكَ** کی کشتی ہے تو اللہ تعالیٰ ہی کی کارگیری ہو جس نے ہر چیز کو مستحکم بنایا ہے کیا کسی نے آج تک ایک نیل میں ہی بنایا جان تمام صفات ظاہری و باطنی میں کتاب کے مانند ہو اور اسی طرح اپنے آپ میں روح نباتی بھی رکھتا ہو۔ ہرگز نہیں۔ اقباسے پوچھو تو تمہیں معلوم ہو کہ کتاب اپنے رنگت بر حسن و جمال کے علاوہ کیا کیا خواص رکھتا ہے۔ کتنے املا اس میں کام آتا ہے اور کس کس طرح بہترین ادویات کا جز بن کر صحت و راحت انسانی کا سبب ہوتا ہے کسی شے سے جتنے

۱۔ غایت۔ ۲۔ انتہا فرض و مطلب (۲) آخر انجام ۳۔ متصف۔ ۴۔ عفت کیا ہوا (۲) تعریف کیا گیا موصوف جس کے ساتھ کوئی وصف لگا ہو۔
 ۵۔ دستور العمل۔ ۶۔ قاعدہ (۲) قانون جس کے مطابق چلنا چاہیے (۳) ہدایت نامہ (۴) کام کا طریقہ ۷۔ مخالف (مخبر کی طرح) کتابیں
 (۲) لکھ ہوئے صفات، اوراق ۵۔ عبادیات (عبادت۔ عباد کی طرح) بے جان چیزیں جن میں حس و حرکت اور نشوونما کی قوت نہیں، جیسے
 وحالت پتھر مٹی وغیرہ ۶۔ حیوانات (حیوان کی طرح) زندہ جان دار (۲) زندہ ہونا

چنان تان با یک نمی بکنند (۱) (بال کی کمال کثیرا ۹) (در وقت ۱۰) (است جبرانی دانات ۱۱) (چونانی خونی و مکی ۱۲) (پاکی انجری ۱۳) (چست هفت ۱۴) (کجا ۱۵)

میں ہلکا کی رائیں رستی کی طرف گئی ہیں وہ شیش بنوہ کے نور ہی کا جلوہ ہے۔ عینوں کے منہ کی شکل ہوئی نہیں
جہاں ملک تک پہنچیں تو اس کی مقادرت کی طاقت اپنے میں دیکھا کریں باتوں کو اپنے الفاظ کے
قالب میں نہ حال کیا۔ چند عربیہ اور مصطلح الفاظ کی تفاوت سے اسے پہنچ باکر انیا لکھ کر لوگوں کے سامنے
لے آئے۔ اب جو کوئی اس کو پڑھتا ہو ان کے کمال عقل و فکر سا ہوئے گا قائل ہو کر ان کے قول کی عظمت
کرنے لگتا ہے۔ اس طرح ان کی وہ تمام باتیں جو ان کی اختراعیات ہوتی ہیں اور ان کے مغلظات و قیاسات
کا صرف ایک انبار ہوتے ہیں وہ سب کو سمجھ جائے لگتا ہے۔ یہ پہلا منظر ہے جو جاسیان علوم عقلیہ کو
پیش آتا ہے۔ اور جب تک اس عقلی کا زوال نہیں ہوتا اور ان کے قدم اپنے دائرہ وحدہ کے اندر نہیں آتے
اس وقت تک ہمیشہ شکر کریں کہ اس ہی عقل پر جو تو پھر صحبت تیبہ کی امید ہے
حبشہ سے شیشہ دل چون ہند محاسن کج ہا تا شریانی رود و دیوار کج۔ ۱۱

دوستو! اس مسئلہ کا بیان دراصل واضح ہونا چاہیے تاکہ اگر کوئی مسلمان کی اولاد اس عقلی میں مبتلا
ہو تو اسے تبدیل ہو جائے۔ دیکھئے جب ہم ایک ہندو شخص کے پاس بیٹھے ہیں اور یہاں دنیا کے مسائل میں
ایک خوشگامینا اور پیچہ انکھال میں اس کے ذہن کی چوڑت دیکھتے ہیں اور یہ تیراچ صحت کیساتھ یقین
دلانے والے ہوتے ہیں تو پہلا راول اس کی عظمت و کمال کے سامنے جھک جاتا ہے اور اس کے سچے عقل
و فکر سا کا قائل ہونا پڑتا ہے۔ اب وہ اپنے حدود و معلومات و تجربے سے قدم باہر نکالتا ہے اور نہ کے میدان
میں آتا ہے۔ یہاں اگر اپنی بیباکی سے کچھ کہتا ہے تو ہماری عقیدت سابقہ اس سحر پر نہیں چھوڑ سکتی ہے کہ اس
کا ہر ک تحقیق سے انکار دیکھا جائے۔ جس کی عقل ایسی دُر دین ہو گیا اس کی نظر سے ایسی جلی باتیں مضمی نہ
سکتی ہیں وہ نہیں کہہ سکتے۔ بس یہی فیصلہ تمام افلاطون کا منگ بننا دہو جاتا ہے۔ حالانکہ تھوڑے غور و فکر سے
کام لیا جائے تو یہ مسئلہ نہایت ہی آسانی سے صحیح اصول پر فیصل ہو سکتا ہے یعنی ایک شخص جو یہودی منی کا بیٹا
والا ہے وہ امراض کی تشخیص اور معالجہ کی تجویز میں جب کہ باطل عاجز ہو اور اس کی عقل نہ تو ایک مجموع
کی تپ کی نوعیت یقین کر سکتی ہے اور نہ اس کا علاج تجویز کر سکتی ہے تو پھر اس کی کیا وجہ ہے کہ نہ سب کو
باب میں اس کی رائے ویسی ہی وضع بھی جائے جیسی کہ علم ریاضی میں۔ نیز اگر کوئی بہت شرار یا مضمی نہ
اعلیٰ درجہ کا طبیب باوق بھی ہو تو کیا تشخیص امراض و تجویز علاج کے وقت اس سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ آپ
اپنی تشخیص و تجویز پر ایسی طرح قطعی دلائل قائم کریں جیسا کہ آپ علم ہند کے متعلق کیا کرتے ہیں۔

۱۔ مکادوت کسی کے مقابلے کو مادہ ہونا یا کسی سے برتری کرنا (۲) مقابلہ مع مصطلح اصطلاح کیا ہوا اصطلاح بخاورد مع تفاوت۔
وزن ۱۰۔ لوجہ، مالی، ہمداری جن مع اختراعیات (۱) اختراع کی جمع (۲) غل (۳) گمان (۴) کیا کیا (۵) کیا ہوا (۶) مشکوک، مشتبہ عقل ۱۔ "جب کوئی معادہ پہلی نصف
(۳) سے جزو ۱۱۔ مظلونات (مظنون کی جمع) غل (گمان) کیا کیا (۲) کیا ہوا (۳) مشکوک، مشتبہ عقل ۱۔ "جب کوئی معادہ پہلی نصف
نیم ہی رکھتے ہو تو بار بار اس تک جاتے پھر بھی نیم ہی رہے گی۔" ۱۱۔ ہندس اصطلاح ہندو سامع ہندو کا عالم اقلیدس کا ماہر (۲) انجیتر

الفرض یہ امر اچھا ثابت ہو کہ ہر وجہ کا ثبوت ایک ہی رویت پر نہیں ہو سکتا جو نیز ایک فرقہ کی
مہارت سے دوسرے فرقہ کا حکم لازم نہیں آتا ہے۔

پوریایان گرجیہ یافتہ دست

نہ بڑش بہ کار گاہ حیدر ۵۲

فتیٰ غوث کی ایک حکایت

فیثا غورث کی ایک حکایت

ایک واقعہ بطور مثال گزارش ہو۔ فیثا غورث جو ایک بڑا حکیم و دوسرے قدیم میں تسلیم کیا گیا ہے اور دوسری تحقیقات پر ان کو یورپ کی انتہائے فکر نے قرار پکا ہے اور بعضی یہ کہ زمین و آسمان کے گرد گھومتی ہے اس مسئلہ کی اہمیت اس کے ذہن کی حدت کی کافی شہادت ہے۔ لیکن جب میں ان کو اپنی فاش فطرت پر کہتا ہوں کہ تمام فلسفہ ہدایاں دوسرا کا دوسرا جہاں ہے۔ یہ حکیم سنا سنح کا ہی قائل تھا۔ ایک تہذیبی شخص ایک کے بار بار ملتا تھا اور کہتا تھا جیسا کہ تھا۔ فیثا غورث وہاں سے گذرے۔ اس نے اس شخص سے کہا کہ اس شخص پر میری وجہ سے رحم کرو اس میں میرے ایک دوست کی روح نے جسم لی ہے اور میں اسے پہچانتا ہوں۔ قابل غور یہ کہ اولاً سنا سنح کا قائل ہونا۔ پھر ایک شخص میں اپنے دوست کی روح کا محسوس ہونا یعنی طور پر تسلیم کرنا اور اس کے ساتھ پہچانا اور اس بنا پر رحم کا خواہاں ہونا، یہ سچون جیسی باتیں نہیں ہیں؟ یا سزا بردست حکیم اور اس طرح کی باتیں۔ اس سے عقل انسانی کی پروا معلوم ہو جاتی ہے۔

لمحات کلام ربانی

یہ مضامین جڑتے نمونہ از خردارے بیان کیے گئے ان سے مقصد ہے
مدرسہ کا کلام ربانی کے لغات کج محی خلف جدید کے سامنے دیے ہوئے ہیں
یہ جڑوہوہیں پہلے تابان و ضیاء افکن تھے

نور افشاں ہیں جیسے کہ ایک چودہ سو برس پہلے تابان و ضیاء افکن تھے۔

گزشتہ سید پروردگار

خمس آفتاب و اچھ گناہ

بلکہ صحیح فطرت والی کا نتیجہ وحید الہیت کا اعتراف ہی۔ اور قرآن مجید کے ساتھ قرآنی فطرت کے
 نہ کہ دھرم داری کا انکار اور فہم و تلاوت کلام اللہ سے کیوں و نیز اری۔

اب بعد تجھے لے کر دوائل توحید والہ میرے کے ایک نظر اس آیت کے لفظ **هُوَ الَّذِي** پر ڈالے ہوئے ہے۔
نقلوں میں تمام ہر اہل دوائل کو اپنے آپ میں سمیٹے ہوئے ہے۔

۳) حضرت عائشہؓ سے پہلے بولنا ہے: "میرا بچنے والا بھی اگر چنے والا ہے، لیکن اس شخص سے کفار خانے میں تو نہیں لے جایا جاتا۔"

۴) حدیث: تیزی، تندگی (۲) طبیعت کی تیزی (۳) جوشِ زور سے تنازع۔ آواگون۔ ایک صحت سے دوسری صحت میں جانا، ہندوؤں کے عقیدے کے مطابق روح کا ایک قالب سے نکل کر دوسرے قالب میں آنا (۲) روح کا قالب پرانا (۳) پرانا زمانہ کا نوبتِ غیبت میں گزشتہ

ایک ایک چیز کا عالم جو بتایا ہو اور اپنی ترقی کی رفتار سے لیکر تا محدود عبادی رکھتا ہو جس انسان نے اپنے خلق کے اس اندر کو سمجھا دی تو حقیقتاً انسان ہر ماورئ اس کا وجود و صورت انسان اور حقیقتاً حیوان سے بدتر ہو کر اس مسئلہ کافی بیان تقریر کرانے کے کسی حصہ میں آئیگا۔ اس وقت مجھے صرف مسئلہ تعلیم کی طرف آپ کو متوجہ کرنا ہی تاکہ صرف ضرورت رسالت آپ ہی طرح سمجھیں آجائے۔

احتیاج تعلیم

انسان میں پانچ حواس ظاہری (الہب باہرہ) سناہدہ، ذہنیہ، شائستہ، اور پانچ حواس باطنی (دس شترک)۔ دہم، خیال، حافظہ، متخلفہ، ودیعت کے لئے ہیں اور یہ حواس ششہ کرم و دیش سب میں پائے جاتے ہیں ہر حواس کا کام علیحدہ ہو اور ہر ایک کا ان میں سے اور اک جدا گانہ۔ ایک حواس اگر ضائع ہو جائے تو دوسرا اس کا کام سنبھال کر لے گا اور انجام نہیں دے سکتا سب سے پہلے انسان میں من لاس پیدا ہوتی ہے۔ جب یہ حواس کام کرنا شروع کر دیتا ہے تو انسان کو اس عالم کا علم ہونا شروع ہو جاتا جس کا تعلق من لاس سے ہے۔ اس کے بعد من باصرہ پیدا ہوتی ہے اور اب ایک دوسرے عالم کا علم جو پہلے سے بہت زائد وسیع و دلچسپ ہو اس کے معلومات میں اضافہ کرتا ہے۔ پھر من سامعہ میں پیدا ہو کر نعمات، اصوات کا عالم سے بناتی ہے۔ اس کے بعد من ذہنیہ اس کے بعد من شامہ، الغرض پانچ حواس آہستہ آہستہ یکے بعد دیگر انسان میں پیدا ہو کر اسے پانچ عالموں کا عالم بنا دیتی ہیں۔ اب جب کہ وہ تقریباً سات برس کا ہوتا ہے تو اس میں ایک دوسرا اضافہ پیدا ہوتا ہے جسے تیز کرتے ہیں۔ اور اب لغت تیز سے وہ ان اشیاء کا علم حاصل کرتا ہے جس کے بتلانے سے حواس بالکل عاجز رہتے اس کے بعد ایک اور نیا عائنات میں پیدا ہو کر اسے ایک اور ہی عالم میں پہنچاتا ہے اور اس کا نام عقل ہے۔

اسی تمام مدت میں اگر انسان کو کوئی تحقیق و لائق معلوم مل جائے اور معلوم مفیدہ کا اسے افادہ پہنچے تو وہ ان نعمات سے الیہ کو درجو حواس و تیز و عقل کی صورت میں اسے عطا کی گئی ہیں، ان کو یہ کام میں لانا ہے کہ خلق انسان کی بعض مقاصد ایک حد تک پورے ہو جاتے ہیں۔ اور اگر کوئی اہستہ سادہ ملا اور ان کی تعلیم صحیح اصول پر نہ ہو تو تمام نعمتیں برباد ہو جاتی ہیں۔ اور ایک حیوانی زندگی اس کی رد جاتی ہے ایک یہی بات ہے۔ اور شاہد اس پر شاہد عادل کہ انسان اپنے تمام لوازمات زندگی و معاشرت میں کسی معلوم کا متعلق ہو اور یہ کہ اچھی معاشرت و تمدن زندگی تعلیم ہی کا نتیجہ ہے۔ جنہیں تعلیم نصیب نہیں ہوتی، ان کی شکل چاروں اور جنگلوں میں جا کر گھسی چاٹنے، نہ مکان ہی نہ لباس، نہ کھانے کا طریقہ نہ ذوق حاصل کر سکتے ہیں۔

انہیں معلوم ہیں غرض کہ جقدرہنسان میں اثر تعلیم و تعلم کا وسیع ہوگا اسی قدر وہ اپنے تمام حواس نے اندر
خفا کام لے سکیگا۔ لیکن انسان کی ترقی اسی جگہ تک نہیں ہو جاتی جہاں تک ایک بڑا حصہ اس کی زندگی کا تمام وقت
اور اس حصہ کے کھلنے کے لیے نہ وہ اس مشورہ کام میں ہے۔ نہ قوت تیز فائدہ پہنچاتی اور نہ عقل ہی پوری
پرہیزی کرتی جو مولانا دوم ان جذبات کو سیدار کرنے کے لیے اس طرح اشارہ فرماتے ہیں۔ ۵۔

بیچہ جسے بہت جڑیں بیچ جس + آں چوڑے ریشہ و ایں صہا چوڑ
بہت دل چول شود صانی ہو پاک + نقشبانی بروں از آب و خاک لے

یہ حصہ زندگی انسان کا وہ عظیم الشان حصہ ہے کہ بدوں اس کے تمام تعلیم
حادثہ رسالت و نبوت | و تعلم اور ترقی زندگی کا ترقی پذیر بننا ناممکن ہوگا۔ اس حصہ کا تھمنا اس
طرح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ انسان میں کوئی ایک کو منتخب فرماتا ہے اور اسے ایک ایسا حالت عطا فرماتا ہے جس کے
ساتھ تمام حواس سابقہ دست طلب پیدا ہوئے عبادت کے خواستگار بنی۔ وہ عبادت ان کے انعامات کو
پہچانتا ہے غلام کاریوں کو جانتا ہے ان کے موقع و نایاب سے آگاہ ہوتا ہے جہاں گیس یہ مقابلہ میں پڑ جاتے
میں یا تھک کر رہ جاتے ہیں تو وہ شخص (جسے نبی اللہ وہ عاصی عطا ہوا ہے) انہیں مخالفت سے آگاہ کرتا ہے
اور ان کے بارے میں ایک ستون میں ایک شمع رکھتا ہے۔ مینار کو ان پر آسان اور مطلوب کو ان سے قریب کر دیتا ہے
اس حاسہ کا نام نبوت رسالت ہے۔ اور اس شخص کو نبی یا رسول کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ جب اس کو نبوت عطا کرتا
عطا فرماتا ہے تو پھر وہ ان چیزوں کو دیکھتا ہے جس کو ہماری نگاہیں کسی طرح نہیں دیکھ سکتی ہیں۔ وہ ہمیں نشا
ہو جن کو سننے سے ہماری کان عاجز ہیں۔ وہ مضامین سمجھتا ہے جس کے عقل سے ہماری عقل بے بہرہ و فایز
وہ اعلیٰ علوم اپنی نسبت فوقانی کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے ملتا ہے۔ اور خلق کو پھر وہ باتیں بتاتا ہے اور ایسی اہ
صلو و مستقیم کی دکھاتا ہے کہ جس بات کے سمجھنے سے ، اور جس راہ کے پانے سے انسان بد دن اس کی رہنمائی اور
پرہیزی کے مجبور و مداندہ ہے۔ ان دونوں سے اگر انسان اپنی ان غنی قوتوں کو جس کی طرف مولانا دوم نے
اشارہ فرمایا ہے اور جسے حریف لطائف کہتے ہیں تیز بنا لے کر تو پھر وہی عوام کی سطح سے اسی قدر بلند ہو جاتا
جس قدر بصیرت و بینا سے انہیں ہے۔ اس کا انکار و مجہول و متعجب کے کوئی کر نہیں سکتا۔ لہذا اب ہم دوسرے
پہلو سے اس بحث کو صاف کرتے ہیں۔

ایک کمال متور الہی کا معیار | انسان کی طبیعت تمدن کی مقتضی ہے۔ اور چونکہ تمدن انسان کی طبیعت کے

(۳) درکن ۵۔ مکرر اشارت مل کے کہنے کا طریقہ (۲) شریعت و امامت و گمراہی و سہا چوڑا کر (۳) شریعت کا انکار کرنا۔

۱۔ "ان حواس کے علاوہ پانچ حواس اور ہیں وہ سونے کی طرح سنہری اور یہ چاندی کی طرح۔ دل کا آئینہ جب صاف اور پاک ہو جاتا ہے تو
اس میں آب و خاک سے پرے (ورائے آب و خاک) کے نقوش نظر آتے ہیں۔" ح۔ زلات (زلزلہ کی جمع) لغزشیں (۲) غلطیاں،
غلطائیں (۳) چھلنا یا کھڑا ہونا ح۔ مقابلہ (جمع مخالفت) دعا فریب، دھوکا، جھانسا دوم مگر (۴) کسی کو غلطی میں ڈالنا، آپس میں غلطی تک جانا

اس لیے ہر وہ اصول جس کا تعلق تمدن سے ہو اور جو اس کو وہ علوم جو تمدن کو بارونق بنانے والے ہیں ان کے
 بطریق ان کی طرف راغب بنائے ہو جائیں اور اسی تمدن کے اقتضائے طبعی ہونے سے علم انسان کے لیے
 ضروری ہو گیا۔ اب یہاں پر یہ بات قابلِ ملاحظہ کہ تمدن زندگی ایک بڑی دست و کمال دستور العمل چاہتی
 ہو تاکہ معاملات ہمیشہ میں ایک دوسرے کے حقوق کی محافظت رہے۔ ایک کی صفت و حرقت و کمال سے
 دوسرا بغیر اس کے کہ جانیں میں سے کسی پر زیادتی ہو یا پس میں متع ہوتے رہیں۔ انسانی فطرتی کمزوری یہ ہے
 کہ وہ اپنے جذبات کو اقتدار پر قائم نہیں رکھ سکتا۔ اور حق تو یہ ہے کہ جذبات پر قوت حاصل کرنا انہیں
 افراط و تفریط سے بچائے رکھنا نہایت ہی دشوار ہے۔ انسان کا اس حال میں جب کہ نفس کا سمع حسیہ ہوتا ہے
 عدل و انصاف پر قائم رہنا بہت ہی اہم و مشکل امر ہے۔ خاص کر ایسی حالت میں جب کہ اسے یہ معلوم ہو
 کہ مواخذہ کی نگاہ سے دیکھ نہیں رہی ہو۔ پس اب جو دستور العمل کو حیلہ بنائی گئی ہے اسے یہ مقرر کیا جائے
 اُن میں حسبِ قیل باتوں کا پایا جانا ضروری ہو۔ (اولاً) اُس کے دستور اور قواعد ایسے ہو جو ہر طبقات انسان کے
 طبائع کے مطابق ہوں تاکہ ہر زمانے میں ہر مقام میں ہر احوال میں وہ دستور العمل کیسے فائز
 پہنچائے (ثانیاً) وہ قواعد ایسے ہوں کہ جن پر عمل کرنا ممکن ہو اور اُس پر عمل کا لازمی نتیجہ فلاح و بہبود ہو
 (ثالثاً) یہ کہ اُس دستور العمل کو واضح وہ ذات ہو جس کی نسبت تمام آدمیوں سے یکساں ہوتا ہے تاکہ اُس میں
 کسی جماعت کی رعایت کی قربت یا بعوض یا ہم قوم ہونے کے سبب سے نہ کی گئی ہو۔ (رابعاً) یہ کہ واضح
 قانون کا علم اس قدر وسیع ہو کہ اسے عمل کرنے والوں کے حال سے ہرگز خبر نہ رہتی ہو۔ (خامساً) یہ کہ اس
 دائرہ حکومت اس قدر وسیع ہو کہ جس سے عمل کرنا جاں بحال ہو (سادساً) اُس میں مزاج و ان کی قدرت
 قائم ہو (سابعاً) سہولتیں ان کو قصہ ارادہ سے جدا نہ کر سکتا ہو (ثامناً) اطاعت عدم اطاعت کا اثر
 اُس کی ذات یا اُس کی مصلحت پر نہ پڑتا ہو (تاسعاً) کوئی دوسرا اُس کا کسی امر جزئی میں بھی شریک نہ ہو۔
 اصل حیات انسانی کے لیے کامل دستور العمل تو وہی ہو سکتا ہے جن کا بنانے والا ان کمالات سے متصف
 ہو۔ اور خود وہ دستور العمل اپنی ذات سے اس طرح جامع و شمول عمل ہو۔ اب تم خود غور کرو کہ اس دستور العمل
 بنانے کا امکان کب تک نہیں ہو سکتا؟ کوئی مصلحت سرِ اعلیٰ نہ یہاں تک کہ افعال و تقویٰ پر مجبور علم کسی کے محیط
 ہو گیا کوئی طاقت عالم مبدعہ عالم برحق عالم معاد و ملک سوائے قدرت خداوندی کے چھائی ہوئی ہو کیا دنیا
 میں کوئی قوت ایسی ہو جس کا مقابلہ حال ہو۔ پس اسی لیے اس قبل مجاہد نے جس نے انسان کو پیدا کیا

۱۔ مبدعہ - شروع کرنے والے کی جگہ ظاہر ہونے کی جگہ (۲) شروع آواز (۳) بنیاد اصل (۴) آواز کرنے والا مبدعہ کرنے والا۔

۲۔ عالم برزخ - موت اور قیامت کے درمیان عرصہ کے لیے روحوں کے رہنے کا مقام - معاد - موت گرجانے کی جگہ۔ اور اس جگہ کا مقام
 جائے بازگشت (۲) (عجازاً) قبلی، آخرت، حشر، قیامت، عاقبت

اُس میں جذباتِ عداوت کے اس کی طبیعت میں تمدن کا اقتضا خلق فرمایا۔ اُسی نے اُن کے لیے ایک کُلِ حلال اپنے رسول کی معرفت بھیجا جس کو اصطلاحِ شریعت میں وحی کا باب اللہ کہتے ہیں۔ اس کتاب مقدس میں صلیبِ معاش و فطرحِ معاد کے اصول بتائے نیز ادا و امر پر عمل کرنا والوں کو ترقی و فضل اور نواہی پر جہالت کی سزا کو اپنے عقاب کی تہذیبِ عجمی بنا دی۔ اس سے بھی آگاہ فرمادیا کہ سرکشوں کو جو چند روز تک مہلت دینا چاہیے۔ دیکھا کہ خدا کو فراموش کیا جاتا ہے۔ وہ عذابِ آسمی کا پیش خیمہ دیا ہے۔ چہ حکمتاً تَسْمُو لَکُمْ ذُرِّيَّةٌ مِّنْهُنَّ عَلَىٰ تَحِيَّاتِ الْاَبْوَابِ كُلِّ مَن يَخِرْ وَخَلَا اَوْ تَوَلَّىٰ اَوْ تَوَلَّىٰ وَخَلَا فَاُولَٰئِكَ يَرْجُو اَصْحٰبُ السَّعِيْرِ عَذَابٌ اَلِيمٌ۔ یہاں تک کہ جب وہ ان کو سیاہیوں پر خوش کرنے لگے ہیں تو نگاہیں ہم پر اٹھیں اُنھیں پکڑ لیتے ہیں کہ بے اس ہو کر رہ جاتے ہیں۔

جن قوموں نے نافرمانی اپنا تہذیبِ افتخار بنا رکھا تھا۔ اُن کے عبرت ناک و اذیت بیان کر کے اچھی طرح ظاہر فرمادیا کہ کُنْ حَسْبُكَ الْاِلٰهَ سُبْحٰنَہٗ۔ علامہ ابنِ خلدون نے انی قرآنی قصص سے فلسفہ تاریخ کی بنیاد ڈالی۔ اللہ تعالیٰ جب کبھی کسی دہم گزشتہ بیان کرتا ہے تو اُس کے کسی خاص نتیجہ کی طرف ہم دلائی مقصود ہوتی ہے یعنی سنو احوالِ اہلکوں کا سبق لو اور کرو عیبت۔

خلاصہ یہ کہ ہمیں اس کی حاجت تھی کہ اللہ تعالیٰ ایک کُلِ دستورِ اہل ہمارے پاس بھیجے تاکہ اُسے ہم اپنا دلیلِ راہ ہدایت بنائیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے محنت اپنے فضل و کرم سے اپنا کلام اپنے حبیب کی معرفت ہم تک بھیجا۔ اور اُس کلامِ ربانی کا نازل ہونا تھا کہ دنیا میں اہلِ جہل بے گئی۔ اور ایک انقلابِ عظیم عالم میں پیدا ہوا۔ اب جو دنیا بن سنو کر نکری تو یہ وہ دنیا ہی نہ تھی۔ مگر افسوس ہو دنیا پر کہ اُس کا چہرہ میرا خدا و مجوں سے ہند رہتا تھا جاتا ہے۔ اُس دستورِ اہل سے معاشی میں بہت کچھ دور ہٹا کر لے گئے ہیں۔

سننے دے دے ڈالنے تو الٰہی قیامت ہے کہ دامنِ خیال یا دھچکا جاتا ہے چہ محبتِ حضراتِ اہلِ نکتہ اچھی طرح سمجھ لیجئے۔ اور خوب یاد رکھئے کہ پوری تمدنِ زندگی اور صحیح و سچی حیاتِ انسانی بھی حاصل ہوئی جب کہ بارگاہِ نبوتِ تعلیم حاصل کی جائے۔ اور اُس قدر علم کا حصہ

عقاب دینا و دکھ تکلیف ۲ تہذیب ۳ حیرت سرکش گہری کہ درانا خوف دانا و وحشی (۲) دھکا ۴ جمع تصحاح (فتح کی جگہ) فائدہ اٹھانا یا حاصل کرنا (۲) استعمال کرنا (۳) پھل پانا (۴) قطع، فائدہ، ہجرہ (۵) لذت، فرحت، خوشی ۶ خطہ ۷ حصہ ۸ جزو ۹ ہجرہ ۱۰ قسمت، نصیب (۲) خوشی و خری، انجاسا (۳) ذائقہ، لذت ۵ الانعام ۴۴

۱ عقاب ۲ عذاب دینا و دکھ تکلیف ۳ تہذیب ۴ حیرت سرکش گہری کہ درانا خوف دانا و وحشی (۲) دھکا ۵ جمع تصحاح (فتح کی جگہ) فائدہ اٹھانا یا حاصل کرنا (۲) استعمال کرنا (۳) پھل پانا (۴) قطع، فائدہ، ہجرہ (۵) لذت، فرحت، خوشی ۶ خطہ ۷ حصہ ۸ جزو ۹ ہجرہ ۱۰ قسمت، نصیب (۲) خوشی و خری، انجاسا (۳) ذائقہ، لذت ۵ الانعام ۴۴

۱۱ آپ اللہ کے دستور کے لیے ہرگز کوئی تبدیلی نہ پائیں گے۔ (الفتح: ۲۳، الاحزاب: ۲۲ و فاطر: ۴۳)

جس کی تعلیم مختص انبیاء علیہم السلام کے ساتھ ہی اور بس تعلیم کے لیے اُن کی بعثت ہوتی ہے۔ اگر نہ حاصل کی جائے تو اگرچہ دیگر علوم و فنون سے آپ الٰہی کیوں نہ جاگیں مگر حقیقت میں آپ فلسفہ ہی رہ گئے۔ گونا گوں آپ کی حیات انسانی معلوم ہوگی مگر حقیقت میں یہ اس کا ذخیرہ تھا۔ غالباً حیاں ہوگا جو واقعہ میں بیکار و لا سود و محض یہ جس طرح جسم بلا روح مردہ ہے اسی طرح تمام علوم بغیر تعلیم رسالت مردہ ہیں۔ ہمارے تمام علوم مردہ ہیں۔ کبے کا بیج نکل گیا ہے۔ اس لیے اُن میں خفاؤں کا نہ صرف احتمال بلکہ وقوع ہو اگر تا ہی ہے۔ ہمارے علوم میں یہ قوت کہاں کہ جس سے روح کا آغز ہو۔ برخلاف اس کے پیغمبر کے علوم وحی الٰہی چلے ہیں۔ عصمت اُس کی ذاتی صفت ہوتی ہے۔ اُس کے علم میں نفس کشائے نیک نہیں ہوتا۔ اُس کا علم غلط سے پاک و نقص سے متبرک ہوتا ہے۔ اسی لیے وہ ساری رشد و ہدایت ہوتا ہے۔ اسی امر کی طرف اس آیت کریمہ میں اشارہ ہے۔ **وَهُوَ الَّذِي أَنزَلَ إِلَيْنَا الْكِتَابَ وَالْحَقُّ بِرُبِّهِ لَظَافِرٌ عَلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا**۔ **أَلَمْ يَكُنِ بِاللَّهِ شَهِيدًا**۔ بعد اس کے کہ اس قدر بحث آپ رسالت کے متعلق کر چکے اس بات کی طرف اُتر آجہ فرمائیے کہ وہ کونسی رہنمائی و ہدایت تھی جسے لیکر ہمارے پیغمبر وہی فداہ انشرف لائے۔ تاکہ **يُظَاهِرُوا عَلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا**۔ اچھی طرح آپ سمجھ جائیں۔ اس کے لیے مختصر جملوں میں پہلے عرب کی حالت، ایام جاہلیت کی سنا جائیے۔ اُس وقت اس ہدایت کے غلبہ و غفلت کا حال معلوم ہوگا۔

بہشت کے وقت عربوں کی حالت علمی یہ تھی کہ کل حقیقتات آدمی کو مکتب میں
ایسے تھے جو ائمہ و مفسرین نے منہاجات تھے جس سے کاروبار تجارت ان کا مقصد
ہو گیا۔ اس لیے کہ نوشت و خواندن کے خیال میں شیوہ آراؤں تھانہیں
نہ خیریت ہو نہ شہادت۔ تمدن و معاشرت کی بنیاد یہ حالت تھی کہ عربوں کے خیال میں ان کے مکانات
تھے۔ بکریوں اور اونٹوں کے چلنے کی عیشت۔ جہاں سبزہ اور پانی دیکھا وہیں خیر۔ نصب کیا گیا کیم
میں میاں ہیں تو دوسرے موسم میں وہاں۔ سلطنت کی ان میں یہ حالت تھی کہ کوئی ان کا باطنی و شہ
تھا اور ان پر حکومت کرنے کے لیے کوئی قانون۔ قبائل کے شیوخ سردار ہوتے۔ کسی کسی کی اگر جمعیت
زیادہ ہو گئی اور دل خوش کن لقب سلطان کا اُس نے قوم سے حاصل کر لیا تو چند وزیریں کسی معمولی بات
پر کوئی قبیلہ اُس سے انجھل اُس کا اور اُس کے خاندان کا اور اُس کے ساتھ ہی ساتھ اُس لقب خلیفہ کا
خاتمہ کر دیا۔ تھانہ شہسار جاہلیت ان تمام باتوں کا کافی ثبوت ملتا ہے۔ اب ایسے حال میں جبکہ قوم میں

۱۔ مفلس محتاج غریب نادار جس کے پاس کچھ نہ ہو۔ مفلوک، بے روح و حاشیٰ۔ خاکہ، قالب، اول، بے پئے پانگ، بے چارہ پائی، کرسی وغیرہ کا چوکنا سطح دونہ جمع کیا ہوا کیا گیا ترتیب دیا گیا مع تفضیل و غذا، خوراک دینا، پالنا (۲) غذا، خوش

۲۔ "القدوسی جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سپردین و اطاعت کر کے بھیجا تو اسے سب دینوں پر غالب کر دے اور اللہ کا فی گواہ ہے۔" (النح: ۲۸)

۳۔ اراذل (ارذل کی جمع) بڑے ذلیل، کچے لوگ، ٹالانی، بچ، کم ذات، اونچے

دولہ ہوتا ہوا اور دستوں کو بھی جوشیں لاسکتے ہیں۔ لیکن خدا کا خوف دل میں پیدا کرنا اور اس کو حاضر و ناظر جانکر اپنے معاملات و اخلاق کو درست کرنا نہایت ہی مشکل ہے بلکہ نایاب ہے۔ پس رسول نے اصلی مرض کی تشخیص کی اور اس سے صحت یاب ہونے کے لیے ایک قطع توحید کا تیار کیا۔ قوم کو کڑی قیغ دوادیکھ کر بہت کچھ مٹا لیکن خود موٹا ہوا چھپاؤں پہننے لگے لیکن پیغمبر نے اللہ شانہ، اللہ کافی کلمہ پالہ تیس کے قوم کے لنگھای دیا۔ اب کیا تھا

مسرت می پیدا اگر دو نیم شبت ملا

مسرت ساتی روز محشر با دعا

دوا کا حلق سے اترتا تھا کہ صحت کے آثار نمودار ہوئے بہترین سے رحمت کے دروازے کھل پڑے۔

علوم و فنون کی باگ بھی مسلمانوں کے ہاتھ میں آگئی اور سر پر سلطنت پر بھی قبضہ ہو گیا۔

فتوحات اسلامیہ اور علوم و فنون عیسائی اس وقت تک اُن پاکبازوں کے کمالات و مجاہدات کا نہایت بلند آئینہ سے انظار کر رہی ہیں۔ وہ دنیا سے چل بسے لیکن اُن کی جہادیاں اُن سے آئندہ آسمانی نسلوں کے لیے ہمیشہ شکر و ادراک کی پہچنی سے

ہرگز نہیں روانہ کہوش زندہ شد بشرق

ثبت است برجیں عالم دوام

اسلاف اور اخلاق
تم دیکھو گے کہ جب تک مسلمانوں نے اطاعت الہی کو اپنا شعار رکھا اور سرورِ عالم خدا کے پیچھے ہوئے دستورِ اہل کو اپنا نصب العین بنائے رکھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا نمونہ اُن کے پیش نظر رکھا اور اُس وقت تک اُن کی ترقی برقی رفتار رہی آج جس چیز کی بازارسلمین میں کساد و زاری ہو تو قرونِ اولیٰ میں اُس کی ایسی فراوانی تھی کہ اپنے تو خیر اپنے ہی تھے بچپنوں تک کے گھروں کی رونق انہی مسلمانوں کے عیالات کا نتیجہ تھا۔ دیکھئے آج یہ بددعا ہے کہ مسلمان تمام اقوام سے تعلیم میں پیچھے ہیں اور اس قدر موخر اور اس قدر پست ہیں کہ یہ بھی نہیں کہا جاسکتا کہ یہ اُس قوم کے جو ان کے دوش بکھڑا ہوا ہو کہ ہر ایک ہم سفر و ہم منزل ہو گئے چہ جائے کہ اُن اقوام کے پیلوں میں جگہ پانے کے قابل ہوں جو اس وقت سرِ غلبہ ہیں۔ اور ذرا یہ دیکھو کہ مسلمان جب کہ پورے مسلمان تھے تو کیا اسی طرح اُن علوم و دنیاوی سے بے نصیب تھے۔ اس کے لیے رائدِ مطلق

کسا ہوا زاری۔ بازار میں خرید و فروخت نہ ہونا بازارِ مدام ہونا بکری کا نہ ہونا۔ یعنی اہل السمر۔ جس سے اہم سے پہلے وہاں جس کی بکری تیار نہ ہو۔ ۹۔ دوش بدش۔ کندھے سے کندھا ملا کر (۱۰) اتفاق سے

۱۔ قدر۔ بدایا (۲) ساغر۔ چاند جام (۳) بادہ۔ چلی (چلانا) طبیعت کا تے پر اُن ہونا/ تے کرنے کو بھی چاہنا، ماش کرنا، ستانا، اُنکی آتا ۲۔ ”شراب کا مست“ اُنکی رات کو بے دروازہ ہونا ہے، سانی کا مست روز بخوشی صبح کو۔ ۳۔ سر۔ بادشاہی ملک اقتدار و حکمرانی (حافظ) ”جس کا دل شوق سے زندہ ہو وہ بھی اُنکی مرنا۔ کائنات کے چھپے پر ہماری بھی شبت ہے۔“ ۴۔ شعار۔ طریقہ دستور، عادت، طرز

۱۔ پالان۔ ہارکشا جانور کی کاٹھی یا ٹانگہ اور ہونڈ وغیرہ پر چڑھ کر سوار ہونے کے لئے کھڑے ہونے کا نام ہے۔
 ۲۔ لوازات (لوازم) یعنی کچھ چیزیں جو ضرورت ہوں۔
 ۳۔ لوازات (لوازم) یعنی کچھ چیزیں جو ضرورت ہوں۔
 ۴۔ لوازات (لوازم) یعنی کچھ چیزیں جو ضرورت ہوں۔
 ۵۔ لوازات (لوازم) یعنی کچھ چیزیں جو ضرورت ہوں۔

۶۔ لوازات (لوازم) یعنی کچھ چیزیں جو ضرورت ہوں۔
 ۷۔ لوازات (لوازم) یعنی کچھ چیزیں جو ضرورت ہوں۔
 ۸۔ لوازات (لوازم) یعنی کچھ چیزیں جو ضرورت ہوں۔
 ۹۔ لوازات (لوازم) یعنی کچھ چیزیں جو ضرورت ہوں۔
 ۱۰۔ لوازات (لوازم) یعنی کچھ چیزیں جو ضرورت ہوں۔

کی حاجت نہیں ایک سرسری نظر سے اس کی رشید پر ڈالو۔ خود ہی معلوم ہو جائیگا۔ حدود اسلامیہ کی ممانعت کے دو پہلوئیں ہیں۔ دعت کو خیال کر دو۔ تمہیں ہر مسجد کے ساتھ ایک درہم بیٹھا۔ ایسے ایسے مدارس اعلیٰ و غلیظہ نشان تم پاؤ گے جن میں ہر ایک اپنی ذات سے ایک نو سو روپی کا حکم رکھتا ہوگا۔ ابتدا کا جب یہ تمہیں سامنے نہ کر کے معلوم ہوگا۔ اس میں کتنے علوم ایجاد ہو چکے تھے اور کتنے فنون میں کس کس میں تصنیف ہو چکی تھیں۔ تاویروں کے حملے اور ابتدا کی تباہی کے بعد ہی اگر ان کی فہرست تیار کی جائے تو ایک اچھی خاصی کتاب کی شکل میں مرتب ہو سکتی ہے۔ اس میں علم کی گنجائش کے متعلق مسلمانوں نے نظیر (مرقع کینینا) تصنیف (بخار مجملہ) کے (اوزان) نسخہ (لکھنا) ترویج (چھانا) وغیرہ وغیرہ ایجاد کر لیا تھا۔ زمین کی پیمائش ہو چکی تھی۔ مناظر و مریا۔ جرنیل کے دو اذن، اذکار، پر محجب و نکش تحقیقات ہوتی تھیں غرض قطع نظر ان علوم کے جن کا تعلق براہ راست مذہب تھا یا جو مذہبی علوم کے خادم و معاون تھے۔ تم ان علوم میں جنہیں عقلیہ کہا جاتا ہے مسلمانوں کا ایسا بلند منصب پاؤ گے کہ اس وقت تمہیں حیرت ہوگی کہ کیا یہ وہی قوم ہے جو کسبوت تمام دنیا میں حب کی پشت دھاری اور نیک شاگردی کے قابل بھی نہ تھی۔ اس عہد کے عام مذاق کا اس سے اندازہ ہو تا ہے۔ کہ ہر شخص اپنے مکان کی تریت کتب خانہ کو اور اپنی مجلس کی رونق مذاکرہ علیہ کو بہت تھا۔ امر کی جماعت عوام ناؤ نوش و فحول و لایستی باتوں میں اوقات صرف کیا کرتی تھی۔ لیکن اس زمانہ میں علم کی ہمہ گیری سے وہ بھی نہ بچ سکے۔ علمی کتابوں کا ہونا دقیق مسائل پر مشتمل قائم کرنا اور خود بحث میں متعلق نہ ہونا لینا اور ذات لاریت سے تھا۔ مگر کچھوں میں سے بھی اگر کوئی گزر جاتا ہے تو کچھ نہ کچھ سیکھ لیتا ہے۔ یہی حال صفت و حرفت و تجارت کا تھا۔ ہر شخص اپنا کسب کرتا اور اپنی رونق اپنے دست و بازو سے حاصل کرتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ نصیحت کہ "الشیء الیٰ یخلف الذی لیس فیہ خوار" یہی حکم شخص کو یاد تھا۔ اور اس پر خلق اس شدت سے عمل تھی کہ اگر کسی کا کوڑا زمین پر گر جاتا تو سوار خود گھوڑے سے اتر کر اُسے اٹھاتا تھا۔ کسی دوسرے سے اٹھانے کو کہنا داخل سوال سمجھا جاتا تھا۔ مجھے اس پر ایک واقعہ عہدہ سالقا کا یاد آیا۔ ایک مفلس شخص دریا رسالت میں حاضر خود و نوش کے لیے سوال کرتا ہے۔ آپ اُس سے فرماتے ہیں کہ تیرے گھر میں کوئی سامان کیا جواب نہیں میں ہوتا ہوں۔ دوبارہ فرماتے ہیں کہ کچھ تو ہوگا۔ خود کہ غرض محبت فکر و غم کے بعد اُس نے سوچ کر عرض کیا کہ ہاں ایک فرسودہ پالان رکھا ہوا ہے اسے فرمایا کہ اسے لے آجیے اُس نے سامنے لا کر رکھا کر دیا تو آپ نے اصحاب سے فرمایا کہ تم میں کون ہے جو اس محتاج کے کہنے و فرسودہ پالان کو خریدے۔ ایک صحابی نے

۱۔ خلفاء عباسیہ کے ساتویں خلیفہ ہارون الرشید (۱۹۸ تا ۲۳۸ھ) علوم عقلی و نقلی میں تمام خلفاء عباسیہ سے زیادہ کثرت و شجاعت میں مشہور نام ہے۔ انھیں کافر سے بھی نہ گرایا۔ ۲۔ ۱۲۶۰ تا ۱۲۵۸ھ، مع مناظر (مظاہر) جمع) تماشا گاہوں (۲) دیکھنے کے لائق مقامات، عین، نظارے، مع مرایا (مراۃ کی جمع) خلاف قیاس، آئینے، ہنڈ دیکھنے کے شے، برتن

اصول ترقی اور آدم اپنے ترقی کے اصول قرآن کریم سے عبادت کریں بخود بنائے اسی راہ پر چلنے
 قرآن کریم کی کوشش کریں اگر اس سے کانچہ اس قدر ہی ہو کہ ہم اپنی موجودہ حالت سے اخطا
 نہ کریں اور روز افزوں ہستی سے نجات پائیں تو خلیہ اس وقت آگے بڑھنا ہی آسان ہو جائیگا اس وقت تو
 ہر لمحہ میں فنا کے میل میں بنائے لئے جا رہا ہے۔

مگرے ملتے ہیں اپنے آپ لڑائی کس قسم ہے
 بدل ملتے تو کچھ دیتے ملتے جاتے ہیں غم یہ ہے

قرآن کریم ہمیں یہ راز اس طرح بتا رہا ہے کہ اگر ہم اپنی اس نسبت کو جو ہیں اپنے خالق سے چھوٹی چاہتے اور اس
 تصرف کو جو ہمیں کائنات پر اللہ کی ہانڈ سے عطا ہوا ہے صحیح طور پر درست کریں تو پھر وہی ہم ہیں اور وہی قبائل
 اس کے لئے (اولاد) ہیں اپنی استعداد (ثانی) اپنا مائتہ تصرف معلوم ہونا چاہئے۔ ان میں سے ہر ایک کو قرآن کریم
 سے تسلی کا شایہ اللہ تعالیٰ کسی کو تو فیق عطا فرمائے۔

کلام اللہ میں خرم جمعہ نے ہماری استعداد سے اس طرح ہیں آگاہ فرمایا ہے کہ انسان ترقی ساخت
 سے بہت ہی پست بنائی ہے اب اگر تو اپنے آپ کو خدایہ کر لگا تو اس کا توفیق و مدد و اسے اور اگر میری بھولی راہ پر
 نکل کر میری تیرے اور کاسلسلہ غیر متناہی ہو گا۔ *لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ ثُمَّ رَدَدْنَاهُ أَسْفَلَ سَافِلِينَ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَلَهُمْ أَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُونٍ* اس سے یہ تو ملی
 طور پر معلوم ہو گیا کہ اگر ایمان و عمل صالح ہے تو پھر وہ کاسلسلہ غیر متناہی ہے اگر نہیں تو پھر خوبی و کمال کا توفیق نہ
 کیا اپنی اصل نسبت پر میں قیام نہ کھن ہے، *أَسْفَلَ سَافِلِينَ* ہی میں جا کر ٹھہریں گے۔ غرض ہم ہیں اسی قابلیت
 پر تعلق ہے کہ ہم اپنے آپ کو جیسا چاہیں ویسا بنا سکتے ہیں۔ استعداد انسان کے متعلق اسی قدر پر کفایت کی گئی۔

اب اس اور کائنات اس کے اپنے اس تصرف و تعلق کو دیکھئے کہ انسان کا کائنات کے ساتھ ہے۔ اس تصرف کے
 عالم کے علقہ قیام جاننے کے بعد ایک عجیب پرفضا کامیابی کا سلسلہ سامنے آ جاتا ہے ہم دیکھتے ہیں کہ عالم
 میں ہمارے سوا جس قدر مخلوق ہیں خواہ وہ بادیات یا حیوان چر یا خواہ کائنات کے کجے موجودات ہوں
 مثل سحاب و باران و غیرہ خواہ عالم علوی کی چیزیں ہوں مثل آفتاب و اجرام و ستارے و غیرہ سب کے
 سب ہماری خادم ہیں اور ہم خدا ہم۔ ہر ایک سے ہماری ضرورتیں پوری ہوتی ہیں اور ہر ایک سے ہم اپنا کام
 لیتے ہیں اور کام ہی اس طرح ہم ان سے لیتے ہیں کہ ان میں شہ یا کو کسی وقت اپنی خدمت کے عوض کا کوئی ٹکڑا
 ملے۔

۱۔ اخطا۔ کم ہو کر بھٹکا، گھٹا، بچے اتار دیا کسی چیز کا کسی کی طرف مائل ہونا، منزل۔ غیر متناہی۔ جس کی اجابت ہو، بے حد۔ ۲۔ آئین، ۳۔ ۷۵
 ۴۔ یعنی پھر بافرمانی کی وجہ سے انسان کو سب سے نیچے درج کی مخلوقات سے بھی نیچے کر دیا۔ ۵۔ عزیز الحق کو توحیدی، عطا۔ ۶۔ جوامع الہیان فی تفسیر
 القرآن جلد دوم، بطورہ بتارے) ۷۔ کائنات، الجو۔ آسمان اور زمین کے درمیانی فاصلہ، خلایک دنیا

خیال ہوتا چاروں ہم بالعرض ان کے کام کرنے کا ارادہ کرتے ہیں اور نہ کہ اس کے پیش گو یا کہ ہم سب راہ محمد ہی میں
 ہیں۔ صرف ان کا استعمال میں لانا ان سے فائدہ حاصل کرنا ہی ان کی خدمت ہے۔ قرآن شریف ہمارے اسی
 تعلق کو یوں بیان کرتا ہے: **إِنَّا جَعَلْنَا فِيهَا قُلُوبًا لِّحِفْظِهَا** پھر دوسری جگہ فرماتا ہے: **وَلَقَدْ كَرَّمْنَا**
بَنِي آدَمَ وَخَلَقْنَاهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَرِّ وَالْبَرِّ ان آیات سے کرامت و عظمت انسان کی مسلم ہو چکی ہے اب آگے بڑھتے
 ارشاد فرماتا ہے: **مَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذَلِكَ مِنْكُمْ** اللہ تعالیٰ نے تم کو انسان بنایا ہے اور تم کو زمین پر لایا ہے تاکہ تم
 کے حکم سے سارے پانچ دن رات سب تمہارے متحرک ہوں۔ پھر فرماتا ہے: **مَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذَلِكَ مِنْكُمْ** اللہ تعالیٰ نے تم کو
 دیا زمین پر رکھ دیا، تمہارے متحرک رہتے۔ ان دونوں آیات سے معلوم ہوا کہ عالم علوی تک کی پرورش و تربیت
 انسان کی تشریف بخورہ زمین جس پر انسان آباد ہے اور سب سے زیادہ گونا گونا گونے کے پتے پر بھی انسان کے سفر
 چر، ان چیزوں میں انسان اگر تشریف کرے تو اس کا پورا بدن ہے، لیکن زمین پر نباتات و حیوان میں ہیں شاید ان
 پر کچھ مزارعی و شکاری کا دعویٰ غلط ہو اور یہ خود مشرق ہونے کی حیثیت رکھتے ہوں۔ آئیے اس کا فیصلہ بھی کر لیں
 سے کہیں: **وَأَوَّلُ يُدْخِلُونَا إِلَى الْأَرْضِ الْخَرْشِجِ** یہ خرّجنا ناکل حیثیت ہے
أَفْعَالُهُمْ وَأَفْعَالُهُمْ أَفْعَالُهُمْ ہم اُن کا وہ زمین پر پانی بہاتے ہیں اس سے زمین پیدا
 ہوتی ہیں کچھ تو خود کھاتے ہوا اور کچھ تمہارے جانوروں کے چارے ہوتے ہیں کیا میرے اس کرم کو میں دیکھتا
 اس سے یہ معلوم ہوا کہ زمین جو کچھ آگاتی ہے وہ سب ہمارے ہی ہے، بعض کو ہم خود کھاتے ہیں اور کچھ
 اپنے جانوروں کا چارہ بناتے ہیں۔ اب ہے حیوان، ان کا بھی فیصلہ کر لیں: **وَالْأَنْعَامُ خَلَقْنَاكُمْ فَخَلَقْنَاكُمْ**
فَخَلَقْنَاكُمْ وَخَلَقْنَاكُمْ فَخَلَقْنَاكُمْ فَخَلَقْنَاكُمْ فَخَلَقْنَاكُمْ فَخَلَقْنَاكُمْ فَخَلَقْنَاكُمْ فَخَلَقْنَاكُمْ
فَخَلَقْنَاكُمْ فَخَلَقْنَاكُمْ فَخَلَقْنَاكُمْ فَخَلَقْنَاكُمْ فَخَلَقْنَاكُمْ فَخَلَقْنَاكُمْ فَخَلَقْنَاكُمْ فَخَلَقْنَاكُمْ
فَخَلَقْنَاكُمْ فَخَلَقْنَاكُمْ فَخَلَقْنَاكُمْ فَخَلَقْنَاكُمْ فَخَلَقْنَاكُمْ فَخَلَقْنَاكُمْ فَخَلَقْنَاكُمْ فَخَلَقْنَاكُمْ
 لے پیدائش ہیں، ان سے گونا گوں نسخہ حاصل کرتے ہیں، جیسے کہ اسامان ان کے انون سے بناتے ہیں لیکن کو ان میں
 سے کھاتے ہیں، صبح کو وہ چرائی کو جلاتے ہیں یا شام کو جب وہ اپنے ہیں تو ان میں ایک قسم کا جمال دیکھنے پر ہوتا ہے
 بوجہ کو ایک شہر سے اٹھا کر دوسرے شہر پہنچاتے ہیں جس کا یہاں نام پر شانی ہوتا ہے، گھوڑے، بچے، گائے، بکریاں
 سوار ہی کے لئے پیدا کیے، اور بہت چیزیں تمہارے لئے اللہ پیدا کر رہا ہے جسے تم نہیں جانتے۔
 ہماری محمد و وصیت کی غایت | اب تو ہر طرح اطمینان ہو گیا کہ یہ تمام چیزیں ہمارے ہی لئے ہیں یہ سب

۱۔ "ہم زمین میں اپنا گناہ نکالنے والا ہوں۔" (البقرہ ۳۰) ۲۔ "اور ہے شک ہم نے اولاد آدم کو عورت کیا اور تمہیں شکی اور نرمی (دوریا) میں
 سوار کیا۔" (انعام ۷۰) ۳۔ اٹھ ۱۲ ۴۔ مسخر/تخریب/تلاش کیا گیا، بطور قرائن و اشارہ، مغلوب ۵۔ خطاب میں یہ الفاظ معلوم کے
 طور پر آئے ہیں۔ ۶۔ تصرف۔ دخل کرنا/دعا کا نام یہ ہاتھ دالنا، استعمال، اختیار، قبضہ، (۲) خرّج صرف یعنی دست درازی، علم، زیادتی
 (۲) مہر شکنی (۳) درجیت (۴) لوت مار ۵۔ انتفاع۔ فائدہ، نفع، حاصل، آمدنی، (۲) نفع پانا، اٹھانا، فائدہ حاصل کرنا ۶۔ تصرف۔ تصرف کیا

خدا مہیں اور ہم خدمتِ مہیں یہ بات سمجھیں نہائی کہ ہم صرف مہیں ہی کیوں رہے۔ سلسلہ تو یوں ہے کہ عبادتِ مہیں کے کام آتا ہے اور نباتِ جماد کے کام تو نہیں آتا لیکن حیوان کے کام آتا ہے۔ اسی طرح حیوانِ نبات کے لئے کچھ مفید نہیں لیکن انسان کا نسخہ و غلام ہے تو جبکہ یہ سلسلہ مخلوق میں پایا جاتا ہے کہ کوئی اعلیٰ کا خادم اور وہ اپنے سے فنیتر کا خادم تو پھر اس کی کیا وجہ کہ باوجود مخلوق و حادث و ممکن ہونے کے ہم کسی کے خادم نہ ہوں۔ تو پھر غور سے یہ ملاحظہ ہو جاتا ہے کہ تمام مخلوق ہے چنانکہ انسان اعلیٰ والا قرار پایا ہے ہر چیز میں اس کی مسخرہ کوئی شے ہے۔ تو پھر اسے مخلوق کا خدمت گزار نہ ہونا چاہئے بلکہ یہ تو خالق کا غلامی کرنے والا اور اسی کا عبادت گزار ہے اور صرف اسی غلامی لئے اسے یہ مرتبہ دیا ہے کہ جس کے باعث یہ سب مخلوق پر حاکم ہے اسی امر کی طرف سعدیؒ کا اشارہ کیا ہے۔

ابو باد و دھو خورشید و فلک و در کارند
چو از بزم تو سرگشته و مستمیان بیدار

آتو ناله بکن آری و غفلت نخور می
شرط انصاف نباشد که تو فانی نه بر می

اب زرا اس طرف متوجہ ہوئے کہ جب آفتاب و مہتاب نجوم و زمین و دریا وغیرہ سب ہمارے سے منجھ کر دھستے گئے تو اب ضرور ہوا کہ ہمیں اپنے تابعداروں سے کام لینے کا سلیقہ بھی ہونا چاہیے۔ ہمیں بھی معلوم ہونا چاہیے کہ کس سے کونسا کام لینا ہے جس قدر کہ ان سے کام لینا کا طریقہ و علم زیادہ ہونا چاہیے گا اسی مناسبت سے ہم اپنی حکومت میں کامل جگہ جائیگے اور ہماری یہ حکومت اور ان تابعداروں سے خدمت لینا ہمیں مرضی الہی کے مطابق ہوگا۔

تخلان وسائیں اور قرآن مجید | پس اے عزیزو! کیا تمدن کی روح اس کے سوا کوئی اور چیز ہے؟ کیا
سائیں الٰہی اس امر کو کشف نہیں کرنا کہ کس چیز کو ہم کس طرح لانے
کام میں لائیں؟ اگر یہی بات ہے اور ضرور یہی ہے تو میں دیکھنے کی چوٹ کھتا ہوں کہ تمدن وسائیں کی سنگاؤں
قرآن کریم کی ہی تعلیمات ہیں۔ سائیں پڑھنا اس میں کمال پیدا کرنا اھستہ میں سحرہ مخلوق سے مستفید ہونا
ہے اور ان کے سحر ہونے کو باہم معنی بنانا ہے۔ کوئی وجہ اس کی نہیں کہ قرآن میں جن امور کی طرف رہنمائی کئے
گئے ہیں وہ سب متمدن ہونے کی ترغیب دلائے ہیں۔ آج کے خلاف کچھیں پھر تو کھانا پینا، ہنسا، رہنا سب ہی دستور
ہو جائیگا۔ یہی بات کہ کوئی زبان میں ان علوم کو پڑھیں، اس سنگ وشت میں زیادہ بحث کا تو موقع نہیں
لیکن اس قدر سچ کہجے کہ اردو، فارسی، پنجابی، پشتو، بنگلہ وغیرہ وغیرہ تو جازنوں مگر یورپ کی زبان حرام

۱۔ مخدوم - خدمت کیا کیا / کیا دوا، دوا قابلِ تعلیم آقا، بزرگ، سرور۔ ۲۔ حادثہ - نیا نئی چیز، دو چیز جو پہلی بار ہوئی ہو اور پہلے سے نہ ہو، نیا امر، نظارہ
میں آنے والا (۳) قاتی ملتا ہونے والا ۴۔ ممکن - جو بات ہو سکے، ہو سکے والی بات (۵) (کالیڈ) مخلوق، انسان ۶۔ معما - پوشیدہ، گھجی ہوئی
چیز، مخفی، مخفی بات - وہ بات، جو بطور حیران کن کی جائے۔ (۷) ایک قسم کی پیرستان (۸) الجھما، ماسلا، وسیعہ بات ۹۔ مشکف - کھلنے والا، نظارہ

ہے زائد غلو کیا تو عبادت سے غلام ہو سناؤں سو گئے لیکن اس دورِ یام کو کیا کہے کہ ایک طرف
جہالت کی گھٹا چھائی ہوئی ہے، دوسری طرف تدبیر سے دہان مل غالی ہے۔ عامہ مسلمین کی حالت کا اندازہ
کراؤ تو خود معلوم ہو جائے گا کہ ہم راہِ پیغمبر سے کس قدر غفلت ہو گئے ہیں۔ سادہ دلی لیکن غلامی نہیں تیار
کی جلدیں متحدہ موجود ہیں مگر ملاوت و تعبیب نہیں۔ جو بد و خوبی میں ہے قرآنِ عزیز آتا ہے لیکر اس پر عمل
کی توفیق نہیں۔ عبادت و برائی و تعلقاتِ دنیا و تعلقاتِ دُعا گندہ اخلاق کو بھی بیکرا افسوس دلائی کی ہے
اصلاح تو ہر گز نہیں کی کوئی تجارت کی غفلت لانا ہے کوئی علومِ مغربی کے تحائف حاصل
شد پریشان خواب میں۔ لانا ہے کوئی علومِ مشرقی کی حاجت کرنا ہے کوئی سنت و حرفت کی طرف مائل کرنا ہے
از کثرت تعبیر ہوا۔ لیکن خدا تو یہ فرمایا ہے کہ تم میرے مصلح ہو جاؤ پھر سب چیزیں تمہاری تابع ہوں۔

ہر جانچ سگ

وہم گردن از حکمِ داو پتچ
کہ گردنِ پچیدہ حکمِ تو پتچ
تم اللہ کے پیدا ہو، تمام چیزیں تمہاری ہو جائیں گی۔ تم اللہ سے ہو جاؤ گے تمام غنیمت تم سے منہ موڑ لیگی
چوں از دشتی ہمیں جز از تو گشت
چوں از گشتی ہمیں جز از تو گشت
ہماری اخلاقی حالت اس درجہ بدتر ہو گئی ہے کہ عیب کو ہم نہیں سمجھنے لگے اور علیحدگی کو کالی و دشمنی۔ یہ وقت
اس کے بیان کرنے کا نہیں ہے جسے اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرماوے وہ کلامِ محمدی کی تلاوت باز کر جاوے اور
اس میلان پر اپنے آپ کو قتل لے کہ کمان تک صدق و حق کا پلہ دینی ہے اور دھوکا تک تلویر و دیا کا۔ اخلاقی حسن
کمان تک پائے جانے ہیں اور کس حد تک اسے اپنے جذبات پر قدرت ہے اس مرتبہ تک حقوقِ العباد کے ادا کرنے
میں غور و فکر ہے۔ میں اس وقت دو واقعے آپ کے سامنے گزاراں کرنا چاہتا ہوں کہ آپ اس امر کا فیصلہ کر سکیں
کہ اخلاق کی توثیق کس پر ہے۔

معیارِ صداقت
قبول
نبی کریم علیہ الصلوٰۃ و السلام نے جبکہ پہلے تیس رویم کے پاس اپنا کلمہ بھیجا ہے تو اس نے
عروں کی اس جماعت کو جو اس کے ملک میں تاجرانہ حیثیت سے گئے ہوئے تھے تحقیق کیا
تھے کہ یہ کلمہ کیا ہے۔ اب تم ذرا اس کو دیکھو کہ وہ کیا پوچھتا ہے اور ہر سوال کے جواب

”جہنم“ اس کے کو جلتے ہوئے سب کو کھانا اور اجالہ ہے جہنم اس سے دور ہو جاتے ہوئے سب کچھ سے منور ہو جاتے ہے۔
۱۔ توبہ یہ خلیہ کو کفر غریب (۲) جھوٹ بولنا (۳) کسی چیز کو راستہ کرنا نہ ہو۔ بارش اور دم کا لقب

کلامِ نبی کی تفسیر صرف اشارہ کرنا ہے۔

۱۔ غلو، نجوم (۲) حد سے گزرتا، مبالغہ، بوجہ حاجت ہوا، ۳۔ منجوان۔ سستی کرنے والا (۴) حقیر، غبار ۵۔ تدبیر۔ دین داری پر ہیز گاری،
دیانہ داری ۶۔ پراگندہ، متفرق، منتشر، پتھر پتھر پریشان، ۷۔ نعرہ ہوا ۸۔ دی۔ بگڑا، بگڑا، ناقص، ناگوار، خراب (۹) متذبذب، متکثر
مترو (۱۰) پریشان، حیران ۱۱۔ ”تم بھی خدا کے حکم سے سرگش نہ کرو تا کہ کوئی بھی تمہارے حکم سے سرتابی نہ کرے۔“

و کیا نتیجہ نکلا ہے میں یہاں پر حدیث کا وہ حصہ جو سوال و جواب پر مشتمل ہے لکھتا ہوں تاکہ آپ کو کامل لطف حاصل ہو اور جو فیصلہ کر سکیں اس کے ذریعہ سوال میں تباہی نہ رہے۔

۸۱) کیف تشبہ فیکہ ان کا نسب تم میں کیا ہے؟ قلت حق غفیراً و نسب نبی کا وہ ہم میں شریف نسب ہے۔ پہلے اس جواب کو سن کر کتاب ہے کہ لا الہ الا اللہ و لا شریک لہ و لا شریک لہ و لا شریک لہ و لا شریک لہ۔

(۳)

۸۲) هل قال هذا القول منك احد قط جلدی میں ہے پتھر دعویٰ نبوت عرب کی سرزمین میں کسی اور نے ہی کیا تھا؟ جواب قلت لا۔ میں نے کہا نہیں پہلے کتاب ہے قلت لو کان احد قال هذا القول قبلہ قلت رجل یا لشی بقول قبل قبلہ۔ تمہارا جواب نہیں میں شکر میں نے یہ فیصلہ کیا کہ اگر تم اس کہتے تو میں کتاب کہ یہ شخص ایک ایسا آدمی ہے جو اپنے سے پہلے کسی ہوئی بات کی ریں کرتا ہے۔

(۳)

۸۳) هل کان من آبائکم من مملک۔ آباؤ اجداد میں اس کے کوئی بادشاہ گذرا ہے؟ قلت لا میں نے کہا نہیں پہلے کتاب ہے قلت لو کان من آبائکم من مملک قلت رجل یطلب مملک ابیہ میں نے یہ نتیجہ نکلا کہ اگر آباؤ اجداد میں اس کے کوئی بادشاہ گذرا ہو، تو میں کتاب کہ یہ ایک ایسا شخص ہے جو باپ کا نام اسی حیل سے طلب کرتا ہے۔

(۴)

۸۴) فاشرف الناس اتبعواہ و ضعفاء ہم قوم کے منادی اس کی پیروی کرتے ہیں یا ناتوان انسان ہیں؟ قلت بل ضعفاء ہم ہیں۔ کہا بلکہ ناتوان اس کے دین کو لیکر کہتے ہیں۔ پہلے کتاب ہے ہم اتباع المرسل رسولوں کی پیروی جماعت ہوتی چلی ہوئی ہے۔

(۵)

۸۵) اینہم بلون امہ و یضعون۔ جو انہما بڑھتے جاتے ہیں یا گھٹتے جاتے ہیں قلت بل یضعون میں نے کہا وہ ہر روز بڑھتے جاتے ہیں۔ پہلے کتاب ہے کہ لا الہ الا اللہ و لا شریک لہ و لا شریک لہ و لا شریک لہ۔ کہ تمام ہو جاوے۔

(۶)

هل يرد احد منهم بخطه لدمه بعد ان يدخل فيه اُس دين من داخل هو كوني اسل
مرتجى هو جاتا ہے کہ اُس دین میں نفرت انگیز باتیں نہیں بھلتا۔ میں نے کہا نہیں سہرقل کتاب ہے۔
كذلك الايمان حين تحاط بشاشة القلوب ايمان ايسا ہی لطیف و لذیذ ہے کہ دل کو اس
فرحت و انبساط ملتا ہے۔

(۷)

هل كنته نعمونه بالكذب قبل ان يقول ما قال وعواي بنوت من قبل تم نے اسے جھوٹ
بوسے سے بھی متحم کیا ہے؟ بھلتا لا میں نے کہا نہیں سہرقل کتاب ہے۔ فقد اعرف انه لم يكن
ليغدر الكذب على الناس ويكذب على الله میں نے جان لیا کہ جس نے انسان پر جھوٹ نہیں لکھا
وہ خدا پر کیونکر جھوٹ لکھ گا کہ اللہ نے مجھے رسول بنا کر بھیجا ہے۔

(۸)

فهل يغدر. و محمدا فرب يا نفس محمد كرتے ہیں؟ بھلتا لا میں نے کہا نہیں سہرقل کتاب ہے۔
كذلك الرسول لا يغدر رسول کی شان یہی ہے کہ وہ قدر نہ کرے۔

(۹)

هل قائله و تم سے اُنے کبھی لڑائی ہوئی؟ بھلتا نعم میں نے کہا "ہاں ہوئی" سہرقل کتاب ہے
كذلك كان قتلكم اياه اُن کے ساتھ تمہاری لڑائی کا کیا حال رہا؟ قلت الحروب بيننا وبينه
مسجالتينال منا و قتال منه ہم یہاں اور اس میں لڑائی مثل ایک ڈول کے ہے کبھی ہم نے کھینچ لیا اور
کبھی اُس نے۔

(۱۰)

ماذا يا عمر كتبتين کیا حکم تھے ہیں؟ قلت يقول اعبدوا الله ولا تقربوا شيئا ماعزكوا
ما يقول اباؤكم و يا عمر فبا الصلوة والصدق والعفاف والصلة میں نے کہا کہ وہ کہیں کہ
صفا اللہ کی عبادت کرو اور اُس کا کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ اور تمہارے آباؤ اجداد جو کہا کرتے تھے اسے چھوڑ دو
اور میں حکم کرتے ہیں کہ تم نماز پڑھیں سچ بولیں، پارسائی اختیار کریں، اقربا سے صلہ رحم کریں۔

میں وہ دس سوالات محمد پرصل نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے باب میں کہ حضرت سفیان بن حرب اس کی راوی ہیں، انہیں سے خطاب تھا اور انہیں سے کلام بانی جماعت ناموس ثقی، حضرت سفیان اس وقت تک دولت اسلام سے مشرف نہیں ہوئے تھے، یہ سچ کہ میں ایمان لائے ہیں، اب جبکہ سوال وجواب ختم ہو چکے اور میرے جواب پر پرصل نے اپنی رائے کا بھی اظہار کر دیا تو سب آخر میں تعلیقات محمدی کو پوچھتا ہے جو اس کا درجہ سوال ہے اور اس کا جواب پاکر یہ کہتا ہے :-

ان کان ما نقول حقا فيه ملك موضع قد حقي عاين وقد كنت اعلم انه خارج ولعمري انك اعلم انه منك فلو اني اعلم اني اخلص اليه ليجتنب لقاءه ولو كنت عند نفسي من قد عييت، يعني یہ باتیں جو تم نے بیان کی ہیں، اگرچہ میں تو مضرب رہ شخص اس جگہ کا مالک ہو جاؤ گا جو میرے قدموں کے نیچے ہے، میں ہی آخر الزمان کی بشت کو تو ماننا تھا کہ ہونے والی ہے لیکن یہ خیال یہ تھا کہ وہ تم اہل عرب میں پیدا ہوئے، مگر حال اگرچہ ان کے پاس تک پہنچنے کی امید ہوئی تو میں ان کی زیارت کے لئے ضرور مصائب سفر و بشت کرتا اور اگر میں ان کے پاس ہوتا تو ان کے قدم دھرتا۔

ایک غور طلب مسئلہ

مگر سچ کچھ پرصل نے نہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علم و فن سے سوال کیا، نہ آپ کے خزانہ و دولت کو پوچھا، نہ شکر و سپاہ سے استفادہ کیا، اور پھر جس سہولت سے فیصلہ کر دیا کہ بہت جلد وہ شخص قیصلی سلطنت کا مالک ہو جائیگا، جس طرح اس کے دل نے غفلت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلیم کر کے حقیقت کا انہار زبان سے کر دیا، اس نے اسی وقت سچ لیا تھا کہ جو ذات ان اطفال سے متصف ہو، اور جس کی تعلیقات ایسی زبردست ہوں، اس کے لئے ہر طرح کی کامیابی جتنی دیشی ہو۔

ایک اور واقعہ

اب دوسرا واقعہ سنئے، یہ سب پہلے خارج ہیں جب آپ پر وہی نازل ہوئی تو آپ نے مکان تشریف لے کر حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا لقد خضیت علی نفسي مجھے اپنے جان کا خوف ہے اس وقت مجھے وہی کے معنی سمجھنے میں نہیں پڑا، مجھے تو اس کے ایک حصہ سے مراد لانی ہے اور وہ حضرت خدیجہ کا جواب ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس زمانے پر اپنے دیار ہے :- قالت خديجة كلا والله ما يخفى بآبائك الله ابد انك تحصل الرحم وتعمل الكل و تكسب المعدوم وتقرى الضيف وتعين على نوائب الحق - حضرت خدیجہ نے جو ان فرمایا، پھر

قسم اللہ کی اللہ تعالیٰ کبھی بھی آپ کو رسوا نہ کرے گا آپ جملہ رحم فرماتے ہیں ان کے حقوق ادا کرتے ہیں انہیں عافیت دے دیتے ہیں
کی آپ غمخواری نہ دیتے ہیں اور لوگوں کو وہ چیزیں آپ عطا فرماتے ہیں جو لوگ آپ کے کسی اور سے نہیں مل سکتی ایمانوں
کی جمان نوازی کرتے ہیں اور لوگوں کی حوائضات خیرہ پر مدد فرماتے ہیں

اس حدیث کے لئے کہیں نے آپ کے سامنے صرف اس شخص سے پیش کیا ہے تاکہ آپ یہ کہیں کہ حضرت
غنیہ رضی اللہ عنہما کو کس قدر ذہانت و لطیفان اس امر پر تھا کہ ایک ایسا شخص جس کی ذات میں یہ صفات آئے
باقیہ ہوں وہ ہرگز سرگز ذلیل و رسوا نہیں ہو سکتا یہ اعتقاد کیا تھا جو صحیح ہے ہم تمام ملک کی تاریخ پڑھ کر بھی آپ
ایسا شخص نہ بنا سکتے کہ جس میں عادات حسنہ صدق و راستی کے ساتھ پائے جاتے تھے اور وہ ذلیل و خوار ہوا جو۔
ہاں یہ ممکن ہے کہ کسی شر پسند شخص ظالم نے ایسے شخص کو اپنے جناح و ستم کے راہ میں کانٹا لٹور کیا ہو اور محض اپنے غیث
بالمی سے اس پر ظالم کے ہوں لیکن اس سے کیا ہوا نہ تو ذرہ برابر اس کی عزت میں کمی آئی نہ اس کے اوصاف
جلیلہ کا پایہ ہلکا ہوا ہاں ظالم کی یہ کاریوں میں ایک اور وجہ البتہ پڑھ لیا ہے

نگ بد گوہر اگر کا سپہ زریں شکند

قیمت نگ نیز اید و زر کم نہ شود

حضرات! یہ ہے وہ ہدایت جس کی تعلیم کے لئے اللہ تعالیٰ نے رسول کی بعثت فرمائی ہے وہ ذر علم جس
ہجالت کی تار کیا و مٹ جاتی ہیں، یہی احوال جو انسان کو صحیح انسان بناتی ہیں یہ ہے وہ نور اللہ
جس سے ملک آباد اور دنیا رونق پذیر ہوتی ہے یہی ملک اس علم سے پیدا ہوئے انسانی نے مذنی نصیب نہ ہوگی

مستہم سیرت نیکو

نہ بھی جہانہ و مگر دیکھو

جب علم کے پٹے سے خوف خدا پیدا ہو معاشی کی برائیاں معلوم ہوں جذبات پر قوت حاصل نہ ہو وہ عقل
جو قدرے ہوا ضروری ہے پایا نہ جائے تو پھر اس علم حقیقی کیونکر کہا جائے گا علم حقیقی تو وہی ہے جس کے
پٹے سے خشیت ایزدی دل میں پیدا ہوتی ہے اور یہی کینیت دل میں پیدا ہو کر علم و معاشی کے درمیان
بلور پردے کے حامل ہو جاتی ہے اور یہ اس وقت تک ناممکن ہے جب تک دوبار رسالت سے لگاؤ نہ پیدا
کر لیا جائے جس قدر دل میں یہ لگن پڑتی جائیگی اسی قدر عبادات صحیح اور معاملات درست ہوں گے۔
ایک بہترین قانون معاش و معاد معاش و معاوی کی جمع کرنیوالی دین و دنیا کو مفری کرنیوالی

۱۔ ورنہ وہ ہے کسی مجبور، عاجز، ناتواں ۲۔ حوادث (حادث کی جمع الجمع) حادثے، مصیبتیں، تکلیفیں، زحازکی، گردشیں ۳۔ اذعان، یقیناً
بحرہ ۱/۱۱۱ (۲) (۳) (۴) (۵) (۶) (۷) (۸) (۹) (۱۰) (۱۱) (۱۲) (۱۳) (۱۴) (۱۵) (۱۶) (۱۷) (۱۸) (۱۹) (۲۰) (۲۱) (۲۲) (۲۳) (۲۴) (۲۵) (۲۶) (۲۷) (۲۸) (۲۹) (۳۰)
اضافہ ہوتا ہے مذکور کی قدر و قیمت کہ ہوتی ہے۔ ۵۔ اسلام بھی سیرت کا نام ہے، خوب صورت لباس یا دلکش قد و قامت کا نہیں۔

بجز تعلیم رسالت اور کوئی تعلیم رکھے زمین پر پائی نہیں جاتی اس خاکدان عالم میں وہ شمع (جس کے انور) میں دین و دنیا کی حسنت دکھائی دیں) وہ بجز شمع نبوت کوئی دوسری شمع نہیں ہے۔ یہ نہ صرف دعویٰ اور اور دل خوش کن باتیں ہیں بلکہ واقعات حقائق ہیں۔ اسلام سے پیشتر اور اسلام کے مابعد بھی غیر مسلمین میں تم کو اس امر کے شواہد پیش کیے کہ باوجود علم و فضل پر بھی یاد دنیا ان پر سر نہ چاگی یاد دین کے سمجھنے میں ایسے اغلاط آتے کہ جس سے دین ایک بھولناک اور ناممکن اہل ہو گیا۔ مثلاً بعضوں نے تو انے فطری کو معطل و بیکار کر دیا۔ انتہائے کمال تھا۔ اسی جماعت کو اصطلاح میں مانعہ کہتے ہیں ان میں سے کسی نے اپنا ہاتھ اپنے دھڑا دھکیلے ٹٹلے رکھا کہ اس میں جھکنے کی طاقت اور گرفت کی قوت باقی نہ رہی۔ کسی نے خاموشی اختیار کر لی اور تلقین و طعنات تو کہے جو کہ چپ سا دو گئے۔ کسی نے طول قیام سے قدم کے اعصاب خرد کر دیے اور اس کو مجاہدہ و ریاضت سے تعبیر کیا کسی نے رہبانیت کو پاکبازی سے موسوم کیا۔ کسی نے دشت و جبل کو اپنا مسکن بنایا۔ غرض اس طرح کے خیالات اس جماعت کے بہتے جنموں نے دنیا میں آکر اور پرہیزگاروں کے جائز قسے سے بھی بہرہ مند ہونا اتفاقاً و تقدس کے منافی جانا۔ قل من حرم ذبیحة اللہ اللہ الخیر (تحریر) کو نظر انداز کر دیا یعنی ان سے یہ کہہ کر کہ اٹھنے جو یہ اشیاء کہنے بندوں کے لئے مہیا کی ہیں انہیں حرام نہ کر دیا) اس جماعت کے برعکس اک دوسرا گروہ ہے جس نے بحیثیت دنیا اور کچھ نہ جانا۔ بہتر سے بہتر مکان میں رہنا، عہد سے عہد گذار کھانا، خوشبات نفس بلا محال و یا دینا جس طرح ہو سکے پورا کرنا، دولت جس ذریعہ سے ممکن ہو پیشیا اپنی زندگی کا ثمرہ قرار دینا اے اصطلاح میں لذت کہتے ہیں ان کے نزدیک انسانی زندگی میں نعمات دنیا سے بہرہ مند ہونا ہی کام ہے۔ لَا تَلْمِزْهُمْ اَمْوَالُكُمْ وَلَا اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللہ سے غافل ہے یعنی اللہ کی یاد سے اولاد و مال و محبتیں غافل نہ کرنے پائے۔

اب اس افراط و تفریط کے مقابلہ میں اسلام کی تعلیمات کی طرف غور و فکر ہوتا ہے وَلَا تَتَّبِعْ فِئْتَا سِوَا اللہ (جو حصہ تیرا دنیا میں مقرر کر دیا ہے اسے نہ بھول) جائز وسائل و پاک لذات سے جس قدر ہو سکے وہ سب انسان کا حصہ ہے اسے حاصل کرنا چاہئے لیکن کہیں ایسا ہو کہ اسی حصے کی طلب میں انسان اپنی عمر کا تمام زمانہ بسر کرے اس لئے یہ ارشاد ہوتا ہے وَلَا تَلْمِزْهُمْ اَمْوَالُكُمْ وَلَا اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللہ فَانْتَصِبْهُمْ اَوْ لَكُمْ هُمْ الْفَاسِقُونَ (ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے خدا کو فراموش کر دیا۔ پھر اپنے لئے ہی اپنی رحمت سے انہیں بھلا دیا اور خدا کا سبوتاہانہ تو نافرمانوں کا شیوہ ہے) دیکھئے اصلاحی معانی و تفریح معاد کے لئے

۱۔ خاکدان - مٹی اور کڑا کرکٹ جھینکے کی جگہ (۲) مجازاً دنیا ع نطق۔ بولنا بات کرنا (۲) بولنے کی طاقت، گفتگو (۳) تقریر، کلمہ، خطبہ۔
 ۲۔ رہبانیت - راہبوں کی طرح عبادت، دنیا چھوڑ دینا (۲) جائز لذات کو رضا کے آگے لیے چھوڑ دینا (۳) عیسائی مابعدوں کا ترک لذات اور زہد و پرہیزگاری کرنا۔ ج الارواح ۳۳: ۵ الحفظون: ۹: ۱ القصص: ۷۷: ۷ البقرة: ۱۹

کرتے کیسے زین اصول بناوئے گئے تمام دن و رات اپنا کاروبار محنت و راحت کیا کرو۔ لیکن جب نماز کا وقت آجائے تو جو کچھ گھنٹے میں سے تھوڑا تھوڑا وقت یاد اللہ میں بھی صرف کیا کرو جس کی دی ہوئی نعمت کھاتے ہو جس کے عطا کردہ قوتی سے کام لیتے ہو اس کی بھی توجہ کراری چاہئے۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم ہی کا صدقہ ہے کہ دین و دنیا دونوں میں نصیب ہوئے۔ **سَلِّحُوا الْجَاهِلِينَ بِلِقَائِهِمْ يُبَلِّغُوا إِلَيْهِمْ** اللہ تعالیٰ کا یہ حکم ہے کہ دنیا پر فتح میں حاکم ہے جس کی وجہ سے دنیا ہمارے دین کو تباہ نہیں کر سکتی اور دنیاوی ہمیں دنیا میں بہرہ مند ہونے سے مانع آسکتا ہے ان باتوں کو سوچو غور کرو تو ہمیں اپنے پیہب کی قدر معلوم ہوگی پر ہمیں اس سے تغافل کرنے پر زبردست ہوگی جس کا نتیجہ ہمارے لئے فرحت بخش ہوگا۔ حد و دوا میں رہ کر جس قدر دنیا کی نعمتیں حاصل کر سکتے ہو۔ اطمینان سے کرو اطاعت و عبادت کے ساتھ جس قدر عین و آرام ہمیں مل سکے۔ اس سے سہر کر محروم نہ رہو۔ یہ کوئی اتفاق پر نہیں گاری نہیں ہر ملک و دور پر یہی اصولی ہے جس کا ذکر کاہر ہے جسے ہمیں مل زمانہ کی کوئی تعلید کو اوارے و پیرائے کو کے ایک دلفریب شکل میں لا کر کھرا کر دیا جاتے تم بھی علم کی شان سمجھتے ہو اور کبھی شرافت انسانی اس کا نام کہتے ہو اور کبھی حیات ابتہادی و حیات سے اسے سو سمجھتے ہو اور کبھی روشن دماغی و وسیع اچھائی اس کا عنوان قائم کرتے ہو۔ ایک مرتبہ سچے دل سے کا حوالہ دلاؤ **وَلَا تَقْوَةَ إِلَّا بِاللَّهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ** بڑھ کر اپنے اصلاح کی طرف تھک پڑو ہدایت خداوندی میں جس ایک کہنی ہوئی خود اپنے آغوش میں لے لیگی اس وقت نہیں جتنی شرافت و جی حریب نصیب ہوگی **بِسْمِ اللّٰهِ** پڑھو آٹھواں اس تمام آؤدگی سے اپنے دامن عزت کو جان کر ڈالو

دلانا کے ورین کلخ مجھازی
بنیشتاں بال و پر ڈا میر شیش خاک
خنی مانند طفلان خاک بازی
بہ پتا کنگرہ ایوان افلاک
دیکھو آزادی کے سنہاں ہمیشہ تہلکتاں ذرہ نشینے دماغ سے فصاحت کے وقت لے سوچنا۔

خلافت فطرت
آزادی

انسان اگر اپنے اقوال و افعال میں اس طرح آزاد ہونا چاہے کہ جو تم میں آئے کہے جاتے اور جس طرح جو چاہے کہے جائے تو ایسی آزادی قطع نظر فطرت الٰہیہ سے یقیناً محال و ممکنہ الوجود ہے۔ اب لامحالہ کسی قواعد و اصول کا پابند ہو کر کچھ کہہ گیا ہو کہ جس آس کے قول و فعل کا ایک دائرہ محدود ہو گا اور اس کے وسعت کی ایک حد ہوگی اب ذرا اسے سوچو کہ کچھ دائرہ میں جو کچھ کہ ایک انسان کہہ سکتا ہے یا کر سکتا ہے کیا اس کے وہ قول و فعل آزاد ہیں۔ ایک حاضر نظر رکھو

۱۔ قوت (قوت کی فتح) قوتیں طاقتیں ۲۔ ازمنہ ۲۰۰۱۹ ۳۔ تغافل۔ جان بوجھ کر غفلت کرنا (۲) بے پرواہی، بے التفاتی، کم توجہی (۳) تساہل، سستی ۴۔ کورانہ۔ اندھوں کی طرح ۵۔ ”اے دل اس مجازی گل (دنیا) میں کب تک بچوں کی طرح خاک بازی کرتے رہو گے۔ سنی کی آمیزش/ راجھی سے بال و پر جھانڈو اور آسمانوں کے ایوان کے بام تک اڑا نہرو“ ۶۔ محنت۔ سچ کیا گیا، با زور کیا، درود کا گیا۔

ہوا تبصرتی نہیں وہی اس لئے کہ صدور قول و فعل خیالات کے بندشوں میں جکڑے ہوئے ہیں پہلے
 ایک نئے دماغ میں آتی ہے پھر توت بخیلہ اس پر غور کرتی ہے اس کے بعد ان خیالات کا انکمار احوال
 احوال سے کیا جاتا ہے۔ بلکہ احوال سے کہ اگر کسی کے خیالات کی بلندی و پستی مطالعہ کیا جاوے تو اس کے کلیم و
 حرکات و سکنات پر تجسس نہ نظر ڈالو اس لئے کہ اعمال و افعال صورت خیالیہ کے آئینہ ہیں اس سے یہ امر تو واضح ہو
 کہ قول و فعل آزاد نہیں بلکہ خیال کے پابند ہیں اب آؤ خیال کو دیکھیں اس کا کیا حال ہے ایک واقعہ میں ہنگامہ
 بہن معلومات کا تربیت کا محبت کا رسم درویش کا مقصد ملک وغیرہ کا مقصد بانی ہے جو خیال کو انسان
 کے دماغ میں آتا وہ تجویز اس کی معلومات کا یا اس سوسائٹی کا جس میں اس نے نشہ و ناپا یا یا یا ملک کی
 رسم درویش نے یہ خیال پیدا کر لیا ہے یا اگر دوش کے واقعات کا اثر ہے۔ غرض انہیں چیزوں سے خیال متاثر
 رہتا ہے اور ان کے قیود سے نکل نہیں سکتا۔ انھیں حاصل جیہ احوال و افعال خیالات کے تابع ہوئے اور خیالات
 معلومات و تربیت و سوسائٹی وغیرہ کے قید خانہ میں مقید رہے تو پھر آزادی کا نام ایک ایسا عنوان ہے
 جس کا معنہ نہیں۔ اب لفظ ہے جس کا خیال میں وجود دیتی نہیں۔ اب سے وہیں پر فیصلہ شہر اختیار کر
 خدا کی ہر ہم اپنے خیالات کو تعلیمات و محبت و طرز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کیوں متبع نہ بنائیں۔
 کیا حاصل مینہ العلم کی تعلیم کے سوا کوئی دوسری تعلیم حکومت کرنے کے لئے زائد ضرور ہے؟ کیا ان
 تعلیمات و محبت کی تربیت سے کوئی تربیت زائد نہیں تربیت بخش ہے؟ ہرگز نہیں کہی نہیں ہے

خلاص جاننا اداں زلف تابیدو مبار

که بندگان کمند تو را ستکارانند

یہ کوئی امر اعتقادی نہیں بلکہ واقعی ہے کہ نابھدار معینہ محض اپنے دامن تربیت کا
عرب جیسے جاہل و وحشی قوم کو لیکر چند دلوں میں کمالات کا جگمگہ بنا دیا اور دنیا کے
نے اپنی تعلیم و تربیت و صحبت کا ایک نیم نظیر خود بخود ڈال دیا۔ اس انقلاب
کی طرف دیکھا ہے سرحد تا ہے۔ دماغ اس کا چکر گھوم گیا ہے اور یہ بات اس کی سمجھ میں نہیں آتی ہے کہ دم کے
دم میں تائیکل روشنی سے جفا و فاس قطع و صلح سے فساد و صلح سے عداوت و محبت سے ظلم و عدل سے خیاں و امان
مصیبت طاعت سے کہ وقت صفائی سے بدل کر دنیا کا ڈانگہ ہی پلٹ دیا جیسا کہ اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ و سلم فرمایا
بارک و مسلم ہی تھی وہ ہدایت جس کے لئے دنیا پیاسی تھی اسی کب جھٹکا ڈال دیا اس کے گریہ میں خفا

۱۔ قوت تخیل۔ خیال میں لائے/سوچنے کی قوت، قوت خیال، خیال پیدا کرنے کی طاقت (۲) وہ طاقت، جو مقبول کو عذاب میں محفوظ رکھتی ہے۔
 ۲۔ جنت سنان۔ تحقیق پہ موطر، جہنم بقول فیفسر اور کٹر کھ مسعود احمد: خیال کی عظمت کے اظہار ہے؟ قوموں کی آبادی ویر بادی اسی خیال کی بجہ رو و درست روی پر منحصر ہے۔
 ۳۔ مختصات۔ تقاضا کیے گئے، چاہے گئے، خواہش کیے گئے (۲) (حجاز) مراد مطلب (۳) موقع کی بجہ رو و درست روی پر منحصر ہے۔
 ۴۔ مہلکت۔ عنوان کیا، روا کیا، لکھا کیا، روایا کیا، ابتدا کیا، کیا، ٹوٹے کیٹ کیا گیا (۲) کسی کے نام سے منسوب کیا گیا، نامزد کیا گیا۔

اِس سَلَامَ مَوْلَانَا بِالْمَدَامِي وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظَاهِرَ عَلَي الدِّينِ اِكْلَامًا وَكَلَمًا بِاللّٰهِ شَهِيدًا۔ اِس قدر بیان جو وحید و رسالت و تقیسات اسلامی کے متعلق ہے، اس سے غرض یہ تھی کہ قرآن پاک کی عظمت پر ان و رحمت کے پہلو سے آپ حضرت اِست کے سامنے پیش کروں تاکہ ان باب استلال کو یہ معلوم ہو جائے کہ مذہب کا بازو و حاشیہ یہی بہت قوی ہے۔ اگر مستفادہ انکھام سے کوئی قرآن کی تلاوت و سمجھ کر کر جائے تو پیش ہوا جو اس پر اِست کے خزانے اُسے بہرہ ور میں لائیں گے۔ میں نے تو صرف مآلاتِ پائیت کے لئے ایک طریقہ بیان کر دیا ہے۔

اب فقیر کے تقریر کا صرف ایک حصہ باقی رہ گیا ہے جس کے پورا کر نیکی بعد میں اپنے الفاظ سے
سکندر دشہر جہاں لکھا اور وہ حصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال میں ہو گا جس سے آپ کا خاتم النبیین
جہاں واضح و اجمل ہو جائیگا۔ گو مستند رسالت کی بحث میں بحث رسول بھی شتمین ہے لیکن اپنا دل ہی چاہتا
ہے کہ اسے ایک مستقل عنوان قرار دوں۔

(مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ)

انسان جس طرح ایک کامل و جامع دستور العمل کی طرف متوجہ ہے اسی طرح اسے احتیاج نصیب العین اس کی بھی حاجت ہے کہ کوئی ذات اس کی نگہ کا سامنے ایسی ہو جس کی علی زندگی اعلیٰ ترشح و تفصیل دستور خداوندی کی ہو جس کی غلوت و دلالت کی بابت جس کے حرکات و سکنات جس کا نور و خواب خدا کے دربان کے بموجب ہو اور جس کی ذات پر وہ تمام واقعات گزرتے نہوں جن سے انسان کا وجود چار ہونا لگتا ہے تاکہ اس کی زندگی کے تمام شہسائے حیات ہمارے لئے ایک عمدہ نمونہ بن کر رہی کرے والے ہوں اور ہم سب اہل علم کسی دوسرے کے محتاج نہوں۔

نواہج معلوم کئے جاتے والوں سے یہ اعتراض نہیں کہ دنیا میں کوئی ایسی ذات جو ہرگز
کے کمالات کی جامع ہو مجر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بانی نہیں جاتی۔ اس لئے
شک نہیں کہ مختلف قوتوں میں مختلف ہا کمال اشخاص سے دنیا رونق گیر رہی ہے۔

نہی میں شجاعت کا جوہر تھا اور کسی میں علم و حکم کا وصف کوئی ان ہنگاموں میں سلطان ذی جاہ تھا اور
کوئی تمام تعلقات سے علو و سہو پر کوفی فی اللہ بانی ہا کمال کا مجموعہ ہو
دہ تو صرف اسی تاجدار دین کی ذات ہے شریعت کی تعلیم اسی امت نواز سے ہی تشریف نفس اسی روح پرور
کے انفس قدسیہ سے تعامید ان جنگ میں وہ ایک بڑے سپہ سالار کی صورت میں دکھائی دیتا۔

۱۔ الف: ۲۸: ح حصص، مشعل، مشعل، داخل، مندرج (۲) ملا ہو، ضمن میں لینے والا / لیا ہوا۔ مع البدل، قطعی، یقیناً ہے شک
(۲) مجبور، ناچار، ناگزیر، ضرور، بالضرور مع تزکیہ، پاک، ہضائی، پاک کرنا، صاف کرنا۔

اشخاص ملک میں ایک بڑے سلطان تاجزادہ بھی دنا نقاش کو قید کرنے میں ایک بے نظیر عالم عادل
تاجپور و جودان تمام کمالات کے سر پر دہاری غلو۔ تواضع جیسا مروت۔ سخا و قہار جیسا عجب
ان سب صفات کا حامل وجہ الگ الگ ایک شخص تھا۔ اس رحمتہ العالمین کا وجود صیقل کرام کے لئے گونا گوں کمالات
کا ایک مجموعہ تھا جس کی زندگی کا ہر لمحہ ایک مسطورہ سالہ تھا اور یہی کرام اس کے مطالعہ میں ہر لمحہ
تورخ غریب تم پر سورگ کے وہ لوگ جن کے دل کا لگاؤ محبوب و مضرب سے ہوتا ہے جب میدان کارزار میں اترتے
ہیں تو دشمن کے لئے بجز پشیمانی و شوخ و شوگرستان ان کے پاس کچھ نہیں ہوتا۔ لیکن رفت و رجوع صلی اللہ علیہ وسلم
نے اپنے عمل سے تربیت اپنے اصحاب کو پڑھا کہ ایسے سخت چہان و جوش میں بھی عجز و تہ عروت کو ضائع نہ کرنا
ایک واقعہ منو جب سید کے وقت کاغذ میں ایک کارواں انجری بھی آچکا ہے۔ بقایہ رسول اللہ صلی
علیہ وسلم اس وقت جبکہ آپ کے مضطرب تشریف فرما تھے اہل کفر طرح طرح کی ازبیں آپ کو شیعہ اہل
اسلام میں گونا گوں شکاوتیں پیدا کرتے تھے ابوالانجری نے سکوت سے کام لیا تھا اس کی صرف اس قدر
رعایت کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اہل عدو خیال تھا کہ اس حال میں جبکہ کفار کے ساتھ وہ بھی لڑنے کو
آیا ہوا تھا۔ اپنے اصحاب کو یہ بات فرمائی کہ اگر ابوالانجری کا معاملہ پوچھ کے تو اسے قتل نہ کرنا بلکہ زندہ پیرے
پاس ملاں دیکھنے آنا اس لئے کہ وہ قیام مکہ کے وقت میرے آنا کا موجب ہو گا۔ ایک ایک شین بہا مروت
کی مثال اپنے جنگ کے وقت دشمن کے مقابلہ میں قائم فرمائی۔ دوسرا واقعہ سنو۔ جبکہ پیر میں جبکہ کفار کو کفر
پہنایا اور ستر فیدی ہمسیر لگے تھے تو ان میں ایک حضرت عباس عم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی تھے۔
قتیلوں کی مشکیں لٹی ہوئی تھیں۔ آنحضرت کا خیرہ قیدیوں سے قریب تھا حضرت عباس بندہ شمس کی غمی سے
کر اپنے رحمتہ العالمین کا دل مضطرب ہو گیا حکم دیا کہ عباس کے بندہ کو لیے جائیں اس کے ساتھ ہی حکم ہوا
کہ جتنے قیدی ہیں سب کا ہاتھ کھول دو کسی کی مشک بھی نہ دے یہ دوسرا بھی رحمت و شفقت کا ہے
واقعہ قوم کو یہ کہ جس دیار کا منہج اشخاص کو اپنے قتل و جوش کا مشن نہ بناؤ میرانی و شفقت کو ممکن
بہ بھی درج ذیل رکھو۔

۱۔ مال صادق سے کام لے کر تو پر خصلت و عادت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمیں ایک سچے عالم
ہوگی عربہ ایسا جلیل انسان کہ قائم انہیں اللہ تعالیٰ نے فرمادیا۔ آپ کے بعد دوسری یا رسول ہونا محال
و منفع بالذات بحالت ایسی عالم و عالم کہ تمام دنیا کا رسول بنا کر اللہ نے بھیجا لیکن اس پر واقعہ ہو گیا

۱۔ نزاع کی فتح ۲۔ جھگڑا انکار ۳۔ کشاکش ۴۔ صورت ۵۔ تکرار ۶۔ دشمنی ۷۔ عداوت ۸۔ فساد ۹۔ نقاب ۱۰۔ حقائق (مناقب)
۱۱۔ باہمی لڑائی ۱۲۔ جھگڑا ۱۳۔ نزاع ۱۴۔ شکایت ۱۵۔ مرقع ۱۶۔ تصویر ۱۷۔ کتاب ۱۸۔ عالم ۱۹۔ تعلقات ۲۰۔ کھلے کی کتاب ۲۱۔ (کتاب) ۲۲۔ جواب
۲۳۔ گونا گوں ۲۴۔ رنگ ۲۵۔ طرح ۲۶۔ طرح ۲۷۔ کار ۲۸۔ رنگ ۲۹۔ طرح ۳۰۔ طرح ۳۱۔ شمس ۳۲۔ کات ۳۳۔ تہیز ۳۴۔ کاٹا ۳۵۔ مروت ۳۶۔ بہادری ۳۷۔ مہارادی ۳۸۔ مردی
۳۹۔ جوا ۴۰۔ مردی ۴۱۔ خلق ۴۲۔ اخلاق ۴۳۔ انسانیت ۴۴۔ دیت ۴۵۔ (مجازاً) احسان۔

کاہ عالم کر شکست حالوں میں مل کر ٹھیکہ جاتے اور فراتے مہکین جا لاس عند المساکین^(۱) (ایک مسکین ہے جو
مسکینوں میں بیٹھا ہوا ہے) تہذیب ایسی ارفع و اعلیٰ کہ تمام عمر کوئی خوش گلد زبان پر آئے کسی کو کبھی نکالی
دی کسی ذاتی امر کے لئے تو کبھی نہ۔ فرمایا نہ کسی کام کا اپنی ذات کے لئے حکم فرمایا۔ ابن ابی نعیم قدس سرہ
معلوم ہوئی ہے جبکہ اس کے بلند ہی رتبہ کو ذرا بخانا کرو۔ اللہ تعالیٰ یوں حکم دیتا ہے لا تَقْعُوا أَصْوَاقَكُمْ
فَوْقَ صَعْتِ الدَّبْحِي وَلَا تَجْهَرُوا بِاللَّغْوِ لَا تَجْهَرُ بَعْضُكُمْ بِبَعْضٍ (یعنی نبی کی آواز پر اپنی آواز بلند
نہ کرو اور تھے اس طرح نہ کیا کہ آپس میں ایک دوسرے کو بجا کر کرتے ہو چھاؤں کی حالت یہ کہ دربار رسالت
میں اس طرح موذب نہیں تھے کہ حجم میں حرکت تک نہیں ہوتی تھی گو یا کہ آن کے سروں پر پرندے بیٹھے
ہوئے معلوم پہتے تھے۔ مگر اس پیچیدگی قدرہ نوازی و وسعت اخلاق یہ کہ ہر ایک کی دل دمی و دل دولی
جو رہی ہے ایک مرتبہ دیار رسالت آرات ہے۔ مجلس میں اس اکثریت سے صحابہ حاضرین کے کہیں جن میں تک
کی جگہ باقی نہیں رہتے وہیں ایک لغوی آتا ہے ادھر ادھر دیکھ کر صف غلال میں بیٹھ جاتا ہے جسور سے
جیسو اس قدر دور جگہ پالی تو اس سے شکست خاطر ہوتا ہے فوراً اعتقاد تجویز برطرف کر اس شکستہ دل کی خبر لیتا ہے
آنحضرت نے اپنی زندگی مبارک اس کی طرف بھیجی اور فرمایا ہے شخص تو اس کو بھا کر وہاں بیٹھنا۔ اب
دیکھ لو اگر ایک شخص دولت ترپ مال مال ہے توصف غلال کا بیٹھنے والا بھی اپنا داغ اس کے چھاپ پا تا ہے
کر میرے پاس وہ عیار ہے جو جسم اطہر سے لیشی مرتبی ہے۔

اس قوت و درجہ کے ساتھ عدل کا ایسا خیال کہ جنگِ بدر کے موقع پر آپ اصحاب کی صفیں مرتبہ مسلسل فرم رہے ہیں۔ سوا و بن غزیرہ ذرا صفت سے باہر نکلے ہوئے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں ایک تیر بنیر پیکان کے ہے جس سے آپ صفوں کو سیدھا فرم رہے تھے۔ سوا و کو صفت سے نکلا ہوا دیکھا کہ آپ تیر کی لکڑی سے ایک کو تیرہ آن کے پیرٹ میں دیکر فرمایا کہ صف میں داخل ہو حضرت سوا و صفت میں داخل ہو گئے اور عرض کیا کیا رسول اللہ آپ مجھے تکلیف پہنچائی اس کا عزم نہ کیجئے معاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا کرتہ شام مبارک سے اٹھایا اور فرمایا کہ عرض نہ ہو حضرت سوا و نے شک مبارک کو رو بہ دیا اور پیرٹ گئے آپ نے فرمایا کہ یہ کیا بات ہے۔ سوا و عرض کرتے ہیں کہ راج کا معرکہ سخت ہے انھوں نے دیر میں دشمن سے دست و گریبان ہوئے ہیں جو کہتا ہے کہ یہ وقت میری زندگی کی آخری ساعت ہو۔ اراۓ میری تمنا تھی کہ میرا بدن آپ کے جسم مقدس سے اس طرح ایک فوہ لپکے کہ کوئی کپڑا وغیرہ بیچ میں شامل نہ ہو۔

۱۔ یہاں خطاب میں مفہوم کیا گیا۔ آپ کا ارشاد گرامی ہے۔ **الْقَلْبُ أَغْوِيں مَنكِئًا** (اے ہادی تعالیٰ مجھے سکینوں میں زندقہ رکھ)۔ ترمذی شریف رقم الحدیث ۲۲۰۲، دارالاسلام۔ ریاض شیعہ ۲۰۰۰۔۔۔ اسلام کا آغاز غربت کے عالم میں ہوا اور اقرب و غریب کی طرف لوٹ جانے کا (بہن خوشخبری ہے غربا کے لیے)۔ الحدیث ۳۱۔ الحجرات ۴۰۔۔۔ نعال (نعل کی جمع) جوتے پہناؤں ۳۱۔ رواہ ابن جریج ۱۰۰۰۔۔۔

۲۔ یہاں بھی، بھالے یا بھڑے کی ٹوک (ٹوک) کو کہا۔ ٹوک (درجہ) ہو سکتا کسی ٹوک (درجہ) کا توہرہ اس ازخ، کچھ کا۔

یہی آخری توہمتیں عالم سے میرا چکا۔ اپنے پیغمبر نہیں دھاکے غیر فراموشی سے زجر ہے کہ کمال عشق خیز وہ کچا
معشوق باعاشق سبب نہ ہو۔ اس کشادہ دل و صل کی نظیر پیش کرنے سے تاریخ اقوام عاجز ہے۔ اپنی عملی زندگی
سے اس طرح اخلاق و شفقت و رحم و مروت عدل کا سبق دینا گو کس نے دیا یہ معشوق جس قدر کہ وسیع ہر قسم کی
دلکش بھی ہے مگر انوس ہے کہ غیر محبت بخاہ بیان کرنے سے قاصر ہے۔ آپ حضرات بھی اس وقت معاف
فرمائیں کیا کیا جالے سے دلم خیزہ اسرار بود دست قضا و دوش بربست و کلیدش بدستانی داد رست
خایت کمال انسانی اب صرف ایک واقعہ مختصر آجید محلوں میں گزارش کروں گا جس سے طرح طرح کے کمال
علیہ وسلم کا تخلص و اعلیٰ جہت میں یہ وہی جگہ ہے جہاں لوگوں نے اپنی اذیت دہانی سے چین کی سانس لینی نہ سکی
کر دی تھی۔ بالآخر خدا کے بیٹے مظلوم سے اللہ کے رسول کو جہاں اختیار کرنی پڑی۔ توہم نے اس وقت نہ تو کرا
کھا کیا کیا خدا شرف خدا نانی ظلم میں لائی تھی نہ اس کے اخلاق کو باند کا کچھ کیا تھا جب آپ ہجرت فرما کر
مدینہ طیبہ میں تشریف لے آئے تو وہاں بھی اطمینان سے رہنے نہ دیا برابر مدینہ پر چڑھ چڑھ کر گئے اور مستعد ہوا
اللہ کے حبیب مقابل ہوئے۔ غزوہ بدر غزوہ احد غزوہ خندق وغیرہ اس کے شاہد ہیں۔ رسول اللہ صلی علیہ
آلہ وسلم کی خدمات ادا کرنے کی غرض سے تشریف لائے ہیں۔ وعدہ فرماتے ہیں کہ صرف عمرہ ادا کر لینے دو تو
مدینہ کو واپس چلا جاؤ گا کسی امر سے یا کسی شخص سے کسی طرح کا تعرض نہ کروں گا اگر میل کو نہیں ملتے ہیں۔ لیکن
اللہ تعالیٰ فتح عطا فرمائے۔ شیا میں کے تحت اگلے جلتے میں توحید کے سرسراہی ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا
حبیب دس ہزار عجاہ میں کی جمعیت سے داخل ہو گیا ہے۔ بجاہرین اس شان سے داخل ہوتے جاتے
ہیں کہ کہ فریاد اپنا خلیں ہاتھ میں لئے ہوئے اپنے مراد کے ساتھ ہے۔ ایک ایک قبیلہ رقیب سے گزرتا رہا ہے۔
تکبر و تمیل کے دل کی کیا لینے والے نعرے بلند ہو رہے ہیں سب کے بعد تاریخ الانبیاء فخر الرسل محمد رسول اللہ صلی علیہ
آلہ وسلم ایسی جہت کے ساتھ گزرتے ہیں جن میں ہمارے جن و انصاف میں بیچ میں آنحضرت کا ناقص ہے اور
اُس کے گرد اگر دجاہاں یا زوں کا حلقہ سب کا لباس سب سے تمام کمال اس طرح تک میں صریح ہیں خود و زور
نے تمام بدن چھپا رکھا ہے بجز انگوٹھ کی تیلی کے اور کوئی حصہ جسم محمدی کھار کے شیروں کا دھکائی نہیں دیتا
اس شان حق کو دیکھا کہ عجب بہادر دل کے دل دہل گئے۔ کچھ بکھیرے گئے۔ جب آنحضرت مقام دوسری طوسی
پر تشریف لائے تو کچھ توقف کیا۔ محمد صلی علیہ وآلہ وسلم جاتے ہی۔ کفار کے مظالم کا نقشہ انگوٹھ میں پور جاتا ہے۔

۱۔ توشہ زادہ و راستے کا فرج ج۔ "ایسے جرم کی پاداش میں جو جنت میں انتہائی جگہ سے نزدیک ہوا، معشوق اپنے عاشق سے کہاں لڑائی کرتا
ہے۔" ج۔ "میرا دل امر کا خزانہ تھا موت کے ہاتھوں نے اُس کا دروازہ بند کر دیا اور اس کی چابی کسی دُرا کو دے دی۔"
ج۔ تعریض۔ مزاحمت کرنا، ہونا، حاکم، ہونا (۲) روک ٹوک، مزاحمت (۳) پیش آنا، دور پہ ہونا، تنگ کرنا (۴) اعتراض کرنا۔

اب جیسے اس کے گوشِ انتقام دل میں اٹھایا مگر وہ انتقام نفس میں پیدا ہوتا نہایت تیز نکل دیا مگر اسے
ناخن کے گھاو پر چاؤ کا کڑوا ڈالکر سرسبز ہو جاتے ہیں۔ خدا کی جناب میں جیسے سائی ہے اور اس کے فضل و کرم
پر شکر گزاری۔ سعد بن عبادہ کے منہ سے جوش میں یہ کلمہ نکل جاتا ہے کہ کبھی سخت و تالیخ حلال ہوگی
فرما آئیں اس کئے سے روکا جاتا ہے اور ان سے جھڑا لیا آئیں تو لشکر میں داخل اور جھڑا حضرت مولا
علی کرم اللہ وجہہ کے حوالہ فرمایا جاتا ہے۔

عجز و انکار اس فتح و قوت پر تو دیکھ چکے اب ذرا اس مقام کو دیکھو نصیب و مادی ہر طرف پھیل
چیں۔ بھارت سے جاتے ہیں کہ جو مسجد حرم میں داخل ہو جائے اسے امن ہے جو سفیان کے گھر میں چلا جائے
اسے امن ہے جو اپنے گھر کا دروازہ بند کر کے بیٹھ جائے اسے امن ہے جو ام ہانی کے مکان میں داخل ہو
اسے امن ہے جو ہتھیار ڈال دے اسے امن ہے غرض ایک امن کی صدائی جو در دیوار سے کسی رخ رہی
تھی۔ اس رحمت و کرم کو دیکھ کر کفار و مشرکین کا دل بھی اٹھتا ہوا جوق و جوق اسلام میں داخل ہونے لگے
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مصافحہ و فوج افزہ ہو کر بیعت اسلام آتے اور ہدایت کی طلیح نصیحت فرماتے۔
اسی حالت میں بہتر و وجہ ابوسفیان جس کے کفر و غیظ کی شدت اس سے ظاہر ہے کہ حضرت حمزہ عجم رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کا بچا کھینچ کر اس نے چاہا تھا حاضر شدت اقدس ہوئی ہے۔ مسلمانوں کے خوف سے تمام جہم
چاؤ میں لپٹ لیا تھا کہ بباد کوئی بچان کر حضرت حمزہ کی پیچہ مٹی کے عوض کہیں قتل نہ کر ڈالے۔ لیکن رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کے رحم پر اس قدر اطمینان تھا کہ جب سامنے پہنچی تو نقاب رخ سے آغادیا اور عرض کیا کہ
میں ہندو نہ ہو ابوسفیان ہوں۔ آپ کو اپنے چچا کی حالت یاد آگئی۔ اس کی جانب سے منہ موڑا۔ اس نے فوراً
اشھد ان کا الہ الا اللہ و اشھد ان محمداً عبداً و رسولہ بآواز بلند پڑھا۔ کلمہ طیبہ کا اس کی
زبان سے نکلنا تھا کہ سارا مائل دل سے جاتا رہا۔ یہ ہے جوش انتقام۔ ہاں! ان واقعات کو قصہ کی طرح
سنئے۔ سوچئے غور کیئے کہ کیا ناخاندانِ جوش اسی کا مقصد تھا کہ ان امن کی صدا پکار دی جائے۔ لوگوں
کے مکانات و متاع و گہرے کو تو عرض نہ کیا جاسے۔ انتہایہ کہ اگر جوش میں بھی کوئی جملہ منہ سے کسی کے نکل چکا
تو اس سے آرزو وہوں۔ ایک ایسی قوم پر جس نے مدتوں مشن ستم مسلمانوں کو بنائے رکھا جو یہ اطمینان کرنا
کے جائیں نہ فتح سے نفس ملنے نہ ہوتا ہے نہ اس شوکت و غلبہ پر کچھ فخر کرتا ہے۔ وہی بنیاد و جود ہے اور وہی
عبادت و عفت کے جلے ہیں۔ جہن کی مجلس نماز کا وقت ہوتا ہے حضرت بلال اذان دیتے ہیں اور

۱۔ تہلیل۔ نرم ہونا، عاجزی کرنا، فروتنی کرنا ۲۔ جھڑ سائی۔ اٹھا، چٹائی کرنا، بدھ کرنا ۳۔ سخت و تالیخ۔ عذاب و آگسٹس استقامت
کرنا جھڑ کر کے تباہ کر دینا ۴۔ منتفی۔ قضا کرنے والا، چاہنے والا، خواہش کرنے والا، خواہاں ۵۔ عرض۔ پیش آیا، مانگے ہوئے (۲) جیسے تہ
۶۔ حلقہ۔ لذت، اٹھانے والا، بڑا کھینچنے والا، لطف اٹھانے والا۔

اب میں ایک مور تلاش کرنا ہے مگر اس کی تلاش میں پہلا زیادہ وقت رائگاں ہوگا۔ اس لیے کہ ہم کہیں یہ معلوم ہو جائیگا کہ جسے پیغمبرِ وحی نے فنا کرنے کو اشارہ اپنی جات کا قرار دیا تھا تو ہم نہایت سہولت سے اس کا مایاب ہو جائیگے۔ اور ان شریف ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی مبارک کا یہ مور تلاش نہایت قابلِ اہم ہے۔ **قُلْ اِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ** کہہ دے میرے محبوب کہ میری نمازوں کا پھینسا عبادتوں کا کرنا یہاں تک کہ جینا اور مرنے کا سب اللہ تعالیٰ کے لئے ہے جو تمام عالم کا رکن ہے۔ عاشقِ داندہ با شد بے دل و جان ز سبتین + جان و دل در باطن بر پوسے جانان ز سبتین سکتے

یہ معلوم ہوا کہ اگر کائنات سے تمام اقوال و افعال اس مجموعہ کے گرد گھومتے ہیں تو زبان بھی آفات سے محفوظ اور جوارح بھی برصاحی سے امن میں رہ سکتے ہیں۔ خدا کو حاضر و ناظر جانو۔ پھر جو چاہو کہو اور جو چاہو کرو اور جہاں چاہو۔ بیدہ خیال ہے اور اس کا ایسا تصرف ہے کہ تمہیں بغیر وہودہ اقوال و افعال سے اس حال میں نہ گنا باز دیکھو جس حالت میں کسی قانون بشری کی نگاہ یا اس کا پنچہ گرفت تم تک نہیں پہنچ سکتا ہوگا۔ زبردست سے زبردست قانون زبان و اعضا کو اس کتاب چراغ سے الیہ باز رکھتے ہیں اور ان پر حکومت کر سکتے ہیں۔ لیکن دلوں پر حکومت کرنے والا اور برصاحی کی بنیاد قلبتِ داخل کرنے والا تصرفِ عالیہ کا خوف اور اس کی یاد اور اداسی کا تاہم ہے۔ پس اسے دوستو صدق و اطلاق سے نصیحت کو اپنی زندگی کا محور قرار دو اور بے شک نہایت کامیاب شاداں و فرمان اس دارالحق سے سوز کر جاؤ اب اس سے زیادہ کیا کہوں

گفتگو آئینِ دل و شہی نہ بود

دردِ با تو ما چرا ہوا شتم سکتے

اے دلِ گلشنِ اسلام کیا ہوئی تیری وہ بہار جس نے اپنے فیضِ کرم سے غارِ دارِ خفا کو لالہ لارا و فانیہ دیا تھا، سو کئی کلیاں بہائے جانان کی طرح تروتازہ و یکسر پایاں نکال لائی تھیں ہر شاخِ نخلِ ایشاں و خوشگوار سے بارِ دہشتی اور ہر برگ ایک ایک برگ میں لاکھوں چشمے سرسبز کی امانت رکھتی تھی، تیری باوجود ہم یورپ کی نسیمِ سحر سے کہیں بڑھ چڑھ کر خدمتِ مہیا انجام دیتی تھی، اس کا ایک جھوٹا پھانچا ہے سریشہ کو کھلا دیتا تھا۔ اب وہی تو ہے وہی تیرے مرفانِ طلب کی صدا میں دیکھ نہ کوئی کان، ان کو سننا گوارا کرے نہ کوئی دفاع، ان سے راحت پائے بغیر نخلِ کو حیرت ہے اور زمین کو ہل کر آخر دیکھتے دیکھتے یہ رنگِ جن کو نہ کر بدلا، باغبانی کی خدمت جن کے قبضہ قدرت میں دی گئی تھی وہ کیوں چھوڑنے

۱۔ مور: وہ جس پر کوئی چیز چھوے یا گردش کرے۔ ۲۔ (اصطلاحِ علمِ ہیئت) وہ فرض خط، جس کے گرد زمین گردش کرتی ہے۔ ۳۔ الانعام ۱۲۲: ۴۔ "جانتے ہو کہ شافعی کیا ہے؟ بے دل و بے جاں زندہ رہنا، جان و دل ہار جانا اور محبوب کی خوشبو پر زندہ رہنا۔" ۵۔ جوارح (جاریہ جمع) آدمی کے ہاتھ پاؤں، زبان اور دوسرے اعضا۔ ۶۔ دارالحق (حق کی صحبت) انسانوں و مصائب، رکھوں، تکلیفوں، بلاؤں کا گھر۔

۱۔ مور: وہ جس پر کوئی چیز چھوے یا گردش کرے۔ ۲۔ (اصطلاحِ علمِ ہیئت) وہ فرض خط، جس کے گرد زمین گردش کرتی ہے۔ ۳۔ الانعام ۱۲۲: ۴۔ "جانتے ہو کہ شافعی کیا ہے؟ بے دل و بے جاں زندہ رہنا، جان و دل ہار جانا اور محبوب کی خوشبو پر زندہ رہنا۔" ۵۔ جوارح (جاریہ جمع) آدمی کے ہاتھ پاؤں، زبان اور دوسرے اعضا۔ ۶۔ دارالحق (حق کی صحبت) انسانوں و مصائب، رکھوں، تکلیفوں، بلاؤں کا گھر۔

افسوس کہ وہ بدولت کی شایہ نہیں دیکھتے جانتے نہ تھے کہ یہاں تو ان کی نہیں کسی طرح چاروں
 پریشاں بطلب العیش العیش کی رشتہ نگاریں۔ احادیث کریمہ سے جس طرح برتر ترین دراق آتے
 والے ایک تھوڑی ہی دنیا میں، فقہ کے مسائل اسی طرح حاجت روا، لیکن توہین مجرب کے ہاتھوں ہستائی
 کے شکار، مصروف کے حکمت ماب رات کے وسط اسی طرح مشعل کیف نامعلوم جہیدہ کی بھوتی پوچھنے کی
 بدولت انہیں کما و میر علم کلام حل مشکلات فلسفہ میں غمزدگی کی عقل عمل و عہد سے دفتر پارینہ مسکن
 تیرے رفیق نہیں آمار تیرے علمدار ہیں، نہ پوریہ میں تیرا جلوہ نہ مشد میں تو رونق بخش انیس اسہ

اے صبا ایہ سودا نہ تو داری و نہ من
 برے آں زلف چلیا نہ تو داری نہ دہ

اے خداوند خیر و خیر و اختارنا بالخیر و جعل عواقب امورنا بالخیر سیدنا الخیر
 اللہ علی کل شیء قدیر و صلی اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین و اقول و لا کافرو و الظاہر و الباطن
 حرمین علیہم السلام

ختمہ کا پتلا

فقیر محمد سلیمان ہشتمی عسی عنہ
 قصبہ بہار۔ محلہ میرواد

CALL No. ۸۹۱۲۲۳۵
 ACC No. ۱۳۷۴۳
 AUTHOR سلیمان الشرف
 TITLE الخطاب

۸۹۱۱۷۳۵
 ۱۳۷۴۳
 سلیمان الشرف
 الخطاب

Date	No.	Date	No.
12.10.03	97		

KEPT AT THE TIME



**MAULANA AZAD LIBRARY
 ALIGARH MUSLIM UNIVERSITY**

RULES:

1. The book must be returned on the date stamped above.
2. A fine of Re. 1-00 per volume per day shall be charged for text-books and 10 Paise per volume per day for general books kept over-due.

کتب خانہ مولانا آزاد علی گڑھ کے ذخیرہ میں نسخہ الخطاب کے اجراء کارڈ کا کس

بہ زبانِ ناشر

۱۸۵۷ء کے کٹھن اور پُر آشوب دور کے معاہدہ اسلامیان ہند کو اپنے ملی وجود کو درپیش سخت اور نازک چیلنج سے تیر دیا ہونے اور مسلم قوم کی نشاۃ ثانیہ کے لیے سرسید احمد خان نے اس عظیم خدمت کا بیڑا اٹھایا اور انقلاب بذریعہ تعلیم کا نعرہ بلند کیا۔ سرسید کی تعلیمی تحریک کا اولین عملی قدم لندن ایجوکیشنل کانگریس کا قیام تھا، جس کا نام بعد میں آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس ہو گیا تاکہ لوگوں کو آل انڈیا نیشنل کانگریس سے اس تنظیم کی الگ اور منفرد حیثیت کا احساس ہو۔

کانفرنس کے اجلاسوں کی صدارت سرسید آدرہ ماہرینِ تعلیم نے فرمائی۔ سالانہ جلسوں میں کی جانے والی تقاریر اور ہر خطبہ اپنے قومی نقطہ نظر کے علاوہ جہاں ایک طور سے صاحبِ خطبہ کے نہاں خانہ دل کا مجملہ آئینہ اور رجحانات کا ورق کشادہ ہوتا وہیں ان اجلاسوں میں قوم کی ترقی کی تدبیریں سوچی جاتیں، اور قابلِ عمل تجاویز مرتب کی جاتیں، متفرق اور منتشر قوم کو منظم اور مجتمع کرنے کے لیے غور و خوض ہوتا۔ باہمی صلاح و مشورہ سے قوم کی ترقی کا سیدھا راستہ نکالنے کی سعی کی جاتی۔

اس صدارتی خطبہ میں قوم کو یاد دلایا گیا تھا کہ جب تک عورتیں تعلیم یافتہ نہ ہوں گی بچوں کی تعلیم و تربیت معقول طریقہ سے نہ ہوگی، کیوں کہ تعلیم کی ابتدا آغوشِ مادر سے ہوتی ہے۔ چند سال کی پیہم تبلیغ و ترغیب کے بعد مسلمان تعلیم نسواں کی ضرورت کا دم بھرنے لگے۔ یہ شاید حالات کا جبر اور بعض اہل وطن کی تنگ نظری کی وجہ سے ملازمت کے دروازے مسلمانوں کے لیے بند ہونے کے خطرہ کے باعث صنعتی و تجارتی تعلیم کے حاصل کرنے کی ضرورت بھی مانی جا چکی تھی۔ ورنہ یہ خطرہ پیدا ہو گیا تھا کہ اگر مسلمان صنعت و حرفت پر متوجہ نہ ہوئے تو وہ کسبِ معاش کے زرخیز

وسائل سے محروم رہ جائیں گے۔

تعلیمی کانفرنس کے زیر اہتمام پڑھے جانے والے خطباتِ صدارت جیسا کہ گزشتہ صفحات میں آچکا کوئی چالیس سالوں (۱۸۸۶ء تا ۱۹۲۵ء) پر محیط ہیں۔ آج سے نوے (۹۰) سال قبل شائع ہونے والے خطبات کی اہمیت و افادیت اور قدر و قیمت کیا ہے؟ اور مسلمانوں کی تعلیم پر بتدریج ان کے کیا اثرات مرتب ہوئے!!۔۔۔۔۔ یہ آپ 'خطباتِ عالیہ' کے مقدمہ نگار فاضلِ مدوہ مولانا محمد اکرام اللہ خاں صاحب کی زبانِ بلاغت نظام سے سنئے۔

”آپ ان خطبات کا غور سے مطالعہ کریں گے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ تعلیم کے متعلق کتنے جدید مسائل پیدا ہو گئے اور ملک کی سیاسی و اقتصادی حالت نے مسلمانوں کی تعلیم پر کیسا زبردست اثر ڈالا ہے یہ چیزیں آپ کو کسی دوسری کتاب سے معلوم نہیں ہو سکتیں لہذا اس پہلو سے بھی خطبات کا مطالعہ مسلمانوں کے لیے مفید و سودمند ہے۔“

کانفرنس کے سالانہ اجلاس متحدہ ہندوستان کے مختلف صوبجات میں علی گڑھ، لکھنؤ، اہمور، الہ آباد، دہلی، شاہ جہاں پور، میرٹھ، کلکتہ، رام پور، مدراس، آگرہ، بمبئی، ڈھاکہ، راولپنڈی اور دیگر مقامات پر جن صاحبانِ علم و حکمت کی صدارت میں انعقاد پذیر ہوئے، کے بارہ مولوی انوار احمد زبیری (مارہروی) رقم فرماتے ہیں۔

”جن باوقار لوگوں نے کانفرنس کے جلسوں کی صدارت کے فرائض انجام دیئے ہیں وہ اپنی مختلف النوع قابلیتوں اور اوصاف کے لحاظ سے اپنے اپنے دورِ زندگی میں اس پایہ کے بزرگ تھے اور ہیں جن کا مرتبہ نہ صرف علمی حیثیت سے بلند نظر آتا ہے بلکہ ان کی اصابتِ رائے اور ان کی قومی ہمدردی کی وجہ سے بھی خواہانِ قوم کے سربراہ اور وہ طبقہ نے ان کو منصبِ صدارت پر منتخب کر کے عملاً ان کے فضل و کمال کا اعتراف کیا۔“ (ویاچہ: خطباتِ عالیہ، حصہ اول)

ان خطبات میں خطبہ صدارت مولوی سر رحیم بخش (۱۹۱۳ء) ایک نمایاں اور قابل ذکر حیثیت کا حامل ہے۔ جس کی اہمیت اور افادیت اس کے مندرجات پڑھنے کے بعد ہی سمجھی جاسکتی ہے۔ ہم کوئی تبصرہ کیے بغیر یہ کام قارئین کرام پر چھوڑتے ہیں۔

ناشر

خطبات عالیہ

بسمی

آل انڈیا مسلم کونسل کانفرنس علی گڑھ کے

چل سالہ خطباتِ صدارت کا مجموعہ

حصہ دوم

(از اجلاس بہت دیکم تا اجلاس سی ام)

جس میں ہر مہرِ مہرِ صد کے قابلِ مطالعہ سبق آموز حالاتِ زندگی مع فوٹو کے چھاپے گئے ہیں

مرتبہ

مولوی انوار احمد صاحب زیری (مارہروی)

صاحبِ لاشا و جانبِ اب صدیار جنگ مہا و مولانا حاجی محمد حبیب الرحمن صاحبِ لاشا و

آزیری سکریٹری آل انڈیا مسلم کونسل کانفرنس

باہنام محمد تقی خاں شروانی

مبہدہ نو سو روپیہ سرس علی گڑھ میں جمع ہوئے
(صدر دفتر کانفرنس نے تالیف کی ہے)

[یا را اول]

عکس سرورق: خطباتِ عالیہ حصہ دوم مرتبہ مولوی انوار احمد زیری مطبوعہ علی گڑھ ۱۹۲۸ء

[۱۰۰۰ جلد]

اجلاس سب سے بڑا

(منعقدہ راولپنڈی ۱۹۱۷ء)

صدر مولوی حاجی سر رحیم بخش صاحب خان بہادر کے سی آئی اے
پریسڈنٹ کنسل آف ریجنل ریاست بھاول پور
حالات صد

مولوی سر رحیم بخش ان منتخب افراد قوم میں سے ہیں جو اپنے زور بازو سے اٹھ کر اعلیٰ مدارج کے ان بلند درجوں پر پہنچے جن کی آرزو بڑے سے بڑے نام اور شخص کے دل میں پیدا ہو گئی ہو۔ وہ نسل اور قومیت کے لحاظ سے ”راجپوت“ مسلمان ہیں جن کا ابتدائی نشوونما ان کے اپنے وطن موضع (ٹٹکہ میران جی) ضلع کرناں میں ہوا اپنے وطن کے ورثہ دار مدرسہ میں وہ پڑھنے کے لئے بیٹھے اور ڈل پاس کر کے گنگا پانچ میوہ کا وطن قلابیت ماحصل کیا جس کے بعد نارمل اسکول لکھی میں داخل ہوئے اور درجہ بدرجہ اپنے تعلیمی معیار کو بلند کر کے نوکری کرنے پر مجبور ہوئے۔ ان کو مدرسہ کی ملازمت ملی جن کی ابتدائی تنخواہ پندرہ روپیہ ماہوار تھی۔ سترہ سال میں ترقی کر کے جیش کالج لاہور کی صدر مدرس پر پہنچے۔

ان کی زمانہ مدرسہ میں سابق ہر ایمس نواب صاحب مرحوم بھاول پور جیش کالج میں زیر تعلیم تھے۔ نواب صاحب کے لئے ایک لایق مصاحب کی تلاش تھی مولوی صاحب کے اوصاف نے ان کے لئے اس منصب کی سفارش کی جو مصاحبت کے بعد سترہ سال میں ہر ایمس کے ایڈی کا ٹک مقرر ہو گئے۔

کی ملازمت سے وابستہ ہو گئے اور پانچ برس تک پوری وفاداری اور قابلیت کے ساتھ
 شہرہ میں اس ملازمت سے سبکدوشی حاصل کی مدت ملازمت کے لحاظ سے وہ مستحق
 پینشن نہ تھے لیکن ان کی عمدہ خدمات نے خاص پینشن کا مستحق بنا دیا تھا کچھ
 عرصہ تک وہ اپنے وطن میں فائز نہیں رہے اس کے بعد ضلع مظفر نگر اور کرناٹک کی ریاست
 منڈال کے منیجر مقرر ہو گئے اور ملازمہ سے سلسلہ نمک فرائض منیجری انجام دے رہے
 تھے جو اس دوران میں خیر مائیس نواب صاحب بھاول پور نے دوبارہ یاد کر کے پرائیویٹ
 سکرٹری کی خدمت پر طلب کر لیا، اور ایک سال کے اندر ریاست کے چیف جمع مقرر ہوئے
 اور پھر سلسلہ میں فارن سکرٹری کے عہدہ پر ممتاز کئے گئے۔ انھوں نے اپنی محنت،
 وفائیت، وفاداری اور اعلیٰ درجہ کی قابلیت انتظامی کے لحاظ سے اور اپنے مضبوط
 نگہ نگار کی وجہ سے اپنے اعتبار اور وقار میں حیرت انگیز ترقی کی یہاں تک کہ چپ چپ
 کا انتقال ہوا اور ریاست میں انتظامی کونسل کا تقرر گورنمنٹ پنجاب کے زیر مگرانی عمل
 میں آیا، تو سلسلہ میں کونسل آف ریجنس کی صدارت عظمیٰ کا عہدہ آپ کو پیش کیا گیا۔
 جنھوں نے برسوں اس عہدے کے اہم فرائض کو اس وقت تک جب تک کہ رئیس حال
 با اختیار نہ بنائے گئے پوری خوش اسلوبی پوری وفاداری اور اعتماد باہمی کے ساتھ
 انجام دینے کی کامیاب اور نیک نام کوشش کی۔ ایک طرف برٹش گورنمنٹ کے اعلیٰ حکام
 نے ان کی خوش انتظامی تدبیر کو تسلیم کیا تو دوسری طرف وہ رئیس اور ریاست کے چرے
 مو قادار اور خیر اندیش ثابت ہوئے۔ اور وہ ہمیشہ اپنی بڑی ذمہ داریوں کے مقابلہ میں
 رئیس، رعایا اور حکام کی نظروں میں اعتبار اور عزت کی نظر سے دیکھے گئے انھیں خدا
 جلیلہ کے اعزاز میں سلسلہ میں ان کو سی، آئی، ای کے خطاب سے گورنمنٹ انگریز
 نے سرفراز کیا۔

سلسلہ میں گورنمنٹ آف انڈیا کے سنٹرل سیلٹی بورڈ میں بطور ایک مسلمان ممبر کے
 آپ کا تقرر ہوا اور جنگ عظیم کی خدمات کے صلہ میں جو ریاست نے انجام دی تھیں سلسلہ
 میں کے سی آئی ای بنائے گئے اس کے علاوہ متعدد استاد و تخریجات و تقانات اعزاز
 بہت سے مواقع پر برٹش گورنمنٹ سے حاصل کئے اور اب زمانہ دراز کے بعد خدمات ریاست
 سے جدا ہو کر بحصول پینشن و انعام خاص مختلف ملکی و قومی خدمات میں حصہ لے رہے ہیں۔

انھوں نے ہمیشہ سادہ اور عملی زندگی کو اپنا نصب العین قرار دینے کی کوشش کی وہ ایک راسخ العقیدہ مسلمان کی حیثیت سے پابند مذہب اور بااخلاق مسلمان ہیں۔ جب وہ ریاست یا اختیار اور قومہ دار حاکم تھے اس وقت سے مختلف ملکی انسٹی ٹیوشن اور قومی درس گاہیں ان کی روشن خیالی قرائح قلبی اور ہمدردی کی رہن منت ہیں اور میں گی وہ آج اس جفیس کا بیج لاہور کی مجلس انتظامی اور کونسل کے رکن ہیں جس میں کبھی ان کی حیثیت ایک معمولی مدرس کے درجہ پر تھی وہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کی کورٹ و کونسل کے ممبر اور انجمن حمایت اسلام لاہور کے لائف ممبر ہونے کے علاوہ انجمن ترقی تعلیم مسلمانان امرت سر کے صدر ہیں۔

علامہ شبلی نعمانی کی زندگی میں مرحوم کی تحریک کوشش سے پچاس ہزار کا سب سے بڑا عطیہ مجلس ندوۃ العلماء کی جماعت کو دارالعلوم ندوہ کی تعمیر میں بھاول پور کی محل ملاقاتی کی جس میں علامہ محترم نے عطا کیا تھا وہ آپ کی اس عملی دل چسپی کا نتیجہ تھا جو آپ کو اس مذہبی علمی مجلس اور اس کے دارالعلوم کے ساتھ ابتدا سے کار سے آج تک مسلسل طور پر وابستہ کئے ہوئے ہے آل انڈیا مسلم یونیورسٹی کونسل و دیگر مجالس ہائے قومی کی صدر نشینی کی عزت بھلی رہا ان کو مل چکی ہے۔

چنانچہ ۱۹۱۶ء و ۱۹۱۷ء کے اجلاس ہائے کانفرنس منعقدہ راول پنڈی و خیو پور اسٹیٹ میں وہ دوسرے صدر بنائے گئے اسی طرح ۱۹۱۸ء میں بھیم پور اجلاس ندوۃ العلماء کی صدارت فرمائی ۱۹۲۳ء و ۱۹۲۴ء میں انجمن مسلمہ اچھوتا پنجاب کی انجمن کے صدر تھے۔ آل انڈیا تعلیم کمیٹی کے عارضی طور سے اور آل انڈیا تبلیغ الاسلام کے مستقل صدر ہیں۔

سال گزشتہ میں اضلاع اودھ اور مالک متحدہ اگرہ کے اکثر مشرقی اضلاع کا تنظیم کمیٹی کے سلسلہ میں سلسلہ طور پر کئے جیسے آپ نے دورہ کر کے قوم کو دعوت علم و عمل دینے کی کوشش فرمائی ہم نے بہت سے قومی کام کرنے والوں کے جو شش عمل کو دیکھا ہے قومی خدمت کے لئے یہی انداز ملی اس عظیم جفاکشی اور شہر شہر مینوں دورہ کرنے کی جو مثال انھوں نے پیش کی ہے یہ مثال ان جیسی حیثیت کے لوگوں میں نظر نہیں آتی غرض بہترین اخلاق اور خصائص عملی کے لحاظ سے سر موصوف کا کارنامہ حیات قومی ہمدردی "سیلف ہیپ" اور خود داری کے لحاظ سے قوم میں ایسا زندہ نمونہ ہے جو ہر لحاظ سے قابل تقلید اور لائق عمل ہے۔

خطبہ صدارت

خواتین و حضرات! ایسے لمحے بھی انسان کی زندگی میں آتے ہیں جب کہ اس کے کام میں
کی انجام دہی کے متعلق جو اس پر مائد ہوتا ہے اپنی و ماضی ناقابلیت کا سب سے زیادہ احساس
ہوتا ہے۔ اس وقت میرے اوپر بھی ایسا یا تقریباً ایسا ہی احساس غالب ہو۔ یہ پنڈال
جو سید احمد جیسے نیک، ہمدرد و ماعقل و قزوانہ، نواب محسن الملک جیسے روشن و مانع فصیح
و بلیغ، رائٹ آنریبل سید امیر علی جیسے برگزیدہ و قزندہ ہندو متاثر متفقین، مولوی نذیر احمد صاحب
جیسے جید عالم، نواب محمد الملک جیسے فاضل و اہل الرائے اور ہمارے پنجاب کے نور قوم
آنریبل مشر شاہ دین جیسے ممتاز رج کی فصاحت و بلاغت سے گونجا رہا ہو بلا اظہار تصنیع کل
سے اس شخص کے لئے جگہ ہو سکتی ہو جس کی مصروفیات زندگی ایک دوسرے دائرہ
اور ایک مختلف احوال میں رہی ہوں جب اُن معیاروں کا خیال کیا جاوے جن کی بناء
آپ کے بہت سے صدر نشین منتخب کئے جا چکے ہیں جن میں سے صرف چند کا میں نے
نام لیا ہو تو میں خیال کرتا ہوں کہ آپ کا یہ انتخاب کوئی خوش گوار انتخاب نہیں ہو
یہ صحیح ہے کہ میں بھی کالج کا ایک سرسٹی ہوں اور میرا تعلق کبھی کسی زمانہ میں کسی نہ
کسی طرح برقیسی تحریکات سے رہا ہے لیکن نفس الامر میں میرا تعلق بیک لائف سے نسبتاً غائب
طرز کار رہا ہو۔ ممکن ہے کہ آپ حضرات نے یہ خیال کیا ہو کہ ایک ایسے شخص کے خیالات
و اثرات کو معلوم کریں جو آپ کے معلقہ سے باہر کا ہو، اور میرا لگان ہے کہ آپ کا یہ انتخاب
ممکن ہے کہ کسی جدید اور غیر معمولی توجہ اور لحاظ کی بنا پر ہو، اور آپ کو یہ خیال پیدا ہوا
ہو کہ ایک تماشائی یا اکتا ٹرے سے باہر کا شخص بسا اوقات اُس شخص سے بہتر طور پر کمیل کا انداز
لا سکتا ہو جو خود کمیل میں شامل ہو۔

صاحبان! اگر آپ کا ایسا ہی خیال ہو تو میں اس عزت افزائی کے لئے آپ کا شکریہ
ادا کرتا ہوں، جو آپ نے اپنی انجمن کا صدر نشین منتخب کر کے مجھے بخشی ہے گو میں یہ عہد سس
کرتا ہوں کہ اس ذمہ داری کے بوجھ سے میں دبا جاتا ہوں جو قدر شاہ محمد پر مائد ہوتی ہو

بالمیقین میں اس کو ایک اعلیٰ اعزاز تصور کرتا ہوں کہ آل انڈیا محمدن ایجوکیشنل کانفرنس کے سالانہ اجلاس کی صدارت قبول کرنے کے لئے مجھ سے ارشاد کیا گیا ہے لیکن ساتھ ہی اس کے میں یقین دلاتا ہوں کہ میں کبھی اس بلکہ اہم از کم اس حیثیت میں حاضر نہ ہوتا اگر مجھے گزشتہ تجربہ کی بنا پر یہ معلوم نہ ہوتا کہ مسلمان ماسعین ایک ایسے شخص کی تقریر کو کس تعلق امتیاز طریقہ سمجھتے ہیں جس کی دماغی قابلیتیں خواہ کتنی ہی کم کیوں نہ ہوں لیکن یقین جانئے کہ اس کے دل میں ملک اور قوم کے مشترکہ مقصد کو محسوس کرنے میں ان حضرات میں سے کسی سے کم ٹپ نہیں ہے جن کے اسامے گرامی اس طولانی اور ممتاز قمرست میں شامل ہیں جنہوں نے گزشتہ مواقع پر آپ کے اجلاسوں کی کارروائی کی رہ نمائی کی ہے۔

اکابرین قوم کا اثر انہیں ہے کہ ان اکابر میں سے جو مسلمانان ہند کی شاہ راہ تیار کرنے والے اور اوصد ہا قرون کے معلمین تھے ہم سے جدا ہو گئے۔ لیکن ان کا اقتدار اب تک قائم رہا اور عرصہ دراز تک قائم رہے گا، تاکہ منازل الہیات میں وہ ہماری رہ نمائی کرے کہ ہمیں روشنی بخشنے اور ہماری بہت افزائی کئے۔ واضح عیسیٰ جو وہ لگا گئے ہیں اور یادگار ہیں جو وہ چھوڑ گئے ہیں کثرت ہمارے سامنے موجود ہیں اور ان سے ان کی ذکاوت اور ذہانت کی یاد تازہ ہوتی ہے۔

جنگ اسے حضرات اہم آج ایسے زمانہ میں جمع ہوئے ہیں جب کہ ہمارے سروں پر ایک مصیبت کبریٰ کی گھاٹ چھائی ہوئی ہے۔ جنگ جو یورپ میں ہو رہی ہے وہ بلاشبہ ایسی جنگ ہوگی کہ جس کی نظیر تاریخ کے صفحات میں نہیں ملتی۔ گویا یہ معلوم ہوتا ہے کہ جس چیز کو ہم لفظ "مذہب و تمدن" سے موسوم کرنے کا اشتیاق رکھتے ہیں وہ ایسی کم زور و ناطاقت شے ہے کہ وہ اس جوع الارض کے طوفان اور حملوں کو نہیں روک سکتی جواز مذہب یا مذہب میں کسی نہ کسی شکل میں تباہ کن جنگوں اور حملوں کا باعث ہوا کرتی تھی۔ نہ تو اس کا یہ موقع ہے اور نہ وقت کہ ان اسباب پر پوری پوری بحث کی جاوے جو اس جنگ کا باعث ہوئے ہیں۔ یہ اسباب نہایت کثیر اور مختلف النوع ہیں، اور میں یہ عرض کرنے کی جرات کروں گا کہ ایک فعلی مجلس ہرگز ایسی جگہ نہیں ہے جہاں ان کے متعلق کوئی مطلق و مبسوط بحث کی جاسکے۔ لیکن بحیثیت ایک ایسے شخص کے جس نے قدیم طرز کی روایات میں پرورش پائی ہو میں اپنی اس رائے کے اظہار کی جرات کرنا چاہوں گا جس کو میں ایسے گہرے یقین اور عمیق اعتقاد کے ساتھ محسوس کرتا ہوں

جو حد بیان سے باہر ہے کہ زمانہ حال کی تہذیب کی سب سے بڑی خرابیاں اس کی "ادیت" کے فخر کا غلبہ اور تمام دیگر خیالات پر مطلب پرستی کے قابل اعتراض مفیدے کو ترجیح دینا ہے۔ ہر ایک تعلیمی تحریک کی پائیداری اس کی مذہبی رنگت ہے۔ ہمارے مادہ مشرقی خیال کے مطابق کوئی تعلیم مکمل نہیں ہوتی، مادہ قبیحہ اس کی تیار انسان کے مقابلہ مذہبی برتری رکھتی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ موجودہ زمانہ میں لوگ مادہ پرستی کی طرف اندھا دھند اوڑھتے ہیں جو کہ دوڑ پڑے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ جس بات سے مدبران مشرق و مغرب ڈرتے اور خوف کھاتے تھے آخر کار وہی پیش آئی اور آتش جنگ نے خوف ناک طور پر افروختہ ہو کر دنیا زمین کی لہلاہاتی مبارک کو تہمتیں سنس کر دیا۔ گو یا معلوم ہوتا ہے کہ ہم مسیح کے اُس روایتی ہمارے سالہ زمانہ سے جس کو انگریزی شاعر نے دیل کے دو مصرعوں میں ظاہر کیا بڑی اسی قدر صید ہیں جتنے کہ پہلے کبھی تھے ۵

جنگ جگس بنی تو خ انسان اور تمام عالم کے اتحادی دہا میں جنگ و جدل کے عالم گھل جائیں گے۔

لیکن اس امر کے تسلیم کرنے میں کلام نہیں ہو سکتا کہ اس عظیم الشان تباہی و بربادی کا حقیقی باعث جرمینی کا اصول جنگ پرستی ہے اور لکھ لکھا جی تو خ انسان کی زندگیوں کی بے رحمانہ تباہی و قتل و غارت گری کی ذمہ داری خدا اور بندوں کے سامنے مرنے والی جرمینی ہی پر ہے۔ انگلستان کو اگر اس خونخوار غارت گری میں شرکت کرنا پڑی ہے تو اپنے تحفظ حقوق کے لئے اور اس لئے کہ اپنے روایات قدیمہ کی بنا پر اس کو کدوروں کی حمایت میں جنگ کرنا اور جی تو خ انسان کے مقصد انصاف کی پشت پناہی کرتا ہے۔

انگلستان کا مقصد بدتمتی سے اس مصیبت (جنگ) نے ایک مختلف شکل اختیار کی ہے کہ جی تو خ انسان تھا۔

جرمنی نے ناقابل انتہا شہانہ طور سے اپنی قسمت جرمینی و آسٹریا کے ساتھ وابستہ کر دی ہے جو انگلستان اور اُس کے حلیوں کے ساتھ برسرِ کار ہیں۔

صاحبو! اس میں کچھ شک نہیں ہے کہ یہ معاملہ نہایت ہی پیچیدہ ہو گیا ہے اور مسلمانان ہند کے لئے یہ موقع نہایت اُردو کش کا ہے۔ لارڈ پارڈنگ بالظاہر جیسے ممتاز مدبر کی فہم و ذکاوت ال ستایش ہے جن کے دست مبارک میں اس وقت ہندوستان کی تمام حکومت ہے اور جنہوں نے یس یسین دلایا ہے کہ خواہ کچھ ہی کیوں نہ تو خ میں آئے انگلستان اور اس کے اتحادی

اسلام کے مقابہ مقدس کے احترام پر نگاہ رکھیں گے۔ مجھے یقین واثق ہے کہ اس یقین والا
 نئے مسلمانوں کو مطمئن کرتے میں بڑا کام کیا ہے اور مسلمانوں کو اس روش پر قائم رکھنے کے قابل
 بنا دیا ہے جو موجودہ حالت میں صرف ایک ہی صحیح روش ہے۔ میرا دعا سلطنت برطانیہ
 کی مستحکم وفاداری اور جاں نثاری کی روش سے ہو۔

سلطنت برطانیہ کے ساتھ | صاحبان! مجھے یقین ہے کہ کسی شخص کو بھی ایک لمحہ کے لئے اس منکلام
 ہماری وفاداری کی بنیاد | نہ ہوگا کہ ہم حضور ملک معظم قیصر ہند کی زیر حکومت بکال امن و امان دیتے
 اور محفوظ زندگی بسر کرتے ہیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ہم اپنے مذہبی رسوم کی ادائیگی
 میں جو ہر انسان کا پیدائشی حق ہے، کوئی رکاوٹ یا مزاحمت نہیں ہے۔ ایسی حالت میں ہمارا
 یہ صیغہ مقدم فرض ہے کہ ہم تاج برطانیہ کے ساتھ ایسی روش اختیار کریں جو ہماری غیر متزلزل
 اور لاجنب فاشعاری پر مبنی ہو۔

لے حضرات! مجھے یقین ہے کہ ہم سب کو اس بات پر غور کرو کہ اپنی سلطنت کی حفاظت صحیح
 مقصد نیک میں ہماری ہندوستانی افواج اپنا مناسب حصہ لے رہی ہیں اور یوروپ کے میدان
 جنگ میں اپنی شجاعت و بہادری اور جاں نثاری سے یہ ثابت کر رہی ہیں کہ ہمارا اور انگلستان کا
 مقصد واحد ہے۔ تاریہوں کے قصص خلاصوں پر لکھا کرتے ہوئے میرے خیال میں اس بات کے
 انکار کے لئے کسی پیشین گوئی کی ضرورت نہیں ہے کہ فاتحہ جنگ یعنی امن و امان کا حصول کچھ بعید
 نہیں ہے۔ جرمنی کے جنگی دم ختم کی کر کم از کم اس وقت سے ٹوٹ گئی ہے جب کہ اس کو پیرس کی
 طرف سے پیچھے ہٹ جانا پڑا، اور گواہی وہ وقت دور ہے کہ ہم کو ان مشکلات سے نجات ملے مگر
 اس میں کئی شبہ نہیں کہ اتحادیوں کی متفقہ افواج نے اگر اسی طرح چند اور شکستیں اس تو یوروپ میں
 امن و امان پر قائم ہو جاوے گا۔ موجودہ حالت میں ہمارا فرض ہے کہ ہم تاج برطانیہ کے وفادار
 رہیں اور اس مقصد نیک کے حصول میں جو انگلستان کا ہے تمام امکانات خدمات سے دریغ
 نہ کریں۔

جائے تعلیم کی قدر و قیمت | صاحبان! میں ہمیشہ سنتا رہتا ہوں کہ جملت پسند نگہ ہیں یہ سوال کیا کرتے ہیں
 کہ آخر کانفرنسوں کا نتیجہ کیا ہوگا؟ اور ان کانفرنسوں نے مسلمانوں کی یا مسلمانوں کی تعلیم کے متعلق کیا
 خدمت انجام دی ہے؟ صاحبان! تعلیم ایک پودا ہے جو آہستہ آہستہ بڑھتا ہے کسی شیشی یا گلاس کی
 تیرناری کی طرح سے اس کے نتائج کی توقع نہیں کی جاسکتی اور نہ بارود کی سی تیزی پر اس کے

شائع کا قیاس ہو سکتا ہے کہ دھڑاگ دکھائی اور دھڑا روونے دھواں شے دیا۔ اس کے لئے
 اول ضرورت ہے پیداوار سے اور کدال سے بہت کچھ کام لینے کی کالوں اسکولوں اور وظائف
 کے بہت کچھ کا ڈالنے اور رقم بری کرنے کی اور زمانہ دراز کے گوشے گوشے سے تعصبات کی
 ناکارہ نگاہ کے برائے کی جب جا کر کہیں ہم کو اپنی محنت و جانفشانی کے پھلوں کے دیکھنے
 کی توقع کرنا چاہئے۔ جو حضرات اُن تعلیمی رپورٹوں کے مطالعہ کی تکلیف گوارا کریں گے جو
 مختلف مقامی گورنمنٹوں نے شائع کی ہیں میں امید لکھتا ہوں کہ وہ اس امر کو معلوم کر لیں گے
 کہ تعلیم نے بڑی حد تک ترقی کی ہے۔ لیکن اگر بغرض محال یہ مان بھی لیا جاوے حالانکہ اعداد و
 شمار کے موجود ہوتے ہوئے یہ نہیں تسلیم کیا جاسکتا کہ تعلیم میں کوئی قابل لحاظ اور قابل پسند ترقی
 نہیں ہوئی تب بھی جھک کر تسلیم کرنے میں کچھ تامل نہیں ہے کہ کچھ کیشنل کانسفرنس نے جس کے لئے اس
 بانی کی رقم وڈ کا قابل ستائش و شکر یہ جو کم از کم اُن تعصبات کے جڑ سے اکھیرنے میں کامیاب
 حاصل کی ہے جو اُس دماغی ٹنگ و دو کے حق میں مخالفت بچے ہیں جس کی دورانہ پیش پیشگوئی
 غیر پیشنگ نے کیا وڈالی تھی۔ اس لئے میں پھر کہتا ہوں کہ اگر کانسفرنس نے اس کے سوا کچھ اور
 کام دیکھ کر کیا چوتھ بھی اُس نے مسلمانان ہند کے نمون اور محبت بھرے دلوں میں اپنے بانی کی
 اور اُن لوگوں کی یاد کو جاگزیں کر دیا ہے جنہوں نے بعد میں اس کی ترقی کے لئے سعی کی۔

مسلمانوں کا اخلاقی معیار | اما جان ایں اب ایک مناسب حال مضمن کے متعلق کچھ عرض کرتا
 چاہتا ہوں جو بادی النظر میں اگر مایوس کن معلوم ہو تو آپ مجھے معاف کریں گے۔ اخلاق اور
 تعلیم کے درمیان میرے خیال میں کوئی نمایاں تفریق کبھی نہیں کی گئی ایک شے دوسری پر موثر ہو
 اور پھر یہ دونوں خاص اخصار بادی کی جبکہ ایسے اجزا پیدا کرتے ہیں جن سے قومی وقار اور
 قومی خصوصیات بنتی ہیں۔ ممکن ہے کہ ایک طرف نصف صدی کے جوہر قابل اور ہندو بننے
 اور دوسری طرف تعصبات نے مسلمانان ہند کی جماعت کو پراگندہ و منتشر کرنے میں مدد دی ہو
 لیکن یہ صرف وہ امور ہیں جن سے اس حالت کی تشریح ہو سکتی ہے کہ کس طرح اُس قوم کی اولاد
 کو جو کسی زمانہ میں شاہی دہلی کی پر شوکت درباروں پر برسر حکومت تھی آج ہندوستان کی نصف
 پائیس میں جگہ ملی یا اب اس وقت اس کا یہ درجہ ہے۔ میں نے پیشہ یہ محسوس کیا ہو کہ مسلمانان
 ہند کا اخلاقی معیار بالعموم انحطاط کی طرف رہا ہے میں سمجھتا ہوں کہ کسی قوم کی خصوصیات ملی اہم
 اس کے علم ادب میں منسلک ہوتی ہیں یعنی اُس علم ادب میں جو غیر کا نہ ہو بلکہ خود اسی قوم کا ہو۔

میں تسلیم کرتا ہوں کہ شاعری میں نمک مرچ بھی لگایا جاتا ہے لیکن شعر کی قابلیت کا کافی لحاظ رکھتے ہوئے بھی اس امر واقعہ کی طرف سے چشم پوشی نہیں کی جاسکتی کہ اگر نظم تہذیب اخلاق کے بجائے صرف تفریح کا سامان ہی ہوتا کر سکتی ہو تو ایک قوم کے ادبیات کی اعلیٰ ترین غرض مفید ہو جاتی ہے اور وہی نظم جو روزانہ زندگی کے بے شمار حقائق پر مشتمل ہے اور جسے قوم کے اقتصاد و عمل حصہ حیات پر عظیم الشان اثر حاصل ہے، بے سود ثابت ہوتی ہے۔ میں آپ کو یقین دلانا ہوں کہ میں نظم کی توہین نہیں کرنا چاہتا لیکن نظم سے میری مراد وہ مقدس نظم ہے جو براہ راست ہمارے قلوب پر اثر ڈالتی ہے اور یہیں عوام کا لانا عام کے دائرہ سے نکال کر روحانی بلندی کی طرف لیجاتی ہے۔ بیمار یا اندوہ کی حالت میں اگر ہمیں ایک شعر یا ایک معنی خیز فقرہ سنا دیا جاوے تو ہم ایک تازگی اور نشاط محسوس کرتے ہیں لیکن اخلاقی یا روحانی ترقی کا اثاثہ کرنے کے لئے ایسے مادی درجات مقرر نہیں ہیں جیسے ایک ظاہری حرکت کے اندازہ کے لئے ہو سکتے ہیں اور یہ ترقی سطحی تازگی اور خوشی کی بنا پر تیز ہو سکتی ہے۔ بلکہ اس روحانی ترقی کا اعتبار صرف تبدیل و محنت سے ہو سکتا ہے جس کی واضح مثال کے لئے میں آپ کو ایک انڈس کی طرف توجہ دلاتا ہوں کہ وہ رفتہ رفتہ ایک کیرٹھین جاتا ہے اور کچھ مدت کے بعد پروال نکال کر اڑنے لگتا ہے۔ جو نظم اس قسم کا روحانی اثر نہ پیدا کر سکے وہ میرے نزدیک محض وقت اور قابلیت کو ضائع کرنے کے مترادف ہے۔ نظم کو انسانی طبیعت میں بڑا اثر ہوتا ہے۔ وہ قلوب کو جس سانچے میں چاہے ڈھال سکتی ہے، خیالات میں بلندی پیدا کر سکتی ہے اور انسان کو مادی خود غرضی سے نجات دلا سکتی ہے اور حیب اُس کا غلبہ العین و دست ہوتو یہ اعلیٰ ترین طاقت ثابت ہوتی ہے۔ لیکن بخلاف اس سے مقصود صرف یہ ہو کہ چند کوتاہ بین و پست خیال لوگ تھوڑے عرصہ کے لئے اس کی تعریف و توصیف کے نعرے لگائیں تو یہ یقیناً ایک عجیب بدی کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ میرا خیال ہے کہ بعض اوقات مضمون واحد پر کچھ شعرا کے خیالات سچا سمجھتوں کے اخلاقی منزل کا اظہار ہوتا ہے۔ میں نے مسلمانان ہند کی کمزوریوں پر ہمیشہ غور کیا کہ اور میرے نزدیک اُن کی سب سے بڑی کمزوری یہ ہے کہ اُن میں "عزت نفس" کا مادہ نہیں رہا۔ "قول مردان جان دارد" سے زیادہ ترقی پر اُبھارنے والا اور کوئی مسلح نظر نہیں ہو سکتا۔ میں بے شک کہتا ہوں کہ جب تک مسلمانان ہند اس دست و پاؤں پر کار بند تھے ہر قوم اُن کی عزت کرتی تھی اور وہ ہر قسم کی نیکی و شرافت کے مظہر تھے لیکن بعد میں جب اُن کے اس اعتقاد میں خلل

پیدا ہو گیا تو اُن پر ادب کی گٹھائیں چھا گئیں۔ پہلے تو وہ ”قول مردانِ جاں دار“ کے معتقد تھے لیکن اس کے بعد اُن کے اعتقاد میں جو تبدیلی پیدا ہوئی وہ اس مصرعے ظاہر ہوتی ہے۔

”وعدہ آسان ہو وعدہ کی وفا مشکل ہو“

یہ مصرعہ ایکسٹین انقلاب کا منظر ہے لیکن اس سے بھی زیادہ وضاحت اور اختصار کے ساتھ یہ تبدیلی ذیل کے الفاظ میں بیان کی گئی ہے جو یہ ہیں کہ: ۵

”وہ وعدہ ہی کیا جو وفا ہو گیا“

حضرات! میرے خیال میں یہ ضروری نہیں ہے کہ اس انقلاب پر ادبی پہلو سے کمال بحث کی جاوے اور ان فقرات کو مسلمانانِ ہند کے انحطاط و تنزل کے مختلف درجات کا قطعی منظر قرار دیا جاوے لیکن میرا اعتقاد ہے کہ اگر کسی قوم کے خیالات کا اندازہ اُس کی نظم اُس کی ادبیات اور روزانہ زندگی کے اعمال سے ہو سکتا ہے تو ان مصرعوں سے اُس مردانگی اور خودداری کے تنزل اور انحطاط کا پتہ چلتا ہے جس نے قرونِ اولے میں ہمارے آباؤ اجداد کو امتیاز بخشا تھا اور احساسِ فرض کا آلہ ہونے کی حیثیت سے جس کی بنیاد بھی تربیت یافتہ قلوب میں بڑے استحکام سے قائم تھی۔ مذہبی تربیت اخلاقی جرأت کے حصول پر اُبھارتی ہے اور اخلاقی جرأت و خودداری عزتِ نفس کا مادہ پیدا کرتی ہے۔ جن اُردو مصرعوں کا میں پہلے ذکر کر چکا ہوں اُن کا قرآنِ کریم کی اس آیت سے متقابل کر دو۔

واوفا بالعہد ان العہد کان مسعولاً

یقین کیجئے کہ ہمارے نصف مصائب کا باعث متانت و عزتِ نفس کا فقدان ہے۔ میرے نزدیک یہی وہ صفات ہیں جو تمام اوصافِ حسنہ اور ہمدردیِ انجی نوع کی جڑ ہیں۔ بے شبہ یہ صفات اس شریفِ حب وطن کا سرچشمہ ہیں جو ایک جماعت میں قوتِ تحریک پیدا کرتی ہے اور اس کے خیالات کو بلند بنادیتی ہے اور جس پر کار بند ہو کر لوگ مردانہ و اپنے فرائض ادا کرتے اور دیانت و متانت اور انصاف کی زندگی بسر کرتے ہیں اور اپنے حقداروں کی ترقی کے لئے تمام اُن مواقع سے جو انھیں حاصل ہوں پورا فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ اوصاف ہیں اُن بزرگوں کی مثال اور یاد تازہ رکھنے کے قابل بننا

ہیں جو اگرچہ اب دنیا میں موجود نہیں ہیں لیکن وہ ایک ایسا زبردست اثر اپنے پیچھے چھوڑ گئے ہیں کہ وہ ایک لازوال میراث ہے جس کا اثر ہر شے میں جلوہ اٹھتا ہے اور ہمارے لئے نشان قدم کا کام دیتی ہے۔ یہ ہماری اور خود اسلام کی خوش قسمتی ہے کہ مسلمانوں میں اپنی اصلی حیثیت کو سمجھنے کا میلان پیدا ہو رہا ہے اور یہ امر حوصلہ افزا ہے کہ اب تمام اقوام ہند کے مسلمان متحدہ طاقت سے نہ صرف خرابیوں کا مقابلہ کر رہے ہیں بلکہ اُس نقصان کی تلافی کے لئے کوشاں ہیں جو گزشتہ نصف صدی میں انھیں پہنچا ہے اس بیداری کی تین علامتیں آل انڈیا محمدی ایجوکیشنل کانفرنس کا وجود ہے جو زندہ جاوید سرسید کی قابلیت اور دور اندیشی سے معرض وجود میں آئی اور اسی کے ساتھ شعبہ نظم کی وہ مخصوص قوت ہو جو علی گڑھ تحریک کے دوش بدوش شروع ہوئی اور جس کے بانی مولانا خواجہ الطاف حسین صاحب مالی جیسے بزرگ ہیں۔

تیسری مقدمہ ہذا حضرت اہل تعلیم ایک نہایت وسیع الحدود مسئلہ ہے۔ تعلیم کی نوعیت اور طریق عمل طلب ہے | تعلیم پر دونوں ایسے سوال ہیں جو ترقی یافتہ مغرب میں بھی کوئی قطعی صورت اختیار نہیں کر سکے۔ اس حیران کن عقدہ پر فضلاء و ماہرین سیاست نے بہت کچھ بحث کی ہے۔ بے شمار نقاد موجودہ طریق کو قابل تسخیر قرار دے چکے ہیں اور ایک کثیر التعداد گروہ ایسا بھی ہے جو اسے اب تک تھامے ہوئے ہے اور جس کے خیال میں یہ بہترین اور موافق ترین طریق ہے۔ اس کے ساتھ ہی اکثر ماہرین فن کی یہ رائے ہے کہ آئندہ تعلیم میں مذہبی اور اخلاقی پہلو غالب رہنا چاہئے اور اس میں یہ خصوصیت نمایاں ہونی چاہئے کہ وہ عملی زندگی کی ضروریات کے موافق ہو۔ اس اختلاف آرائی کے ایک بحث کی صورت پیدا کر دی ہے اور نتیجہ یہ ہے کہ اب تک بھی کوئی ایسا طریق متیقن نہیں ہو سکا جس کے مطابق آئندہ تعلیم کی نوعیت کا فیصلہ کیا جاسکے۔ میراث ذاتی خیال تو یہ ہے کہ ہماری قوم کے لئے جسے غربت یا افلاس یا ایک ایسی حالت نے جو سیاسی تنزل کے بعد ظہور پذیر ہوا کرتی ہے بڑی سختی سے دوبار دکھا ہے۔ مختلف تعلیمی اصولوں کا عملی تجربہ یا جدید اور غیر آزمودہ طریقوں کا اجرا ایک ایسی بے عنوانی ہو گئی جس کے بد نتائج کی وہ کسی صورت میں بھی تاب نہیں لاسکتی۔

ہم کو ترشہ دستور ملے | ہمیں لازم ہے کہ تمام مقاصد و اغراض کے لئے اُسی دستور مل پر عمل کر لیں | مالی ہنر لازم ہے |

جو ہماری قوم کی خاص ضروریات کے مناسب حال ہوں۔ میرے اس بیان سے آپ یہ نہ سمجھ لیں کہ میرا مطلب اس سے یہ ہے کہ گورنمنٹ کی پالیسی تعلیم کے متعلق درست اور اٹل ہے یا یہ کہ ہم کو پس و پیش کا کچھ لحاظ نہ رکھنا چاہئے اور نہ دیکھنا چاہئے کہ اس ہم پر کیا اثر کیا ہے۔ میرے خیال میں گورنمنٹ کی تعلیمی پالیسی کا لب لباب صاف طور سے ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے جو انڈین ایجوکیشن پالیسی (مطبیعہ گورنمنٹ آف انڈیا ۱۹۰۶ء) سے میں اخذ کرتا ہوں:-

”طریقہ تعلیم جس کا اس طرح رواج دیا گیا ہے اُن تمام دماغی ترقیات کے لئے جو ایک مذہب قوم کے نمایاں شان ہوں، مختلف ممالک کے لحاظ سے سامان موجود ہے۔ اس سے تعلیم شخص (ریسرچ) کے متعلق طلباء کی تمام خواہشات قابل اطمینان طور پر پوری ہوتی ہیں۔ اس سے گورنمنٹ کے لئے متدین اور ہوشیار ملازمین بہم پہنچتے ہیں۔ اس سے ایسے کاریگریاں ہوتے ہیں جو ہر ایک شعبہ تجارت کے لئے جو ہندوستان میں مستحکم طور پر قائم ہو گئی ہے کارآمد ہوتے ہیں۔ اس سے ملک کے ذرائع ترقی کو امداد پہنچتی ہے اور فنون لطیفہ اور صنعت و حرفت کو ترقی ہوتی ہے۔ اس سے ملک کی ہر ایک جماعت کو اُن کی ضروریات زندگی کے مناسب حال تعلیم ہوتی ہے، اور ان اغراض کے حصول کے لئے یہ طریق تعلیم ایسے طور پر مدون کیا گیا ہے جس سے تعلیم غیر محدود طور پر پھیل سکتی ہے کیونکہ تعلیم کی مانگ بڑھتی جاتی ہے اور حکومت اور پبلک کی طرف سے ایک بڑے پیمانے پر فیاضانہ امداد ملتی جاتی ہے۔“

یہ پالیسی جناب گورنر جنرل باجلاس کونسل نے سن ۱۹۰۶ء میں ظاہر کی تھی، اور یہی پالیسی آج کے دن تک چلی آتی ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ گورنمنٹ کی پالیسی جہاں تک کہ وہ خاص شخص ضروریات پر مؤثر ہے، سخت ثورث نہیں ہے۔

مذہبی تعلیم | یہ صاف جہاں ہے کہ گورنمنٹ بھی اس امر کو تسلیم کرتی ہے کہ اُس کی پالیسی ”غیر محدود وسعت“ کی محتاج ہے۔ بعض بڑے بڑے اصول کے لحاظ سے البتہ ہم کو اس عام طرز تعلیم کے ساتھ ساتھ چلانے پڑے گا جو ہندوستان میں مروج ہے لیکن اس سے پس کوئی امر مانع نہیں ہے کہ ہم اس کو ایک ایسے سانچے میں ڈھال دیں جس سے کسی ایسی قوم کی ضروریات پوری ہو سکیں۔

جس کے مذہبی اور اخلاقی خیالات کی بنیاد اس کی قدیمی روایات قوی پر ہو اور وہی اس کی
 بہترین پونجی ہو۔ میرا اعتقاد ہے کہ یہ ایک دستور ہوگا ہے کہ جو شخص اس بات پر زور
 دیتا ہے کہ طریقہ تعلیم میں مذہبی تعلیم کو ممتاز درجہ اور اونچی جگہ ملنا چاہئے اس پر خوب لے
 دے کی جاتی ہے۔ ایک ایسے زمانہ میں جیسا کہ زمانہ موجودہ ہے جس میں مشین اور دستوں
 کے شور و شغب سے لوگوں کا اکثر ناک میں دم کی جاتا ہے مجھے شک ہے کہ کہیں میرے
 اُن مذہبی خیالات پر جو میں نے ظاہر کئے ہیں یہ فتویٰ تو نہیں لگا دیا جائے گا کہ یہ ایک مادی
 کے خیالات ہیں یا ایسے خیالات ہیں جن میں دیوانگی کا اثر پایا جاتا ہے۔ لیکن مسلمان ہند کے امیج رتی
 پر بیچانے کے متعلق آپ کے کچھ ہی خیالات کیوں نہ ہوں اور اس کے متعلق آپ کی تجاویز کو کچھ
 قرار کیوں نہ دی گئی ہوں مجھے یہ عرض کرنے میں کچھ بھی تامل نہیں ہے اور میں نہایت زور کے
 ساتھ کہتا ہوں کہ ہم بہترین عملی انسان اور بہترین دستور قوم اور عظیم الشان سلطنت کے بہترین شہری
 اُسی وقت بن سکتے ہیں جب کہ ہمیں اُس تعلیم کے ساتھ ساتھ جو سرکاری اسکولوں اور کالوں میں
 دی جاتی ہے۔ مذہبی تعلیم و تربیت بھی کافی طور پر دی جاوے۔ میری تو یہ قطعی رائے ہے کہ قوی
 ذہنی کی تعلیم و تربیت جو مذہب سے معزاً ہو یا زیادہ محنت کے ساتھ یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ تعلیم جس کا
 باگ مذہب کی بات میں نہ ہو وہ زیادہ سے زیادہ ایک قابل اعتراض ذہانت و جدوجہد طبع پیدا کر لے گا۔
 تعلیم جو مذہب سے معزاً ہو وہ ایسے آدمی پیدا کرتی ہے جو ذہانت کے پہلوان کہلائے ہیں۔
 جس شخص کو اچھی طور سے مذہبی تعلیم دی گئی ہو خواہ وہ کسی فرقہ کا آدمی ہو کیونکہ میرا اعتقاد
 ہے کہ تمام مذاہب کے بنیادی اصول جو اچھے طریقے سے سکھائے گئے ہوں حقیقتاً ایک ہی
 ہوتے ہیں، وہ ایک ایسا فرد ہوتا ہے جس کے اندر ایک ایسی طاقت کام کرنے والی ہوتی ہے
 جو اُس کے قلب پر طمرانی کرتی ہے جو نیک خیالات، صالح ایمان اور نیک زندگی بسر کرنے کی
 تحریک کی قوت کا منبع ہے۔ اور یہی وہ کارکن طاقت و قوت تھی جو گزشتہ صدیوں میں شہرِ آفاق
 بہادرانِ اسلام میں جاری و ساری تھی۔ یہی وہ چیز تھی جس نے جاں نثارانِ پیغمبرِ علیہ السلام اور
 قلم بردارانِ اسلام کو ہر بات کا مردانہ و مردانہ دار مقابلہ کرنے ہر مصیبت کو برداشت کرنے اور ہر طرح کا
 ایثار کرنے اور اپنے فرض کی انجام دہی میں مذہب نہ ہونے کے قابل بنا دیا تھا، اور یہی وہ زبردست
 مذہبی اور اخلاقی جذبہ ہے جس کی بدولت پیرِ و ان پیغمبرِ علیہ الصلوٰۃ والسلام عام انسانی گروہ سے جدا
 ممتاز نظر آتے ہیں اور جب ہم ان کے سوانح اور حالات زندگی پڑھتے ہیں تو اپنے آپ کو ان کے

مقابلہ میں ایسے پست درجہ پر پڑتے ہیں کہ ہمارا خون خشک ہوتا ہے، دل میٹھ جاتا ہے اور اعضا میں ریشہ پیدا ہو جاتا ہے۔ وہ ہم کو سرتاسر ایسی خوبیوں اور اوصاف سے مصفت نظر آتے ہیں جو کسی قوم کے فخر اور افتخار و اعزاز کا باعث ہوتی ہیں۔ وہ مثل منور اور روشن تاروں کے ہر زمانے اور ہر وقت میں تاباں اور درخشاں رہیں گے۔ ان کے کارناموں کی تابانی سے تاریخ کے صفحات منور ہیں اور ہم کو اس امر کا پر زور احساس دلاتے ہیں کہ ایک زمانہ میں اُن کا وجود تھا اور وہ جائز حیات میں تھے۔ کوئی شخص ایک لمحہ کے لئے بھی مقبولیت کے ساتھ اس امر کا ادعا نہیں کر سکتا کہ علوم مشرقیہ اور مذہبی تربیت کی کافی استعداد لائق اور شایستہ افراد پیدا کرنے سے قاصر ہوگی۔ دور کیوں جاتے ہو۔ آپ تسلیم کریں گے کہ سر سید احمد، نواب و قار الملک اور ایسے ہی دیگر بزرگوں نے آپ کی پونی و ریشی سے کوئی استفادہ حاصل نہیں کیا۔ لیکن مجھے اُمید ہے کہ کسی کو اس میں کلام نہ ہو گا کہ یہ لوگ عام انسانوں سے بالاتر ہیں۔ اور ایسے بالاتر جو اپنی شخصیت اور قوت کے نشان چارہی جماعت کے اخلاق پر چھوڑ گئے ہیں۔ مگر سوال یہ ہے کہ ان کی تعلیم کس قسم کی ہوئی، محض قومی تعلیم یا زیادہ محنت کے ساتھ یہ کہہ سکتے ہیں کہ خالص مشرقی تعلیم اور اگرچہ ان کو بھی جو کچھ ذہانت اور قوتِ مافی کے لحاظ سے عام انسانوں سے بالاتر درجہ دیا جاتا ہے مگر ان کی تعلیم و تربیت کی بنیاد عربی و فارسی ہی پر تھی۔ میں سمجھتا ہوں کہ آپ میں سے بعض حضرات جھکاؤ اس فلسفہ سے سے خاموش کرنا چاہیں گے کہ وہ لوگ زمانہ کے ارتقا کا نتیجہ تھے، لیکن میں عرض کروں گا کہ اُن کی ذہانت و عظمت کی عمارت کی بنیاد میں مشرقی تعلیم اور محض مشرقی تعلیم ہی تھی۔

حضرات! میں اس موقع پر زمانہ حال کی تعلیم کے برخلاف و عظمتیں کہتا ہوں۔ مجھ کو مغربی تعلیم کے فوائد کا بخوبی احساس ہے حقیقت یہ ہے کہ ممکن نہ تھا کہ بغیر مغربی تعلیم و مذہب کے مسلمانان ہند اپنے تنزل و انحطاط کی روک تھام کر سکتے تھے جس میں وہ اُن تعصبات اور ضعیف الاعتقادات کی بدولت گرتے چلے جا رہے تھے جو ان کی سیاسی قوت کے جاتے رہنے سے اُن میں پیدا ہوئے تھے اور جو ان کی جماعت کو اندر ہی اندر گھن کی طرح برباد کر رہے تھے میرا وہ حقیقت یہ اعتقاد ہے اور اس میں تحالف رائے کی گنجائش نہیں ہے کہ اگر ہم بحیثیت قوم کے چاہتے ہیں کہ زندگی کی جنگ و دوڑ میں دیگر اقوام کے مقابل اپنی ہستی کو قائم و برقرار رکھیں تو ہمارے نظام تعلیمی میں نہایت موجودہ کی تعلیم و تربیت کو اول جگہ ملنا چاہئے۔ لیکن میں عرض کروں گا اور پھر سے اعتقاد کی بنا پر عرض کروں گا کہ من حیث القوم ہم اپنی شخصیت و جداگانہ حیثیت کو کھو بیٹھیں گے اگر

ہم نے اس ضروری مغربی تعلیم و تربیت کے ساتھ اپنی مذہبی تعلیم کو جس کی بنیاد قرآن و حدیث پر ہے کافی طور سے باہم آمیز کر رکھی، ظاہر ہے کہ سرکاری اسکولوں اور کالجوں میں ہم کو کوئی ایسی تعلیم جو مذہبی جوہنیں مل سکتی لیکن مجھے اس امر کا کمال یقین ہے کہ خود ہمارے قومی کالجوں اور اسکولوں میں ہمارے لئے کوئی امر مانع نہیں ہے کہ ہم اس کو بہترین شکل میں نہ مہیا کر سکیں، اور اس موقع پر میں اپنا دلی خیال آپ کو بتاتا ہوں، یعنی اُس شخص کا دلی خیال جس نے پرانی روایات کی بنا پر تعلیم پائی ہے اور جو زمانہ حال کی تہذیب و شائستگی سے بھی کوئی بغیر نہ تھا وہ نہیں رکھتا کہ اگر اس خصوص میں آپ کی مجوزہ یونیورسٹی انتظام کرنے سے قاصر ہے گی تو وہ اپنے اس حقیقی مطلب و مدعا میں ناکام رہے گی جس کی دولت وہ قوم کی نظروں میں ہر دلعزیزہ مفید اور تمام قوم کے لئے فائدہ رساں اور عملی کام کرنے والی ثابت ہوگی، مزید برآں میں عرض کر دوں گا کہ آپ کی مجوزہ یونیورسٹی کی مشرقی تعلیم کا پہلو نہایت مستحکم اور مضبوط ہونا چاہئے اور عربی تعلیم و فیات کی ڈگری کے لئے وسیع سہولتیں اور سامان مہیا ہونے چاہئیں۔

تعلیم عربیہ | میں عربی علم ادب کو بیروان اسلام کی تعلیم کے حق میں نہایت قیمتی خیال کرتا ہوں
بجانب فارسیہ | اور میں اس کو فارسی پر جو مغلوں کی حکومت میں عدالتی زبان تھی قطعی طور سے ترجیح دیتا ہوں۔ شاہان مغلیہ کے وقت میں ہماری کتب دینی اور دنیات کا علم فارسی زبان میں نہیں تھا بلکہ عربی زبان میں تھا اور فارسی کی حیثیت اُس وقت مذہبی تھی جو اس وقت ہندوستان میں انگریزی زبان کی ہے، یعنی ملک کی عدالتی زبان۔ فارسی کا کام اب انگریزی نے لے لیا ہے اور اس لئے میری رائے ہے کہ اسے ترک کر دینا چاہئے اور عربی زبان کو اپنے نصاب تعلیم میں داخل کرنا چاہئے۔ مجھے اس امر سے انکار نہیں ہے کہ فارسی نے عربی کے اختلاط سے علم ادب پر بہت عہدہ اُتر ڈالا ہے۔ ہماری قوم کے بہت سے افراد انگریزی اور عربی کو پڑھیں اور کسی دوسری مثلاً زبان کا بوجھ نہ اٹھائیں جس کے شمول سے زندگی کی دوڑ میں ہمارے لئے رکاوٹیں پیدا ہوتی ہیں۔ میں اس سوال پر بحث کرنے سے کہ قوم کو مذہب کی اور عربی کی تعلیم کے لئے کن ذرائع اور طریقوں کو اختیار کرنا چاہئے، بلا ضرورت آپ کی سمجھ سزاخی نہیں کرنا چاہتا۔ یہ تفصیلات ہیں اور مجھے یقین ہے کہ جب مختلف شعبہ ہائے تعلیم کے نصاب کی اسکیمیں مدون کی جائیں گی تو وقت ان پر مناسب طور سے توجہ کی جائے گی۔ عربی اور مذہبی تعلیم کو ترقی دینے کے لئے

میں دیجاتی تھیں کہ کل طور سے غلبہ پایا ہے اور نگاہ اور دوسری طرف کتب و رسد نے جو طلباء کے توت یاد رہی کہ جو سمجھتے ہیں نہ ان کی ذہانت کو نتیجہ یہ ہے کہ بعض طبائع اور ذہن طالب علم میں غیر مفید اور سخت طریقہ تعلیم کے بلکہ بند توڑ کر ابھرتے ہیں لیکن ایک کثیر تعداد "کتب و رسد" غلامی اور امتحانات کے بلکہ بندوں کا آہستہ آہستہ شکار ہو جاتے ہیں۔ مجھے امید ہے کہ ہماری یونیورسٹی موجود الوقت یونیورسٹیوں کی اندھی تقلید نہیں کرے گی۔ اور جب اس کے مفاد اور ضوابط کے تدوین کا وقت آئے گا تو موجودہ طریقے کے نقائص و عیوب کو فراموش نہیں کروایا جائے گا۔

اعلیٰ تعلیم استحکام یونیورسٹی کا نظام تعلیم جس سے میری مراد اعلیٰ تعلیم سے ہے، خواہ وہ براہ راست حاصل کی جاتی ہے یا غیر اس ملک میں استحکام کو پہنچا ہے۔ اس پر صرف خوردہ گیری کرنا ہی کافی نہیں بلکہ اس کے نقائص کا پتہ لگانے، اس کی اصلاح کرنے، اسے مضمرات سے پاک کرنے اور نئے و علم کی حقیقی ضروریات کے مطابق بنانے کی ضرورت ہے۔ اس موقع پر میں امید کرتا ہوں کہ آپ معائنہ فرمائیں گے اگر میں اصل بحث سے کچھ تجاوز کر دوں۔ رسالوں اور عام اخبارات میں جو کچھ شتہ چینی اعلیٰ تعلیم کے نقائص ہونے کے متعلق کی جاتی ہے اس سے بعض لوگ یہ خیال کرنے لگے ہیں کہ گورنمنٹ اس ملک میں اعلیٰ تعلیم کو دست کش ہونے کا کوئی بہانہ تلاش کر رہی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ گورنمنٹ نہ تو دست کش ہونا چاہتی ہے اور نہ ہو سکتی ہے۔ جب کہ ایک مرتبہ اس نے بیس ڈینی و عقلی حیثیت سے مغرب کا حصہ دار بنا دیا ہے تو اس کا یہ مقدس فرض ہے کہ وہ ہمارے اس حق کو برقرار رکھے اور اسے وسعت دے۔ نہ کہ اس کو محو کر دے۔ لارڈ میکالے نے (جو اس نے) میں کونسل کے مشیر قانونی اور سررشتہ تعلیم کی مجلس کے صدر تھے) جو پالیسی مشن افریقہ میں کوڈلٹ ڈائمر گزرتے اپنے مشہور مراسلے میں اس پالیسی کو وسعت دی تھی جس میں انھوں نے اس فیصلہ کا اعلان کیا تھا کہ گورنمنٹ کو ہندوستان میں مغربی تعلیم کی وسیع اور باقاعدہ ترقی مستعدی کے ساتھ انداد دینا چاہئے۔ مشن ۱۱ میں لارڈ ولیمز و ایرلینڈ تھے اس وقت سر جارجس وڈ (جو بعد میں وائیکونٹ میلٹیکس کہلائے) ان کا مراسلہ ہندوستان کے لئے ایک تعلیمی اسکیم پر مشتمل موصول ہوا۔ اس مشہور مراسلہ کے الفاظ حسب ذیل ہیں:-

"..... کثیر التعداد اہم معاملات میں سے کوئی معاملہ مسئلہ تعلیم سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتا ہے یہ ہمارا ایک مقدس ترین فرض ہے کہ جہاں تک ہمارے امکان میں

ہو۔ ہم ہندوستان پر ان کا کثیر اخلاقی اور مادی برکات کے نزول کا ذریعہ بن جائیں جو علوم و فائدہ کی عام ترویج و اشاعت سے حاصل ہوتی ہیں اور جو ہندوستان انگلستان کے ساتھ اپنے تعلق سے حاصل کر سکتا ہے۔

اس سے ذرا آگے چل کر ماسلہ مذکور میں نہایت زور کے ساتھ ظاہر کیا گیا ہو کہ:-
جس تعلیم کو ہم ہندوستان میں وسعت دینا چاہتے ہیں اس کا مقصد ترقی یافتہ علوم و فنون، سائنس، فلسفہ اور ادبیات یورپ یا بالفاظ مختصر یورپین علوم کا پھیلاؤ ہے۔

جب ملک کی عزت و حکومت تلج بہ طامہ کے ہاتھ میں آئی تو ۱۹۵۵ء میں اس پالیسی کی جس کی بنیاد انکوئٹیشنکس نے ۱۹۴۷ء میں ڈالی تھی دوبارہ توثیق کی گئی۔ میں آپ کو یاد کرتا ہوں کہ اب اس پالیسی سے دو گردانی کا کوئی امکان نہیں ہے۔ برعکس اس کے تعلیمی مصداق یہ تھا کہ اب اس پالیسی سے دو گرتے جاتے ہیں۔ گزشتہ ۲۵ سال میں عام اخراجات پارکروڈر سے سات کروڑ تک بڑھ گئے ہیں۔ اس موقع پر مجھے یقین ہے کہ ان الفاظ کے اعادہ کے لئے مجھے معافی مانگنے کی حاجت نہیں، جو ہزار ہر پریل بمبئی حضور شاہ شہناؤ مظلم نے کلکتہ یونیورسٹی کے ایڈریس کے جواب میں ارشاد فرمائے تھے۔ یہ وہ الفاظ ہیں جنہوں نے ہندوستان کے طول و عرض میں امید کی ایک برقی زد و بڑادی تھی، یہ الفاظ اعلیٰ دانش مندی، تدبیر اور فیاضی پر مبنی ہیں اور یہ ایسے الفاظ ہیں جو ہر طالب ہندوستانی کو سونے کی تختی پر نقش کر کے اپنے پاس رکھنے چاہئیں اور جو ہندوستان کی تعلیمی پالیسی کا نشان انبیا ز ہیں۔

شہناؤ مظلم ہمارے ہر کسی نے ارشاد فرمایا تھا:-

تعلیمی مستقبل پر | ہندی زمانہ کوئی یونیورسٹی مکمل نہیں ہو سکتی تاؤ قدیم علوم و فنون کے قائم اہم شعبوں کے متعلق تعلیمی ٹیکٹیاں اور تحقیق و ترقی کے پورے مواقع اس میں ہیانا ہوں۔ ہمیں معلوم قدیمہ کو محفوظ رکھنا ہے اور اسی کے ساتھ مغربی علوم کو ترقی دینا ہے۔ ہمیں کیرکڈ سیرت، بھی پیدا کرنا ہے جس کے بغیر تعلیم کوئی قدر و قیمت نہیں رکھتی تم کہتے ہو کہ تم اپنی عظیم الشان ذمہ داریوں کو محسوس کرتے ہو۔ میں اس کام کے لئے جو تم کو درپیش ہے تمہارے لئے سے کامیابی کی دعا مانگتا ہوں۔ اپنے مطمح نظر کو بلند رکھو اور ان کی مساجح کیل میں فرق نہ آنے دو اور خدا کے فضل و کرم

سے تم ضرور کامیاب ہو گے۔ چھ سال قبل میں نے انگلستان سے ہندوستان کو ایک پیغام ہمدردی بھیجا تھا اور آج ہندوستان میں موجود ہو کر میں تمہیں نوید اُمید دیتا ہوں۔ ہر طرف مجھے نئی زندگی کے آثار اور علامتیں دکھائی دیتی ہیں تعلیم نے پتھر سے لوہے میں اُمید پیدا کی ہے اور اعلیٰ اور بہتر تعلیم سے تم کو اعلیٰ و بہتر اُمیدیں حاصل ہوں گی۔ میرے حکم سے دہلی میں یہ اعلان کیا گیا تھا کہ میرا نائب السلطنت باجلاس کوئل ہندوستان میں مسافر و ترقی تعلیم کے لئے پیش قرار رقوم وقت کرے گا۔ یہ میری آرزو ہے کہ ملک میں اسکولوں اور کالجوں کا ایک جال بچھا دیا جاوے جس سے وقادار جوانوں اور کارآمد شہری پیدا ہوں جو صنعت و حرفت، اُرداقت اور زندگی کے تمام دیگر شعبوں میں اپنے پاؤں پر کھڑے ہو سکیں۔

میری یہی تمنا ہے کہ اشاعت و ترویج علم سے میری ہندوستانی رعایا کے گھر روشن و منور ہوں ان کی محنت و مشقت میں خوشی و خرمی پیدا ہو اور ان پر بلند خیالی، آرام و آسائش اور تندرستی و صحت کے تمام فوائد حاصل ہوں جو علم کے لوازمات میں سے ہیں۔ میری آرزو صرف تعلیم کے ذریعے سے پوری ہو سکتی ہے اور ہندوستان میں اشاعتِ تعلیم کا مقصد ہمیشہ میرے زیر نظر رہے گا۔

ان سے زیادہ شرفیاء الفاظ اور شریف زبان نہ کبھی سنی گئی اور نہ بیان کی گئی ہو اور نہ گورنمنٹ کا رویہ اس سے کچھ مختلف ہے۔ تعلیم کے متعلق پنجاب، رپورٹ جوئر ایسی لارڈ مارٹن (یعنی وہ عالی شان اور قرائع دل مدبر جو اس وقت ہندوستان پر حکمران ہے) اس کے بعد حکومت میں شائع ہوئی ہے۔ اس میں صاف اور صریح الفاظ میں گورنمنٹ کی تعلیمی پالیسی اس طرح بیان کی گئی ہے۔

یہ بیان کرنے کے بعد کہ یونیورسٹیوں اور کالجوں کے نظام میں اصلاح شروع ہو گئی ہو اور پبلک فنڈ (سرمایہ عام) سے غیر سرکاری تعلیم گاہوں کو جو مدد دی جاتی ہے وہ گزشتہ نو سال میں دو چند کر دی گئی ہے اس میں تحریر ہے کہ:-

..... ان عظیم الشان فوائد سے جو تعلیم نے ہندوستان کو بخشے ہیں نہ انکار کرنا

جائے اور نہ ان کی قدر و قیمت گمانا چاہئے۔ غیر کل معلومات کی بنا پر جو تحقیقات کی جاتی ہیں وہ اکثر غلط ہوتی ہیں مثلاً یہ قرین انصاف نہیں ہے کہ ہندوستانی طریقوں کا جو ابھی ابتدائی حالت میں ہیں مغربی دنیا کے موجودہ طریقوں سے جو تکمیل کو پہنچ چکے ہیں مقابلہ و موازنہ کیا جائے یا نظام تمدنی اور تو اسے ذہنی کے اثرات کو نظر انداز کیا جاوے۔ مزید برآں یہ عام الزام کہ ہندوستان کا اعلیٰ تعلیم کی بنیاد پر تعلیم کی نازک اور کمزور بنیاد پر رکھی گئی ہے اور یہ کہ اس ذرائع ناکافی ہیں ایک ایسا الزام ہے جو یورپ کے ہر ملک پر کسی نہ کسی وقت میں لگایا جاسکتا تھا۔ ہندوستان ایسے منازل سے گزر رہا ہے جو دوسرے ممالک نے دوسرے زمانوں میں طے کئے ہیں۔

فورا الفاظ ذیل پر غور فرمائیے:-

..... اپنی پالیسی میں سب سے پہلے گورنمنٹ نے تعلیم طلباء و اذکار کو بھروسے کے کرکٹر (سیرت) کی تربیت کی خواہشمند ہے۔ سیرت کے پیدا کرنے میں کھر کے اثر اور معلم کی ذات کو بڑا دخل ہے۔ سابقہ تجربہ کی بنا پر اس امید کی کافی وجہ موجود ہے کہ جوں جوں بہتر تعلیمی حالات کے زیر اثر تعلیمی آسانیاں برحق جاییں گی شمول اصلاح کی صورت پیدا ہوگی۔ تعلیم نسواں پہلے کی اور بہتر معلمین دستیاب ہوکر گئے۔ اب تک مذہبی اور اخلاقی کافی امداد بھی دی جا چکی ہے اور اس اصلاح کے بہت وسیع مئی لئے گئے ہیں۔ یعنی بلا واسطہ مذہبی اور اخلاقی تربیت کو علاؤ بالواسطہ طریقوں پر بھی یہ مشتمل ہے جن میں نامحاذ طریق، اجتماعی زندگی، روایات، انتظام ماحول حفظان، صحت کی بہتری اور تعلیم کا نہایت ضروری پہلو یعنی جہاں ترقی اور نظام تفریح بھی شامل ہے۔

اس خیال کی ایک اور عملی تردید کہ گورنمنٹ تعلیمی حوصلہ افزائی کی طرف سے ہاتھ کھینچ لیا چاہتی ہے اسلامیہ کالج پشاور کے قیام میں موجود ہے۔ جو یہاں سے کچھ زیادہ قابلہ پر نہیں ہے اور جو سربا راج رجسٹریشن کی گھربانی اور کشادہ دلی اور صاحب ادوار و عہد القیوم صاحب کی حب وطن اور محنت کی یادگار ہے۔ پشاور میں اس تعلیمی تحریک کی اہمیت کے متعلق اشارہ کرتے ہوئے سرٹار کوٹ بٹلر نے فرمایا تھا کہ:-

دورہ تجیر کے دہانہ کے سامنے ایشیا کے اس مشہور شاہراہ پر کھڑے ہو کر میں اعتراف کرتا ہوں کہ میرے تصور اور قوت تخیل پر اس آئندہ روشنی کا زبردست اثر پڑا ہے جو اس اسکول اور کالج کے زہرمت اس صوبہ میں بلکہ ایشیا کے دور دراز گوشوں میں منکسر ہو کر پھیل گئی۔

ہم نہایت جوش کے ساتھ یہ امید کرتے ہیں کہ سر ہارکورت بٹر صاحب کا خواب پورا ہوگا۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہاں اس تازہ گراں قدر نیافتی کا ذکر کرنا نامناسب نہ ہوگا جو اسلامیہ کالج لاہور کے متعلق کی گئی ہے یہ کالج زندہ دلان پنجاب اور بالخصوص انجمن حمایت اسلام لاہور کے ایثار اور حب وطن کی زندہ مثال ہے۔ اس کے علاوہ مسلمانان ہند اس کی تعلیمی ترقی کے لئے مالی امداد، کلکتہ مدرسہ کو اعلیٰ درجہ کے کالج تک پہنچانے کی منظور کی ایک یونیورسٹی ڈھاکہ میں اور دوسری پٹنہ میں قائم کرنے کا فیصلہ اور رنگون (ملک برہما) میں ایک عیسوی یونیورسٹی کے قیام کی تجویز۔ یہ سب ایسے امور ہیں جن کی اہمیت سے انکار نہیں ہو سکتا، میں خیال کرتا ہوں کہ یہ اور اسی قسم کی دیگر تحریکات اس غلط فہمی کی تردید کے لئے کافی ہیں کہ گورنمنٹ کی آئندہ پالیسی ہندوستان میں یونیورسٹی کی تعلیم کی ترقی و اشاعت کو محدود اور کم کرنا ہے۔ اس کے لئے ضرورت ہوگی کہ تعلیم پر بڑی بڑی رقم خرچ کی جاوے جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تعلیم گراں ہو جائے گی لیکن گورنمنٹ کا منشا یقیناً یہ نہیں ہے کہ تعلیم کو مٹا دیا جاوے، برخلاف اس کے یہ ظاہر ہے کہ مذہبی اور اخلاقی تعلیم کو بہت اہمیت دی جا رہی ہے، اور اعلیٰ حکام اور ماہران تعلیم کی رائیں ایسی تعلیم کو اہم میں ہیں جو مذہب سے معز ہو۔ سر اینڈرو فریز صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ:-

”میں ایک اعلیٰ تر طریق کی خواہش ہے یعنی ایک ایسے طریق کی جو انسان کی اخلاقی

اور مذہبی تربیت کے دو خوش بدوش ذہنی اور جسمانی تعلیم کو بھی حاوی ہو“

(ماخوذ از ناٹھتھ سینچوری اکتوبر ۱۹۰۷ء)

مشہور مذہبی عالم اور ماہران فن تعلیم ڈاکٹر ولین کی نسبت کہا جاتا ہے کہ وہ ایسے انتہائی رفیق کے ساتھ جس کا اظہار شکل ہے یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ محض دنیوی تعلیم جان اور جس شخص کو بھی دی جائے گی اس کا نتیجہ قابل افسوس ناکامی کی صورت میں رہنا ہوگا۔

اے حضرات! ملک عظم کی تعمیر، مختلف سرکاری رپورٹوں کے اقتباسات سے اور ممتاز عمدہ داران سرکاری کے آراء سے صاف ظاہر ہے کہ اعلیٰ تعلیم کے متعلق قدم بہ قدم کیجئے

نہیں ٹھایا جاسکتا۔ یہ تمام رائیں جس عقیدے پر متحد و متفق ہیں وہ یہ ہے کہ کوئی تعلیم جو مذہبی اور اخلاقی تربیت سے محروم ہو وہ ضرور ناکام رہے گی۔ اس لئے میری یہ پختہ رائے ہے کہ مسلمانوں کی قوم کو جنھوں نے یونیورسٹی کی تحریک سے اپنی آئندہ نسلوں کی تعلیم کی خصوصیت اور تربیت کے حصول کا قیصلہ کر لیا ہے تو مذہبی تربیت کو نظر انداز نہ کرنا چاہئے۔ اب گزشتہ حالات کی طرف مراجعت نہیں ہو سکتی، لیکن جیسا کہ میں پیشتر عرض کر چکا ہوں، اس امر میں کچھ بھی شبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ آئندہ تعلیم گراں تر ہوتی جائے گی۔ بہتر مکانات، بہتر ساز و سامان، بہتر عملہ اور بہتر ماحول بلاشبہ آؤں گے۔ تعلیم کی ناصیت کو ترقی دینے والے ثابت ہوں گے۔ اور اس سے اس چیز کا حصول زیادہ آسان ہو جائے گا جسے گورنمنٹ نے اپنی پالیسی کا "مقصد اولین" قرار دیا ہے۔ لیکن یہ صورت مسئلہ پر نسبت سابق زیادہ اخراجات کی موجب ہوگی اور یہ امر صریحاً یہ ہے کہ گورنمنٹ نہ صرف اس حیثیت سے واقف ہے بلکہ ان روایات کے مطابق جو ایک روشن ضمیر قاضی اور ترقی کن حکومت کے لئے مخصوص ہوتی ہیں وہ اس سوال کے مالی پہلو پر توجہ کرنے کے لئے بھی تیار ہے۔

اب میں اس حالت کے متعلق عرض کرتا ہوں جو اعلیٰ تعلیم میں ہماری ہے۔ یہ لکھا جاتا ہے کہ اگرچہ ابتدائی تعلیم میں من حیث القوم ہماری حالت کسی قدر بہتر ہے لیکن اعلیٰ تعلیم میں ہم دیگر اقوام کے مقابلہ میں بہت پس ماندہ ہیں۔ تلافی مافات کی سخت ضرورت ہو۔ آئیں کالجوں میں ہمارا اوسط صرف ۱۰۔۲ ہے یعنی کالج کے ہر ترقی طلب علموں میں سے صرف دو تین مسلمان ہیں۔ کسی پیشہ کی تعلیم دینے والے کالجوں میں یہ اوسط اور بھی کم ہے یعنی صرف دو تین ہے۔ بناوٹی تعلیم میں بھی ہماری حالت کچھ اچھی نہیں ہے، اور تعلیم کے اداروں میں ہر ترقی طلب علموں میں صرف ۱۹ طلب مسلمان ہیں۔ عام تعلیم گاہوں میں بھی مسلمان طلباء کی تعداد دیگر اقوام کے مقابلے میں حوصلہ افزا نہیں ہے۔ صوبہ دار تفصیل پر اگر غور کیا جائے تو صوبہ دار اس میں ہر ترقی طلب علموں میں سے مسلمان تو ہیں بمبئی میں ۱۶، بنگال میں تقریباً ۱۸، مالک متحدہ میں ۱۵، پنجاب میں ۲۸، برہما میں ۲، مشرقی بنگال و آسام میں ۵۲، مالک متوسط و برہما میں ۹، کرگ میں ۲ اور صوبہ شمال و مغرب سرحدی میں ۱۳ صرف شمال و مغرب سرحدی و مشرقی بنگال و آسام ہی وہ صوبے ہیں جس میں مسلمانوں کا اوسط زیادہ ہے اور اس طرح پر یہ امر ظاہر ہے کہ اعلیٰ تعلیم میں ہنوز ہماری

حالت بہت بہت ہے اور ضرورت ہے کہ تلافی یافتہ کرنے اور دیگر اقوام ہند کے
دوش بدوش ہونے کے لئے مستقل اور تدریجی دست برد و جدوجہد کے کام لیا جاوے۔

حضرات! ایک اور پہلو بھی قابل غور ہے جو اگرچہ ابتدائے تعلیم سے علاقہ نہیں رکھتا لیکن
بالآخر اس سے گہرا تعلق رکھتا ہے وہ یہ کہ تعلیم کی مجموعی اور آخری صورت کیا ہونا چاہئے؟ میں
میں اس امر کے فلسفے پر بحث کرنا نہیں چاہتا کہ علم کو علم کی خاطر حاصل کیا جاوے۔ یہ اس بحث
ہے جس کو میں دیگر حضرات کے لئے چھوڑتا ہوں۔ لیکن میرے نزدیک جب ایک شخص کو خوراک
کی حاجت ہو تو فلسفہ اس کے لئے وجہ قسلی نہیں ہو سکتا اور اگر ہم ایک بھوکے اور قحط دیدہ گریجو
کے دل کو افلاطون کے اصول فلسفے کے بیان سے قسلی دینا چاہیں تو یہ وہ بات ہوگی کہ ایک گداگر
کے ہات میں جو روٹی کے لئے چلا رہا ہو ہم پتھر کا ٹکڑا دکھا دیں۔ میں دوسرے ممالک کی بات تو
جاننا نہیں کہ وہاں حالات مختلف ہیں، لیکن ہندوستان کی حالت کے لحاظ سے بالعموم ہمارے
لئے سوائے اس کے اور چارہ کار نہیں ہے کہ ہم اس قسم کی تعلیم کے حصول کی جدوجہد کریں جو
طنزاً "دال روٹی" کی تعلیم کہلائی جاتی ہے۔ اگر ہمارے تعلیم یافتہ نوجوانوں کا بیشتر حصہ سرکاری
ملازمت میں داخل ہوتا ہے تو میرے خیال میں اس کا سبب نتائج تعلیم کے متعلق فلسفیانہ
خیالات کی کمی نہیں ہے بلکہ اس قسم کے اقتصادی حالات ہیں جو دیگر معاملات کی بہ نسبت بدچھا
زیادہ ناقابل تخریب ثابت ہوئے ہیں۔ ہندوستانی تعلیم کے اس پہلو کے متعلق لارڈ کرزن کی جو
رہنمائی وہ گورنمنٹ ہند کے رزلوشن مورخہ الہ راجی سنگھ میں بالتفصیل مذکور ہے اور یہ
رزلوشن کا خلاصہ حسب ذیل ہے:-

..... مختلف اسباب نے جن میں سے کچھ تو تاریخی اور کچھ اجتماعی ہیں، یا ہم کہ
پرست انگلستان کے ہندوستان میں نمایاں صورت میں یہ نتیجہ پیدا کیا ہے کہ اکثر
طلباء جن سے اعلیٰ مدارس اور یونیورسٹیاں معمور ہیں، اپنے تئیں حصول معاش
کے قابل بنانے کی غرض سے داخل ہوئے ہیں۔ تعلیم یافتہ طبقہ سرکاری ملازمت کو
زیادہ قابل وثوق، زیادہ معزز اور زیادہ پسندیدہ طریق معاش خیال کرتا ہو
اور طلباء کی طرف سے ان کثیر التعداد منافع کی آرزو ان اسکولوں اور کالجوں کو
لپٹے ان مناسب فرض کی ادائیگی کے مانع آتی ہے جو آزادانہ تعلیم کے فخران کی
حقیقت سے ان پر عائد ہے۔ ان وجوہ کی بنا پر بار بار اس امر پر توجہ دیا گیا ہے کہ

ہندوستان میں تعلیم کے اعلیٰ فوائد کو اس رائج الوقت طریق سے سخت نقصان پہنچ رہا ہے کہ سرکاری ملازمت کے امیدواروں کا انتخاب یونیورسٹی اور اسکول کی سندھات پر منحصر رکھا گیا ہے۔ بغیر لوگوں نے اس پہلو میں یہاں تک ترقی کی ہے کہ اُن کے خیال میں اگر مصلحت سے یہ مادی تعلقات منقطع ہو سکیں اور انگلش سول سروس کمیشن کے طریق پر ایک خاص بورڈ کے ماتحت پبلک سروس کے متعلق ایسا احکامات مقرر کئے جاسکیں تو تعلیمی معیار مثبت بن گیا جاسکتا ہے۔۔۔

لاڈلہ کزن کی گورنمنٹ نے اس رائے کو قبول نہیں کیا لیکن مجھے امید ہے کہ آپ حضرات میری اس رائے سے متفق ہوں گے کہ موجودہ حالات کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہ سوال ضرور قابل بحث ہو کہ آخر ہمارے تعلیم یافتہ نوجوان کیا کرنے والے ہیں؟ یہ تو حیل ہے کہ سب کے سب سرکاری ملازمت اختیار کریں۔ ان میں سے اکثر قانونی پیشہ اختیار کر سکتے ہیں، جس میں اگرچہ پہلے ہی سے بہت کچھ اثر و حاکم ہے۔ تاہم مسلمانوں کے لئے جگہ نکل سکتی ہے۔ بہت سے دھڑیری کے پیشے میں جاسکتے ہیں، جس میں ہماری معدومیت شہرہ آفاق ہے اور بہت سے طب کے پیشے میں داخل ہو سکتے ہیں جس میں ہمارا وجود برائے نام ہے۔ لیکن بایں ہمدانیہ سیکرٹریٹ کی ایک اکثر تعداد باقی ہے کی گنجائش مناسب جگہ ملنے کی کوئی توقع نہیں ہو سکتی، اور جوں جوں ہر سال مختلف یونیورسٹیاں تعلیم یافتہ طبقہ میں اضافہ کرتی جاتی ہیں اُن سب کے لئے حصول معاش کا مسئلہ نہایت ضروری اور سخت مشکل صورت اختیار کرتا جاتا ہے۔ میں خیال کرتا ہوں کہ اس سوال نے پہلے ہی میں بہت کچھ متفکر کر رکھا ہے۔ اور اگر ہم نے اسے حل کرنے کی کوشش کی تو غریب سخت مشکل حالات کا مقابلہ ہو گا۔ میں مایوس نہیں ہوں مگر میرا خیال ہے کہ ہمیں زندگی کے دوسرے طریقوں کی طرف بھی متوجہ ہونا چاہئے اور اس کوشش میں کامیاب ہونے کے لئے میری رائے میں ضروری ہے کہ تعلیم کو ایسی صورت میں لایا جاسے جو زیادہ تر عملی ہو اور ضروریات زندگی کے لئے زیادہ موافق ہو۔

منشی ورنٹی تعلیم | ہم دماغی قابلیت کے انعام جیتنے کی سعی و کوشش میں اس قدر نڈک ہیں کہ صنعت و حرفت کے متعلق ہم پر چونسٹھ افسانہ مانہ ہوئے ہیں اُن کی طرف سے قطعاً غافل ہو جانے کا اندیشہ ہی۔ مشرمانا اور دیگر ملک التجار حضرات کے ہم نمون احسان ہیں جو ہندوستان کی سب سے زیادہ حوصلہ مند قوم یعنی پارسیوں سے تعلق رکھتے ہیں کہ انھوں نے ایک صنعتی تعلیم گاہ کے قائم کرنے کے

علاوہ لائق اور منتخب ہندوستانیوں کو صنعت و حرفت و دستکاری و فنون کی تعلیم کے لئے ملک خیر میں بھیجنے کی غرض سے متعدد اختانات کر رکھے ہیں۔ پنجاب میں ہندو جوئی ٹیکسٹائل انڈسٹری قائم ہے۔ لیکن بگے یقین نہیں آتا کہ اس کے مقابلہ میں ہمارا بھی کوئی اسکول ہو۔ بنگال میں ریلے بارو ریڈرو ناتھ سین اور سر چندر مادب گھوش کے فزندیابو بے سی گھوش جیسے ممتاز کی مسلسل مستعدی کی بدولت صنعتی تعلیم کی ترقی کے لئے ایک انڈین ایسوسی ایشن قائم ہے جو مفید کام کر رہی ہے اور جو ہر سال طلباء کی جاہتیں صنعت کے متعلق ملی اور ملی معلومات حاصل کرنے اور آخر الامر حرفت کا کوئی شعبہ اختیار کرنے کی غرض سے انگلستان، امریکہ اور جاپان بھیجتی رہتی ہے۔ بدقسمتی سے اب تک من حیث القوم نہ ہمارے پاس کوئی اس قسم کی درس گاہ ہو اور نہ کوئی اس قسم کی انجمن ہے اور نہ اپنے نوجوانوں کو جن پر ہماری آئندہ امیدوں کا انحصار ہے، اس شعبہ کی طرف متوجہ ہونے کی کوشش کی ہے، جو آئندہ ہمارے ان بیکار افراد کے لئے میدان جدوجہد کی صورت اختیار کرنے والا ہے جو سرکاری ملازمت کے دروازے اپنے لئے مسدود پائیں گے۔ میں اس امر سے ناواقف نہیں ہوں کہ بیٹی کے ممتاز لکچر پی سر ابراہیم کریم بھائی کی شاہانہ فیاضی کے فضل سے علیگزہر میں ایک کالج کی بنیاد پڑ چکی ہے جو پرنس آف ویلز سائنس کالج کے نام سے موسوم ہے۔ لیکن جو قوم جمع ہوئی ہیں وہ نہ صرف بہت قلیل ہیں بلکہ اس کالج کو عملی صنعت کے حلقہ کے درجہ تک پہنچانے کی غرض سے جس وسعت کی ضرورت ہے اس کے مقابلہ میں سراسر غیر ممکن ہیں۔ اس زمانہ میں جبکہ قبول ایک ممتاز صنعت کے (ترقی صنعت مصنفہ و کھوش) اس ملک کے باشندے "قدرت کی فیاضیوں" کی بدولت صنعت و حرفت کے زیادہ محتاج نہ تھے اور ذرا محنت ہی ان کے لئے ہر طرح سے کافی تھی، صورت حال آج سے مختلف تھی۔ لیکن جوں جوں آبادی بڑھتی گئی زمین کی زرخیزی میں فرق آتا گیا۔ آزاد تجارت کے اصول رائج ہو گئے۔ ہندوستان کے حالات میں ایک متمم باشندان تبدیلی واقع ہو گئی اور اب اس ملک کی اقتصادی تجارت اگر تمام نہیں تو ایک بڑی حد تک ضرور محض زمین کی پیداوار پر نہیں بلکہ صنعت و حرفت اور تجارت پر منحصر ہے۔

میں خیال کرتا ہوں کہ مغربی تعلیم کی طرح ہمارے ہندو بھائی صنعت و تجارت میں بھی ہم سبقت لے چکے ہیں۔ تین سال کا حصر گزارا ہے کہ مسلمانان ہند بڑی یا س و نا امید کی لہر میں نوحہ زنی کرتے تھے کہ ہم انگریزی تعلیم میں بہت پیچھے رہ گئے ہیں لیکن مجھے اندیشہ ہے کہ میں

چالیس سال بعد ہم پھر یہ شکایت لاحق ہوئی کہ صنعت و حرفت اور تجارت کے زیادہ پُر امن شعبوں میں ہم دیگر اقوام کے مقابلے میں بالکل پس ماند ہیں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ ہمیں من حیث القوم سرکاری ملازمت کی طرف سے بالکل انھیں بند کر لینا چاہئیں یا مختلف آزاد پیشوں کی طرف مثلاً قانون، طب اور انجینیری کی طرف بالکل نہ ہونا چاہئے بلکہ ہم میں ایک کثیر تعداد کو چاہئے کہ ان شعبوں میں داخل ہو، حقیقت حال یہ ہے کہ مقابلہ دیگر اقوام کے سرکاری ملازمت میں ہمارا حصہ بالکل قلیل ہے۔ اور جس امید ہے کہ مختلف سرکاری ملازمتوں کے متعلق ہمارے جانور حقوق پر ہماری تعداد کے لحاظ سے ضرورت توجہ کی جائے گی۔ لیکن یہ یاد رکھئے کہ کسی قوم کے متول کا اندازہ سرکاری ملازمت میں اس کی تیابیت سے نہیں کیا جاسکتا انگلستان یا حقیقت میں یورپ کے کسی اور ملک کی دولت و ثروت، امن کے مصنوعات کی وسعت اور ان کی تجارتی ترقی اور قابلیت پر منحصر ہے۔ اس کشمکش حیات میں جو ہمارے گرد جاری ہے میں اپنے توجہ انوں کو زیادہ آزاد اور سود مند پیشوں کی طرف متوجہ ہونے کی نصیحت کرتا ہوں۔ انھیں چاہئے کہ اپنے تئیں تجارت اور صنعت و حرفت کے کاموں میں لگائیں اور ملک کے امن و ذخائر کی تلاش کریں جو مشترک سرمایہ اور باقاعدہ منت کا مطالبہ کرتے ہیں۔ انھیں باہر جا کر بڑے بڑے کارخانوں اور عظیم اٹان تجارتی دوکانوں میں کام سیکھنا چاہئے اور پھر خود اپنا کاروبار جاری کرنا چاہئے۔ میں جانتا ہوں کہ ہندوستان میں تجارتی کاروبار کے لئے کافی سرمایہ ہوتا کرنا مشکل ہے۔ لیکن میں یہ تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہوں کہ ہم تھوڑی بہت ضروریات ہی نہیں کر سکتے یا تجارت کے کاموں میں ہیں بہت بڑے سرمایہ کی ضرورت ہے۔ اس قسم کے پیشے کچھ کم نہیں ہیں جن کو ہم قلیل سرمایہ سے چلا سکتے ہیں اور ان کے ذریعہ سے معقول اودودہ حاصل کر سکتے ہیں بلکہ اگر میں یہ کہوں تو کچھ بجانا ہوگا کسی قوم کی صنعتی دولت کی تاریخ دراصل اس کے کاموں کی معمولی ابتدا کی تاریخ ہوتی ہے اور صنعت استقلال اور محنت و مشقت کے اوصاف اس کامیابی کے لئے کچھ کم ضروری اوصاف نہیں ہیں جو متول دولت و ثروت کا باعث ہوتی ہے۔ سر زمین ہند میرے خیال میں ایسے وسائل اور ذرائع سے بھرپور ہے جن کی اب تک کسی کو خبر نہیں اور جن سے اب تک کسی نے فائدہ نہیں اٹھایا۔ بہت سی خام پیداواریں ہیں جو مالک غیر کو جاتی ہیں اور جو ہاں سے اشیاء اور آمد اور نفیس نشین اہل ایشیائے تجارت کی مشکل میں واپس آتی ہیں جن کو ہم اصل قیمت سے سو گنا زیادہ دام سے کر

خریدتے ہیں بے شبہ ایسی دستکاریاں بھی ہیں جو بغیر سرمایہ کثیر کے نہیں چلائی جاسکتیں مثلاً
لوہا، کپڑا بننے اور کاغذ بنانے کی کالیں، لیکن ایسی دستکاریوں کی تعداد بھی بے شمار ہے جن کی
چلانے کے لئے سرمایہ کی اس قدر ضرورت نہیں ہے جس قدر محنت اور استقلال کی۔ انہیں
ہے کہ شکر مازنی کی صنعت جو بالکل دیہی صنعت ہے اب بہ نسبت سابق رو بہ تنزل ہے اور
ظہور مازنی کی قدیم صنعت بھی سرمایہ اور محنت کی کمی کی وجہ سے پڑمردہ ہو رہی ہے۔

سیران اور کلہا واقعہ نیگال۔ اعظم گڑھ۔ آگرہ۔ چنار۔ لکھنؤ اور میرٹھ واقعہ ممالک
محدودہ وادوہ سلیم پور واقعہ اعلاہ مدراس اور بالادہ بیٹی واقعہ اعلاہ بیٹی کی منش ظہور مازنی
کی صنعت آہستہ آہستہ معدوم ہو رہی ہے۔ روغن دار ظہور مازنی جو ایران کے قدیم ظہور
کی نقل تھی اور جس کی نسبت سرمایہ بڑا ڈھکا قول ہے کہ افغان مغلوں کے ذریعہ سے ملک
چین سے ایران میں تیمور لنگ کی بیٹی ملک کے اثر سے داخل ہوئی تھی وہ ایک زمانہ میں دہلی، پشاور
لاہور اور ملتان میں خوب رائج تھی اور یہ نامور مقبروں، قبروں اور محلات کی مناسبت کے کاموں
کی خوبی کو بڑھانے اور دیر پار کرنے کے کام میں لائی جاتی تھی۔ مگر اب یہ فن اپنی جاں کنی کی حالت
میں ہے۔ اور امر واقعہ یہ ہے کہ ہندوستانی آرٹس یا فنون کا خاصہ ہے کہ یا تو وہ ایک خاص حالت
پر اگر کرک جاتی ہیں یا ان میں تنزل پیدا ہو جاتا ہے اور وہ معدوم ہو جاتی ہیں۔ مثلاً قدیم زمانے
کے رقم کو بیچنے کے کسی نے اس کی جاسے نشست میں حرفت کرنے یا رفتار میں تیزی پیدا کرنے کی کوشش
کی ہے۔ پس مغرب کی صنعت و حرفت کے نئے اصول اور فنون کی ترقیات کے مقابلے میں
یہ صنعتیں قدرتی طور پر معدوم ہوتی جائیں گی۔ اب حالت یہ ہے کہ بجائے دہلی، لاہور اور ملتان
کے روغن دار ظہور کے ریوے، سینٹون کے مسافر خانوں کے کمروں یا مشاہیر کے محلات میں
مغربی ممالک اور انگلستان کے ظہور نظر آتے ہیں۔ لیکن ظہور مازنی کے لئے کسی پرے
سرمایہ کی ضرورت نہیں تھی۔ مہا لہ ازاں اور یا سانی دستیاب ہو سکتا تھا اور کاریگر
بھی بلا تکلف دیا ہو سکتے تھے۔ ایک شخص جس میں عملی کام کرنے کا مادہ ہوا اور حرفت کے کسی
قدر واقفیت اور انتظامی قابلیت ہو وہ اس صنعت کو سرسبز اور کاروبار کی حالت میں
پنپا سکتا ہے۔ ماسوائے اس کے شیشہ مازنی کی حرفت ہے جس کو زمانہ حال کے طریقے پر نہیں چلایا
گیا۔ راجپوتانہ اور دیگر ریاستوں کی علاقہ جات میں بغیر کسی کثیر سرمایہ کے اس کو فروغ دیا جاسکتا ہے۔
شیشہ مازنی کی حرفت کے صرف دو کارخانے قابل ذکر ہیں ایک تو اپر انڈیا گلوس وکس انبالہ میں

جس کی بنیاد ۱۹۰۹ء میں پڑی تھی اور دو کسرا مالک متحدہ میں بقیہ تمام زمینیں ہیں۔ ایک کارخانہ گلکٹہ میں بھی ہے لیکن اس کا مال ایسا اچھا نہیں کہ جس کی توقع ہو سکتی تھی۔ دوسرے مقامات میں بھی شیشہ ساز کی غیر منتظرہ پیداوار ہو چکی ہے۔ مگر وہ بحالت زار میں ہیں یا بند ہو گئے ہیں اور اس طرح پڑنے شیشہ گروں یا چوڑی گروں کو روٹی کما نا بھی دشوار ہو گیا ہے۔ اور اس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ اس قسم کے خانگی ضروریات کی اشیاء جیسے بچوں کے آئینے۔ لمبیوں کی چیمبیاں۔ فانوس اور شیشے کے گلاس، ان چیزوں تک کے لئے ہمیں انجیم، آسٹریا اور جرمنی کا دست گر ہونا پڑتا ہے۔ دروازوں کے پردوں کے لئے موتی اور پوتھ وٹس اور وائٹس سے شکلوں پرٹے ہیں۔ میں نے ہندوستان کی پڑھ و ہندو صنعتوں کے متعلق آپ کی سمیع خراشی صرف اس لئے نہیں کی کہ ہم ان کی طرف سے بے پرواہی کرتے ہیں بلکہ اس لئے کہ یہ کیسے ظلم کی بات ہے کہ ہم یہ یقین کرتے ہیں کہ ہندوستان کے دوکاندار پیداہشی دوکاندار ہوں۔ اور کہار پیداہشی کہار ہو۔

قصہ کو تاہ ہماری حالت یہ ہے کہ چھوٹے چھوٹے تجارتی کاروبار اور دوکانداری میں پہلے ہی سے ہم ہندو دوستوں سے پیچھے رہ گئے ہیں اور سرمایہ مشترکہ کی کمپنیوں کے مقابلے میں بھی ہم میں اور اپنا وطن میں اس سے کچھ کم بعد فصل نہیں ہے۔ میں یقین نہیں کرتا کہ یہ بات محض ہمارے اخلاص اور تنگدستی کے سبب سے ہے۔ بے شک ہم غریب ہیں اور غریب اس لئے ہیں کہ مقابلہ اپنے محل اور سرسبز اور کفایت شعار ہندو بھائیوں کے ہم غیر مال اندیش اور مسرت ہیں۔ تجارتی معاملات میں ہمارے مقابلہ سے پیچھے رہ جانے کے اور بھی وجوہات ہیں۔ اول تو یہ ہے کہ ہم باقاعدہ کاروبار کے طور طریق سے نا آشنا ہیں۔ دوسرے ہم کو یہ ایک مہمل شک رہتا ہے کہ شاید اس کام کے کرنے میں فائدہ ہو یا نہ ہو اس لئے ہمارے صاحب جامدا اور متمول لوگ بہت سے ایسے ہیں جو تجارتی کاروبار میں فائدہ ڈالنے سمجھتے ہیں۔ بہت سے ہندو والیان ریاست، مالکان اراضی اور زمیندار تجارتی کمپنیوں میں ہمیشہ حصہ لیتے رہتے ہیں جیسا کہ ہزار ٹینٹس راجہ صاحب ناہن رائے بہادر لال رام سرن واس صاحب اور ایسے ہی بہت سے دیگر اصحاب ہیں لیکن کوئی قواب یا کوئی اور بڑے مسلمان صاحب اراضی کسی تجارتی کمپنی میں شرکت کرنا اپنی شان کے خلاف تصور کرے گا انگلستان اور دیگر ممالک مغربیہ میں لارڈز اور دوسرے بڑے بڑے آدمی تجارتی کاروبار میں نمایاں حصہ لیتے ہیں لیکن من حیث القوم ہماری سمجھ ہی میں یہ بات نہیں آتی ہے کہ طبقہ متوسطہ کے تعلیم یافتہ اور کاروباری لوگوں کے ساتھ

ارباب دولت کے کام کرنے سے ایک قسم کی سادگیاں قائم ہوتی ہے جس کے بغیر بہت ہی تھوڑے تجارتی کاروبار ہوں گے جو شروع کئے گئے ہوں۔

حضرات! ہندوستان میں تعلیم عامہ کے ہم پلہ تعلیم نسواں کا مسئلہ بھی ہے آپ مجھ سے متفق ہوں گے کہ یہ ایک بڑا نازک مسئلہ ہے کیونکہ اس کا اثر ہندو اور مسلمان دونوں کی عورتوں پر پڑتا ہے یا پڑنے کا احتمال ہے۔ اخلاقیات اور صرف اس سوال کے متعلق نہیں ہے بلکہ اس سوال کے متعلق بھی ہے کہ عورتوں کے درس کے لئے کس قسم کی کتابیں چونا چاہئیں جو ان کے اور جماعت نسواں دونوں کے حق میں سودمند ہوں۔ پس اس سوال کے دو شعبے ہیں۔

(۱) یہ کہ طریق تعلیم کیا ہو؟ (۲) نصاب تعلیم کیا ہو جو عورت کے لئے سودمند ہو؟ طریق تعلیم کے متعلق آزادی پسند جماعت کی توجہ رائے ہے کہ جب تک پردہ کا رواج قائم رہے گا عورتیں تعلیم نہیں پاسکیں گی اور پاسکیں گی تو وہ تعلیم کافی نہ ہوگی۔ حد است پسند یا وہ لوگ جو زیادہ متعصب طور پر کٹر روش کے جاسکتے ہیں اس کے باطل خیالات میں کیونکہ اس سے پردہ کی جس کو وہ دل و جان سے زیادہ عزیز رکھتے ہیں بے حرمتی ہوتی ہے۔ وہ اس امر کو نہایت تیار کن سمجھتے ہیں کہ آزادی پسند جماعت کا یہ خیال ہو کہ زمانہ اسکول کی چارویں درجہ میں گویا اصلاح کی عیب کا گولا لٹکا جائے تجویز اور بہترین استاد زمانہ قاید بتلائے کہ ہم اپنے جسم کے بہترین حصے کو (عورت کو) کس طریق سے بہترین تعلیم دے سکتے ہیں۔ لہذا میں نہیں چاہتا کہ اس امر کے متعلق اپنے خیالات کے اظہار سے میں آپ کی سمجھ خراشی کروں مگر صاحبان۔ ایک بات کا تو مجھے یقین واثق ہے کہ ہمارا مذہب صاف طریقہ تعلیم نسواں کا مدد و معاون ہے طلب العلم فریضۃ علی کل مسلمہ و منسیلۃ۔ میں یاد رکھتا ہوں کہ اس امر میں کوئی اختلاف رائے نہیں ہے کہ عورتوں کے کچھ مردوں کے چلو پہلو تعلیم دی جانی چاہئے گھر جہاں بچے پرورش اور تربیت پا کر مرد اور عورت بنتے ہیں اس طاق کے مطابق ہی چاہئے یا برعکس ہوتے ہیں جو وہاں عکس ہوتی ہے اور جو طاق گھروں پر مقرر کرتی ہے وہاں ہوتی ہے۔ سب سے پہلا اور بڑا معلم مثال ہوتی ہے اور یہ مثال ماں ہی کی ہوتی ہے جو ہمیشہ بچوں کے پیش نظر ہو کر رہتی ہے اور ان کی زندگی پر اس کا ہی اثر پڑا کر رہتا ہے۔ بچپن کے زمانہ میں جو قیمت اثر پذیر اور تقلید کا زمانہ ہوتا ہے یہ ماں ہی کا انجام جو جس میں وہ زیادہ تر وقت گزارتا ہے یہاں اس کا میرا یہ کہنا یا ماننا کہ بچہ یا عورت روشن و باطنی یا جمالیات مزاج اور طبعیات و رعایت کے پسند یا پسندیدہ ہونے کا نتیجہ جن کسانہما سہروردش پاتا ہو ایک بڑی حکمت ان اختیارات کے استعمال پر ہوتا ہے جو عورت کو گھر کی خاص بادشاہت ملے

مائل ہوتے ہیں جو تیس ہمارے نیک بداور پنج وراحت کی شریک عالی ہو کرتی ہیں جب صورت حال یہ ہو تو ہم
 مذہباً اخلاقاً و مجلسی قواعد کی روش سے واجب اور لازم ہو کہ ہم ان کو تعلیم دیں اور اس قابل بنائیں کہ زندگی میں وہ
 ہمارے لئے ایک رفیق اور ہمدر ثابت ہوں اب سوال یہ ہو کہ وہ تعلیم کنسی ہو جو دی جائے حضرات! اگرچہ اس امر
 مخالفین تعلیم نسواں کے ہم رائے نہیں ہوں کہ عورتوں کو تعزیریہ کی تعلیم ہو کہ وہ گھر کے مختلف کمروں کو جان لیں
 کھسٹری کی اس قدر کہ پانی کا آگنا جائیں اور تیرنج کی اس قدر کہ اپنے والدین کے مختلف رشتہ داروں کو معلوم کر لیں (۱) ہم
 برخلاف اس کے میں اس تعلیم کا بھی سخت مخالفت ہوں جو عورت کو اس کے گھر سے نکال دے یا اس کو گھر کی یاد دلا
 کہ اس سے چھڑنے لے اپنی لڑکیوں کی تعلیم کے سکیم میں میں مذہبی تعلیم اور کمال مذہبی تعلیم کو سب اول و اولیٰ و اولیٰ کے بعد دنیا
 پر دنیا ستون کا روی اور خانہ داری کی تعلیم حفظانِ صحت کا علم ان کے علاوہ انگریزی سے بھی تھوڑی بہت واقفیت ہو کہ
 دورانِ شیشیوں کے قبل اور دوسری ضروریاتِ خانہ داری کی چیزوں کے ناموں کی شناخت ہو سکے۔

حضرات! اس بارے میں آپ کے کچھ ہی خیالات کیوں نہ ہوں کہ ہماری مستودات کے کس طریق پر تعلیم دی جائے اور میں
 جانتا ہوں کہ ابھی اس پر سبک اتفاق رائے بھی نہیں ہوا لیکن ایک بات کا مجھے یقین ہے جو یہ ہے کہ اگر آپ تعلیم نسواں کی
 مخالفت بھی کرنا چاہیں تو نہیں کر سکتے اصولاً ابھی ہم کو یہ تعلیم دانا چاہئے اور اس کی طلب اور بھروسہ سانی کے اعتبار
 سے ہم پر لازم ہو کہ ہم تعلیم لائیں۔ زمانہ اس کی تائید میں ہوا اور جس طرح ہم آبشار لگا کر روک نہیں سکتے اسی طرح ہم
 ان کی تعلیم کی بھی مخالفت نہیں کر سکتے۔ ٹرکی اور مصر میں پہلے ہی سے تعلیم نسواں کی بابت ایک فیصلہ شدہ ہو چکا ہے جو
 جو چندستان میں بھی درکار تمام اس خصوص میں سرگرمی دکھلا رہی ہیں بنگال میں ہندوؤں نے اور حیدرآباد میں
 مسلمانوں نے اس میں بڑی ترقی کی جو بمبئی اور مداس میں توجہ ان لڑکیوں کی تعلیم کا خوب بندوبست ہو گیا
 ہوا اور بھوپال میں علیا حضرت نیکم صاحب بھوپال کی فاضلی کی بدولت ایک بہت عمدہ درس گاہ نوجوان خواتین کے
 لئے جاری کی گئی ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ مستورات کو تعلیم یافتہ بنانے کی مخالفت ہو لیکن مجھے یقین ہے کہ اگر ہم اس کی تعلیم کے
 نصاب میں مذہبی تعلیم کو سب اول و اولیٰ مگر اس تو یہ مخالفت باقی ہے گی۔

حضرات! ایک بات مجھے حسبِ زیادہ شکستگی ہو اور جس پر اس قدر غور نہیں کیا گیا جس قدر کہ وہ مستحقِ جو ہم اس
 امر کو تسلیم کرتے ہیں کہ بہت سیلے طالب علم ہوتے ہیں جو بیٹریکوشن کا امتحان پاس کر لینے کے بعد بوجہ نمونے کافی ذرا لے
 کے تعلیم آگے جاری نہیں رکھ سکتے۔ ہم اپنی قوم کے ان نادار و مستطیع طلباء کی امداد کے لئے اب تک کچھ نہیں کیا۔ مسلمانوں کی
 بڑی ضرورت ہے کہ چند وظائف کا اہتمام کیا جائے جن سے عریب اور سخی طلباء کو مدد مل سکے۔ یہ ضرورت نہیں ہو کہ انہوں نے
 ل کر ایسے وظائف مقرر کئے اور اگر ایسا ممکن ہو تو مجھے کوئی وجہ مخالفت نہیں ہوگی۔ میں خیال کرتا ہوں کہ عملی طور سے زیادہ تر
 یہ ہو گا کہ ہر ایک صوبہ یا ضلع میں اس مطلب کے لئے علوی و علویہ فاضلوں کا مقرر کرنے والوں کی ایک شریف جماعت

- نفع کا نام انجمن ترقی تعلیم امرتسر جس بارہ میں نہایت عمدہ تحریک جاری کی ہو اور مجھے امید ہو کہ دوسرے اضلاع
 میں بھی اس کی تقلید کی جائے گی اور جہاں جہاں آل انڈیا ایجوکیشنل کانفرنس کا اجلاس منعقد ہوا اس کا ایک
 سہولت ایجوکیشنل فنڈ کے قائم کرنے کے متعلق وصول چندہ کے لئے ایک کارکن کمیٹی کے قائم کرنے میں دلچسپی ہوگی۔
 اگر ہم اس کارکنوں کو بھی متین ہو کر اپنی قوم کے تعلیمی درجہ کو دیکھ کر اوقام کے پہلو بہ پہلو کرنے کے اہم مسئلہ میں ہم کامیاب بن گئے
 ایک اور معاملہ بھی جو حق اسی طرح کم توجہ کی گئی ہے یعنی علوم قدیمہ کی استواری جس کا حوالہ نمایاں طور سے حضور ملک
 معظم نے لکھتے ہوئے یورپی کے اڈریس کے جواب میں دیا تھا۔ یہ ایک ایسا مقصد ہے جس کے ترقی دینے میں حیرت انگیز ایک قوم
 ہم نے یا تو بہت کم جدوجہد کی ہو یا بالکل کچھ ہی میں کیا۔ یہ کہا جاسکتا ہو کہ ہماری یونیورسٹی کے اعراض و مقاصد میں اس کو
 بھی شامل ہونا چاہئے۔ لیکن کسی ملک میں بھی محض کہ ان ممالک میں جہاں یونیورسٹیاں بکثرت ہیں قدیم علوم کی اشاعت
 کرنے کا کام یا اس قدر قدیم اور قدیم فلسفہ و تاریخ کو ترقی دینے کا کام محض یونیورسٹیوں پر بلا امداد و معاونت نہیں چل سکتا
 گیدو سوسائٹیاں تعلیم لگائیں، مدارس اور انجمنیں کس کے کام میں امداد اور تقویت دیتی ہیں۔ لیکن اس میں عجیب
 ہو کہ ہمارے یہاں بھی کوئی ایسی سوسائٹی ہو یا اس کے پاس اس کام کے لئے سرمایہ ہو کہ مستلشیان علوم کے لئے توجہ
 اور امداد مطالب کرے وہ خزانہ علوم ہم سب کو ملے جو حوی یا فارسی اساتذہ میں یا نابالغی نوجوانات میں بکثرت پائے جاتے ہیں
 سمجھتا ہوں کہ اگر ہم کوئی ایسی انجمن قائم کرنے کی سرگرمی کے ساتھ سعی کریں جو اس قدر مشرقیہ کے تمام واقعات کا
 کام کرے تو ہمارے یہ کوشش حق بجانب ہوگی۔ چنانچہ میں سرور سندھ سنگھ جیوٹھی کی سعی و کوشش سے اس قسم کی ایک
 تحریک کی بنیاد پڑ گئی ہے۔ بنگال میں ہندوؤں کی ایک بھاشا شاستریا ریٹھ نام کی قائم ہو رہی ہے جس میں اس قسم کی
 انجمنوں میں جس کی کامیابی ماننا ہے اور بنگال میں ایسے اصحاب کے طفیل میں ہوئی ہو۔ الہ آباد میں نہایت مفید کام
 شینہی کے دفتر میں تراجم اور طبیع کے ذریعہ سے ہوتا ہو، لیکن ہمارے یہاں اس قسم کی کوئی انجمن نہیں ہے۔
 اے حضرت کانفرنس! میں نے آپ کا بہت ماحولت لیا جس کے لئے میں تم اسنگار دعائی ہوں اور آپ کا شکر ادا
 کرتا ہوں کہ آپ نے سرور توجہ سے میری تقریر کو سنا جس کو میں صرف ایک بات اور کہہ کر ختم کرتا ہوں۔ آپ کا مقصد
 و حقیقت نہایت اعلیٰ اور شریفانہ مقصد ہے۔ میری مراد اس مقصد سے ہو جو آپ اپنے ہم مذہبوں کی تعلیم کے لئے
 سرانجام دے رہے ہیں۔ تعلیم شمل خیرات کے ہواں کو برکت دیتی ہے جو اسے اپنا پروا دیتا ہو۔ مگر ساتھ ہی اس کے یہ
 ایک ایسا مقصد ہے جس کے لئے اس کو تیار و استقلال اور اس قوت ارادی کی ضرورت ہے جو ہم اس کے لئے
 صرف کر سکیں اور اس لئے میں دست بدعا ہوں کہ آپ کو ان مقاصد میں جو آپ کے پیش نظر ہیں اعلیٰ طور پر
 کامیابی حاصل ہو۔

اجلاس منعقدہ راولپنڈی میں منظور ہونے والی قراردادیں

اس اجلاس میں مندرجہ ذیل امور پر خاص طور پر بحث ہوئی اور یہ تجاویز منظور کی گئیں۔

- ۱۔ مدراس میں مسلمانوں کی تعلیم کے لیے اسکولوں کا قیام۔
 - ۲۔ کلکتہ کے مدرسہ کو اسلامی کالج بنائے جانے کی تحریک۔
 - ۳۔ کلکتہ یونیورسٹی کے اس فیصلے سے اختلاف کیا گیا کہ وہاں ایم۔ اے۔ کلاسوں سے عربی اور فارسی کو ترک کر دیا جائے۔
 - ۴۔ راولپنڈی ڈویژن کے مسلمانوں کی درخواست برائے وصول یا بی چندہ (۳ پیسہ فی روپیہ) کی منظوری۔
- (”آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے سو سال“ از امان اللہ خاں شیردانی، ص ۸۲، ۸۳)

آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے سو سال

امان اللہ خان شیرانی

سابقہ پرنسپل

اسلامیہ کالج، اٹارہ

آنریری جوائنٹ سکریٹری
آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس

آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس
سلطات جہات منزل علی گڑھ ۲۰۲۰-۲۰۲۲

خبر

(۱۸۷۴ تا ۱۹۳۳)



رپورٹ

متعلق اجلاس بست و ہشتم

آل انڈیا محمدن اینگلو اورینٹل ایجوکیشنل کانفرنس

بمقام راولپنڈی

منعقدہ ۲۷، ۲۸، ۲۹ دسمبر ۱۹۱۳ء

جو حسب ہدایت نواب حاجی محمد اسحاق خاں صاحب آنریری سکریٹری

زیر نگرانی آفتاب احمد آنریری جوائنٹ سکریٹری مرتب کی گئی

باجام محمد متدی خاں شرونی

انسٹیٹیوٹ پریس علی گڑھ میں طبع ہوئی

(اور صدر دفتر کانفرنس سے شائع ہوئی)

عکس سرورق: رپورٹ متعلق انعامیہ سواں سالانہ اجلاس ۱۹۱۳ء۔ آل انڈیا محمدن اینگلو اورینٹل ایجوکیشنل

کانفرنس منعقدہ راولپنڈی، طبع علی گڑھ ۱۹۱۸ء

کچھ مخلص احباب اس فقیر کو ”جنونی“ کہتے ہیں۔ صاحب جنوں ہونا اپنی جگہ بہت بڑی بات ہے جس کا میں خود کو اہل نہیں پاتا۔ اس میں کلام نہیں کہ جب سے حکیم محمد موسیٰ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کا دامن تھامے، تحقیق و جستجو کے صحرا کی خاک چھانٹا پھرتا ہوں۔ یوں سیلائی بھی کہہ سکتے ہیں۔ مقامی طور پر مواقع کچھ زیادہ نہیں پاتا، تو اکثر کراچی نکل جاتا ہوں۔ قائد ملت اسلامیہ حضرت علامہ شاہ احمد نورانی رحمۃ اللہ علیہ (م: ۱۱ دسمبر ۲۰۰۳ء) کے غرس پر حاضری یقینی ہوتی ہے۔ اس بہانے کراچی کا قیام طویل ہو جاتا ہے جس میں مقتدر علمی شخصیات سے بالمشافہ شرف استفادہ کے ساتھ ساتھ لائبریریوں میں محفوظ نوادرات سے خوش چینی کی نعمت غیر مترقبہ میسر آتی ہے۔

اب کے جانا ہوا تو اکادمی آف ایجوکیشنل ریسرچ (ادارہ تہنیف و تالیف) کراچی کی مطبوعہ رپورٹ متعلق اجلاس بست و ہشتم آل انڈیا محمدن اینگلو اورینٹل ایجوکیشنل کانفرنس بمقام راولپنڈی منعقدہ ۲۹، ۲۸، ۲۷ دسمبر ۱۹۱۴ء (مطبوعہ بارودوم ۲۰۰۳ء) دستیاب ہوئی۔ ۳۳۱ صفحات پر پھیلی یہ مستند رپورٹ بے حد قیمتی دستاویز ہے۔ کانفرنس کا بڑا مقصد متحدہ ہندوستان کے قلم کاروں و صوبجات میں انگریزی اور جدید تعلیم کے ادارے قائم کرنے کے ساتھ معیاری اسلامی تعلیم گاہوں کا قیام بھی تھا۔ اس کانفرنس میں (۳۱) رزلوشن با اتفاق آراء پاس ہوئے (رپورٹ صفحہ ۳)۔ اس رپورٹ میں سرحد اور پنجاب کے ہی نہیں ہندوستان بھر کے مسلمانوں کے تعلیمی احوال اور ضروریات کا احاطہ کیا گیا ہے۔

پیش نظر رپورٹ کے مطالعہ سے ایجوکیشنل کانفرنس کے ہمہ گیر اثرات کا پتا چلتا ہے۔ قارئین کرام کے لیے یقیناً آج یہ بات اعجب کی ہوگی کہ راولپنڈی اسٹیشن پر دوسرے ہم وطن افراد

(اہل ہندو سکھ) کی بڑی تعداد موجود تھی جنہوں نے صاحب صدر اجلاس اور تمام مہمانوں کا گرم جوشی سے استقبال کیا، پھول برسائے۔ شہر میں جا بجا ان کی طرف سے آرائشی دروازے بنائے گئے تھے۔ اور مہمانانِ گرامی کی پان، مصری، لالچھی وغیرہ سے تواضع کی اور وہ کانفرنس کے تمام اجلاسوں میں برابر شریک رہے۔ صدر مجلس نے سکھ و ہندو صاحبان راولپنڈی کا خصوصی طور پر شکریہ ادا کیا اور دعا کی کہ خدائے تعالیٰ تمام باشندگان ملک کو اسی قسم کی یک جہتی اور باہم ہمدردی کی توفیق عنایت کرے جس کے جواب میں بابا اوجا گر سنگھ صاحب بیدی، آنریری، مجسٹریٹ و سول جج راولپنڈی نے حسب ذیل کلمات بطور اظہار تشکر ادا کیے۔

”فخر وطن پر یزیدٹ صاحب و حاضرین جلسہ۔

میں مولوی صاحب سی۔ آئی۔ ای (خان بہادر سر رحیم بخش صاحب) کے ان شہری الفاظ کا (جو کہ آپ نے اہل ہندو شہر راولپنڈی کے بارہ میں ان کا شکریہ ادا کرتے ہوئے فرمائے ہیں) تہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں۔ اے صاحبان آپ کی خدمت میں یہ ظاہر کر دینا ایک نئی بات نہیں ہے کہ ہمارے مذہب کے بزرگ ”بابائی“ شری گوردانک دیو جی مہاراج کی پوتر ہدایت جو کہ انھوں نے ایک مرتبہ اپنی پر تہہ یا ترا کرتے ہوئے ایک قابل عزت قاضی صاحب سے تذکرہ ہونے پر فرمائی جبکہ قاضی صاحب کا یہ سوال تھا کہ اے بابا نانک! کہیے۔ ہندو اچھے ہیں یا کہ مسلمان۔ اس وقت آپ نے اپنی زبان مبارک سے ارشاد فرمایا کہ

اول اللہ نور اُپایا، قدرت کے سب بندے

ایک نور نے سب جگ اُجیا کون بھلے کون مندے

صاحبان آپ کو بخوبی روشن ہو گیا ہو گا کہ اہل ہندو سکھ قوم کے واسطے اسی پوتر اپدیش پر چلتے ہوئے یہ ایک عجیب بات نہیں ہے کہ وہ اپنے وطن کے رکن اور اپنی ہمسایہ قوم کے لیڈر کو جو کہ ان کے شہر میں تعلیم کی ترقی کے نیک کام کو مد نظر رکھ کر

تشریف لاتے ہیں ان کا خیر مقدم کہنے کے واسطے کیوں اسٹیشن پر حاضر نہ ہوتے.....“
یہاں اس بات کا تذکرہ بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ایجوکیشنل کانفرنس کے قائدین کی
ہمیشہ یہ کوشش رہی ہے کہ وہ اپنے اجلاس میں اختلافی امور اور ایسی تقاریر سے اجتناب کریں جن
سے ملی یک جہتی کو نقصان پہنچنے کا خدشہ ہو، تاہم ان موضوعات کو شرعی اور سیاسی بحث کے لیے
دوسرے موقعوں پر اٹھا رکھا جاتا (رپورٹ ص ۱۹۰)۔

چوں کہ کوئی بھی قومی ادارہ یا کوئی بھی انجمن یا تنظیم روپے پیسے کے بغیر نہیں چل پاتی اس
لئے کانفرنس کی جانب سے نہ صرف رسوا، مخیر اور فیاض اصحاب سے اپیل کی جاتی بل کہ علما اور
مشائخ کی توجہ ان قومی تعلیم گاہوں کی طرف مبذول کروائی جاتی کہ وہ بھی اس کام میں ہاتھ
بٹائیں۔ رپورٹ کے صفحہ ۱۶۱ کا یہ اقتباس ملاحظہ ہو۔ صاحبزادہ آفتاب احمد خان، آنریری چائنٹ
سیکرٹری آل انڈیا محمدن ایجوکیشنل کانفرنس فرماتے ہیں۔

ہم کو اپنی قوم کے مشائخ اور علما سے مدد لینا چاہیے کہ اس امر کا علی الاعلان
فتویٰ دیں کہ اس ملک کے اسلامی باغ کے افراد کے دلوں دماغوں کو علم اور تربیت
کے چشموں سے سیراب کرنا بہترین ذریعہ مغفرت اور حصول ثواب کا ہے نیز ہماری
کانفرنسوں اور لوکل کمیٹیوں کو چاہیے کہ اپنے اپنے حدود میں قوم کی موجودہ پستی اور
اُس کے اسباب اور علاج کو افراد قوم کے ذہن نشین کریں یہ کانفرنس سالہا سال
سے اس خدمت کو انجام دے رہی ہے لیکن ایک آواز اس قدر بڑے ملک اور قوم
میں سب جگہ اور سب کے پاس کیسے پہنچ سکتی ہے؟ ہر جگہ کو مساجد کے وعظوں میں
ہر سال عیدین کے خطبوں میں، امیر شریف اور دیگر متبرک مقامات کے عربوں میں
غرض کہ ہر جگہ اور موقع پر جہاں مسلمان خود اپنے عقائد کی بدولت جمع ہوتے ہیں
وہاں انھیں خیالات اور حالات کی اشاعت ہو۔

صاحبزادہ صاحب کی مندرجہ بالا اپیل کے تناظر میں اگر علامہ شبیر احمد خاں غوری کے

مضمون کا مطالعہ کر لیا جائے تو دل چسپی اور معلومات کا موجب ہوگا کہ مولانا سلیمان اشرف محولہ رپورٹ سے بہت پہلے اسی راہ پر گامزن نظر آتے ہیں۔ بے غرضی اور فروغ علم کے مشن کے لیے تنہا کا جذبہ خیر مولانا ہی کا حصہ ہے۔ غوری صاحب مرحوم رقم طراز ہیں۔

مسلم یونیورسٹی میں اپنے فرائض منصبی کے دوران مولانا کے دینی و علمی معمولات میں سب سے اہم مصروفیت ہر سال عرس کے موقع پر حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کے آستانہ پر حاضری اور وہاں میلاد خوانی تھی، مگر حضرت مولانا کی دینی غیرت کہ یونیورسٹی سے مصارف سفر نہیں لیتے تھے اور نہ متولی درگاہ سے یہ الگ بات کہ اس میلاد کے ذریعہ یونیورسٹی کی کارکردگی اور پبلشری کے علاوہ اہل خیر کی جانب سے رقم کثیر یونیورسٹی کے چندہ کے لیے دی جاتی تھی۔

مطبوعہ رپورٹ سے کچھ صفحات کے عکس بطور خمیرہ کتاب کے آخر میں شامل کرتے ہوئے ہم مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے اس عہد ساز کروار کو ہدیہ تحریک پیش کرتے ہیں کہ ”ہندوستانی مسلمانوں میں تعلیمی بیداری پیدا کرنے اور انھیں جدید علم و فن سے واقف کرانے میں کانفرنس نے زبردست رول ادا کیا، آج کی نئی نسل اس عظیم تعلیمی، اصلاحی اور ثقافتی ادارے کے کارناموں سے قطعاً ناواقف ہے۔“ اور بقول امان اللہ خاں شیروانی، ۱۸۵ء کے انقلاب کے بعد مسلم نشاۃ الثانیہ کی تحریک میں آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کا سب سے زیادہ حصہ رہا ہے۔ دراصل کانفرنس ہی علی گڑھ تحریک ہے۔ یقیناً کانفرنس نے تعلیمی اور معاشرتی اصلاح کے سلسلہ میں مسلمانوں میں بیداری پیدا کی۔ اس عہد آفریں کانفرنس کی اہمیت اور قدر و قیمت اس کے شرکائے محترم کی عظیم شخصیات کے محض نام لینے سے اظہار من الجس ہے۔ ذرا غور تو کیجیے کہ کون کون نابھہ اس محفل کو رونق بخش رہا تھا۔ یہ ہیں مولانا محمد علی جوہر، مولانا ابوالکلام آزاد، صاحبزادہ سر عبدالقیوم بانی اسلامیہ کالج پشاور، مولوی محمد حبیب الرحمن خاں شروانی، بابائے اردو مولوی عبدالحق، خواجہ کمال الدین۔



مولانا محمد علی جوہرؒ

آل انڈیا مسلم لیگ کیشنل کانفرنس کے سالانہ اجلاس راولپنڈی ۱۹۱۲ء میں دیگر مندوبین کے ساتھ (بائیں سے دائیں کرسیوں پر): ۵۔ صاحبزادہ سر عبد القیوم بانی اسلامیہ کانپور ۶۔ مولانا ابوالکلام آزاد بچے خواجہ کمال الدین ۸۔ مولانا محمد علی جوہر رحمۃ اللہ علیہ۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

کارروائی اجلاس بست و ختم

آل انڈیا محمدن انسنگلو اور نیل ایجوکیشنل کانفرنس

منعقدہ بمقام مل ولینڈی (پنجاب)

اجلاس اول

منعقدہ بتاریخ ۲۷ دسمبر ۱۹۷۱ء یک شنبہ بوقت وصال سب سے ایک گھنٹہ تک

پریزیڈنٹ

عالی جناب خان بہادر مولوی حاجی رحیم بخش صاحب سی۔ آئی۔ اے سی پریسیڈنٹ

کونسل آف رنجی ریاست بھاو پور

اجلاس کا وقت سابقاً آٹھ بجے تجویز ہوا تھا مگر مل ولینڈی کی سردی کا خیال کر کے وقت بدل دیا گیا اور سٹالس بچھون کا وقت متقرر کیا گیا۔ وقت متقررہ کے قبل ہی تمام کسج پٹنٹل ممبران و ڈائریکٹران سے

پر ہو گیا تھا۔ ساٹھ تین سوے نائیمبر تقریباً پانسو ڈیڑھ سو کے قریب آئری وڈ شیر شریک اعلان
تھے باوجود سفر دور دراز وقت سڑی کے اکثر مغربین و اکابرین قوم اس اجلاس میں تشریف فرما تھے
یورپین اصحاب میں سے کرنل یوجیم بنگ کشتراؤ لپنڈی، سیر الڈکشن کمانڈنگ آفیسر کپٹن راولپنڈی
ڈورین، صاحب کپٹی کشتراؤ لپنڈی، مشر ایل بنگ صاحب لکے پرنسپل اسلامیہ کالج پشاور صاحب
پرنسپل پٹ پٹس پرنسپل صاحب بن کالج نے اپنی شرکت سے اجلاس کو رونق بخشی۔ ماسو ملی یورپین حضرات
کے اکثر بڑا اور ان اہل ہندو کہہ سہ اجلاس میں برابر شریک ہو کر کارروائی ملاحظہ کرتے تھے۔

ساٹھ و تین بجے عالی جناب خان بہادر مولوی عابدی رحیم بخش صاحب سی۔ آئی۔ اے پیٹال میں
رونی افروز ہوئے حاضرین نے تنظیمات سر و قدیم یاد ہو کر جوش نعرہ اٹاتے مسرت و مہمیز کے ساتھ
خیر مقدم کیا۔ ڈاکٹر پر عمر بن ریشن کیشی اور دیگر مغرب اصحاب تشریف رکھتے تھے جن میں سے چند ہندو گوں
اساتے گرامی ذیل میں درج ہیں۔

- ۱۔ عالی جناب اب کپتان ملک محمد مبارز خان صاحب ٹیڈنڈر میں شاہ پور
- ۲۔ عالی جناب نربیل محمد امین صاحب میں صنلع کھیل پور
- ۳۔ عالی جناب صاحب جزا و عبد القیوم خاں صاحب سی۔ آئی۔ اے
- ۴۔ عالی جناب جنرل عبد الرحمن خاں صاحب سادول پور
- ۵۔ عالی جناب لوی محمد صبیح الرحمن خاں صاحب ہوانی میں ملی گڑھ
- ۶۔ عالی جناب نربیل سید رضا علی صاحب کیکل مراد آباد
- ۷۔ عالی جناب مشر محمد علی صاحب جی۔ آئی۔ اے (اگسٹ)
- ۸۔ عالی جناب مشر شوکت علی صاحب جی۔ آئی۔ اے
- ۹۔ عالی جناب لوی ابولکلام صاحب زادہ جملوی
- ۱۰۔ عالی جناب لوی عبد اللہ صاحب نعم ظہار العارف القرانی دہلی
- ۱۱۔ عالی جناب لوی عبد الحق صاحب جی۔ آئی۔ اے سکریٹری انجمن ترقی آردو
- ۱۲۔ عالی جناب مشر ایل بنگ صاحب پرنسپل اسلامیہ کالج پشاور
- ۱۳۔ عالی جناب لوی بشیر الدین صاحب ڈیڑھ سہارہ

- ۱۴۔ عالی جناب میرزا حسین صاحب ٹی پی جی سرٹ منرمل گڑھ۔
 ۱۵۔ عالی جناب مولوی سلیمان اشرف صاحب پروفیسر ذبیات مدرسۃ العلوم ملی گڑھ۔
 ۱۶۔ عالی جناب مولوی الفدین صاحب پٹنہ پور۔
 ۱۷۔ عالی جناب مولوی شادعلی صاحب کٹر مدراس لاہور سرگرم

آغازِ کارِ رزوائی

دس بجکر ۳۴ منٹ پر جلسے کی کارروائی شروع ہوئی۔ سب سے اول مولوی سلیمان اشرف صاحب پروفیسر ذبیات مدرسۃ العلوم ملی گڑھ نے تینا و تیر کا قرآن کریم کی چند آیات خوش آہانی کے ساتھ تلاوت فرمائیں۔ دورانِ تلاوت میں مجلس حاضرین قیاماً ستاویسہ تھے۔ اس کے بعد جناب الاکبر خان ملک محمد بلذغیا صاحب ٹریڈرس شاہ پور نے جنیت پریذیڈنٹ استقبالی کمیٹی اپنا ملبوہ صائیڈس پر مہاجو ذیل میں صبح کیا جاتا ہے۔

ایڈریس پریذیڈنٹ صاحب ریسپشن کمیٹی آل انڈیا محمدن ایجوکیشنل کانفرنس

راولپنڈی

حضرات! سب سے پہلے مجھے استقبالیہ کمیٹی کا شکریہ ادا کرنا لازم ہے کہ مکمل مہربانی سے مجھے کمیٹی کا پریذیڈنٹ منتخب کیا گیا ہے لیکن ساتھ ہی مجھے اپنے ان مکرم و معزز احباب کا جو استقبالیہ کمیٹی کے عہدہ پر آپ حضرات کے ساتھ شکوہ بھی کرنا ہے کہ انہوں نے میرے انکار پر جو میں نے اس مجلس القند منجے قبول کرنے سے باہر ان کے سامنے پیش کیا مطلقاً التفات نہ کی اور مسلسل گھڑ پر اصرار کرنے سے مجھے اس خدمت کو اپنے ذمہ لینے پر مجبور کیا۔ بلاشبہ یہ امر میرے لئے نہایت فخر اور شکرگزاری کا موجب ہے اور میں سچے دل سے اس عزت کی قدر کرتا ہوں۔ میرا انکار اس بنا پر نہیں تھا کہ ایک قوی خدمت کے ادا کرنے میں گجہ ہل تھا میرے انکار کی اصلی وجہ یہ تھی کہ تمام ہندوستان کے مسلمانوں کی اس عظیم شان قوی عظیمی مجلس کی استقبالیہ کمیٹی کا پریذیڈنٹ ہونے کا اپنی ملی بے بضاعتی کی وجہ سے میں اپنے آپ کو اہل

نہیں سمجھتا تھا اور اب جب میں اپنے آپ کو اپنی قوم کے تعلیم یافتہ اصحاب علماء کی اس محترم مجلس کے
 سامنے کھڑا ہوا دیکھتا ہوں تو اپنی حالت کو اس ظلم و باران کی مانند پاتا ہوں جس کو سمندر میں جا کر
 گرنے کی ہدایت کی جاتی ہو اور اپنی بے مائیگی کو اور بھی زیادہ محسوس کرتا ہوں، اب میں یہی اپنی اس
 خوش قسمتی کا عنوان احسان ہوں کہ جو کام میرے سپرد کیا گیا ہو وہ آسان ہونے کے ساتھ ہی اشتداد و
 خوش گوار ہو کہ مجھے آپ صاحبان کا آل انڈیا کانفرنس کاغذ پیش کرنے کے ساتھ ہی اشتداد و
 راولپنڈی شریف فراموش ہونے پر آپ کا خیر مقدم کنا ہے اور آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں جس میں نہایت مودبانہ
 طور پر اور نہایت صدق اور خوش کے ساتھ رہنا اور مسلمانانِ فتنہ راولپنڈی کا دلی خیر مقدم آپ کی خدمت
 میں عرض کرتا ہوں۔ باقی رہا آپ کا شکریہ ادا کرنے کا سوال۔ اس کی نسبت میں چند الفاظ گزارش کر سکتی
 امانت چاہتا ہوں۔ آپ کی یہ بزرگ تعلیمی مجلس اس سے پیشتر ۲۰ اجلاس ہندوستان کے مختلف مقامات
 پر کھلی ہوئی۔ لیکن ان تمام مقامات میں جیسے کہ دہلی، جملہ، بمبئی اور گواچی وغیرہ میں کچھ تاریخی یا سیاسی
 دل چسپان اور دل فریبیاں بھی موجود تھیں اور کہا جاسکتا ہے کہ وہ خاص اسباب بھی ممبرانِ کانفرنس کو
 ان مقامات کی طرف کشش کرنے کا باعث ہوئے ہونگے لیکن راولپنڈی کسی ایسے قسم کی دلکش خصوصیت
 سے خالی ہے اور اگر اس میں کوئی امتیاز ہے تو صرف یہ ہے کہ وہ مسلمانوں کی ایک ایسی کثیر آبادی کا مرکز ہے
 جہاں جماعت اور بے علی کی گہری تکریر چلتی ہوئی ہے۔ فتنہ راولپنڈی کی آبادی کی کیفیت کو ملاحظہ
 فرمائیے۔ تمام ڈوئرن میں ۳۳ لاکھ کی آبادی ہے جن میں سے ۲۹ لاکھ مسلمان ہیں۔ اسی طرح چاری جماعت
 فتنہ ملتان میں ۴۵ لاکھ میں سے ۳۰ لاکھ مسلمان ہیں۔ گویا برٹش پنجاب کے مسلمانوں کی ایک کروڑ و ۱۰ لاکھ
 کی آبادی میں سے ۹۰ لاکھ مسلمان ان دونوں فتنوں میں آباد ہیں پھر چارے ڈوئرن کے ایک جانب یہ
 سرحدی ہے جہاں قریب قریب تمام مسلمان آباد ہیں اور دوسری جانب ریاست کشمیر ہے جس میں تقریباً
 ۹۵ فی صدی مسلمانوں کی آبادی ہے۔ لیکن ان علاقوں کے مسلمانوں کی تعلیمی حالت نہایت ذلیل و
 طور پرست ہے جس کی تفصیلات آپ کو اپنے اجلاس کی کارڈ ایٹوں کے دوران میں معلوم ہونگی، مگر جہاں ہر ایک
 علاقہ اور چارہری جمعیہ سرزمین میں جیسے کہ میں نے کہا ہے، جماعت اور بے علی کا امتیاز ہے وہاں آپ کو یہ
 بات بھی یاد رکھنی چاہیے کہ اس تمام علاقہ کے مسلمان باشندگان کو قدرت نے جو جسمانی اور ذہنی خصوصیات
 عطا فرمائی ہیں ان کے لحاظ سے بھی وہ ایک خاص حق امتیاز رکھتے ہیں آپ صاحبان کو معلوم ہو گا کہ

ہمدردی سلطنت کی انواع کا ہر وہ مسلمان جسے زیادہ راولپنڈی ڈویژن اور صوبہ سرحدی کے ہیں۔ اور
اسی طرح کشمیری، داغوں کے جوہر کی سے مخفی نہیں ہیں جس قدر کہ اس علاقہ کے مسلمانوں کی تعلیمی
رہی ہو اور جس قدر کہ اس نواح کے مسلمان تعلیم و تربیت سے قوم کے لئے مفید افراد بنائے جاسکتے ہیں۔ انکی
آپ صاحبان کا جو اس حد تک کے مسلمانوں کی تعلیمی حالت پر غور کرنے اور ان کی ترقی تعلیم کی تدابیر سمجھنے
کے لئے تشریف لائے ہیں، ہمارے شکر و اور احسانندی پر زیادہ ہی ہو۔ حقیقت کانفرنس کا یہ اجلاس
جو راولپنڈی جیسے بیکہ مقام پر منعقد ہوا ہے جہاں سڑی زیادہ ہے، اور اس کے ایک گوشہ تک میں واقع
ہونے کی وجہ سے سفر کی تکلیف بھی زیادہ برداشت کرنی پڑی ہے، تعلیم یافتہ مسلمانان ہندوستان کی قومی
ہمدردی کے امتحان کا ایک موقع ہے، اور اس امر کا ثبوت ہم پہنچانا ہے کہ قوم میں ایسے پاک اور ہمدردانوں
کس قدر ہیں جو ایک ایسے مقام پر جہاں سیر و تفریح کا کوئی مسلمان کشش کرنے والا نہیں ہے، محض اپنے پسند
معاہدوں کی بھلائی کی خاطر بہت سی تکالیف برداشت کرنے کے لئے تیار ہو کر آئے ہیں، خدا کی قسم آپ کو
اس کی جزائے خیر ہے۔

اے صاحبان! آفتاب جب بھٹکا ہے تو نہ صرف پہاڑوں اور میدانوں ہی کو روشن کرتا ہے۔
بلکہ غاروں اور خندقوں میں بھی روشنی پہنچاتا ہے، اور اس قدر اگر محمدان جو کوشش کانفرنس کے آفتاب نے
اپنی پوری روشنی ڈالنے اور گرمی کا فیض پہنچانے کے لئے ہماری اس تاریک اور سرد سرزمین کو منتجب کیا
ہے تو ہم اس احسان کی دستاویز محفل کو بخوبی سمجھتے ہیں، اور اس کا کافی شکر نہیں ادا کر سکے، جو لوگ
کانفرنس پر براہِ سفر تھے کہ اس نے عملی کام کیا نہیں کیا، وہ صرف تہنی بات کہنے سے قاصر ہیں، بلکہ
سچ بولنے سے پہلے زمین کو تیار کرنا ضروری ہے، اور یہی سب سے زیادہ محنت کا اور دشوار کام ہے، ہم کو اس میں
کچھ شک نہیں ہے کہ جہاں جہاں قوم کی تعلیم کی کھیتیاں اچھی طرح بار آور ہو رہی ہیں، وہ زمینیں کانفرنس
ہی کے ترو سے تیار ہوئی ہیں، اور ہم کو یقین ہے کہ ہمدردی خوش قسمتی سے اس قدر ہماری سرزمین کی لاری
آئی ہے، اور اگر ہماری زمین اچھی ہو تو خدا کی مہربانی سے آپ کو کھس گئے کہ یہ کھیتیاں کیا اچھا پھل لائیں گی
اور کانفرنس کی یہ مساعی کیسی مشکور ثابت ہوگی۔

ہمارے حکام عالی مقام نے کانفرنس کے اس اجلاس کے متعلق جو دلی ہمدردی اور مہربانی کا اظہار
فرمایا ہے، اس کا خاص طور پر شکر ادا کرنا ہمارے لئے لازمی ہے، ہم نے عالی جناب ہر آنر ٹو اب فٹنٹ گورنر

بیاد پنجاب کی خدمت بابرکت میں اجلاس کانفرنس میں رونق افروز ہونے کی گزارش کرنے کے لئے عرض
پیش کرنے کی جدت کی تھی جس کے جواب میں جناب مددع کے پرائیویٹ سکرٹری صاحب بہادر نے
حسب ذیل نوازش تلخ تحریر فرمایا کہ "میں نے آپ کے پرفیضہ مورخہ اردو مجلہ کو بہتر نوازش بخش کر اور بہادر
کی خدمت میں پیش کیا ہے اس کے جواب میں جناب موصوف نے اس امر کی آپ کو اطلاع دینے کی ہر بات
فرمائی ہے کہ میرا آپ کی دعوت کی دل سے قند فرماتے ہیں اور کانفرنس کی کاروائیوں کو جس کی اغراض
کے ساتھ ان کو ہر ایک قسم کی پوری ہمدردی ہے، مگر یہ دیکھی سے ملاحظہ فرماتے ہیں گے۔ لیکن جناب مددع
کو انصاف ہے کہ کمرس کے ہفتہ کی لاہور کی سابقہ شدہ مصروفیات کی وجہ سے ہر نوازش اجلاس کانفرنس
میں شرکت نہیں فرما سکیں گے۔"

جناب کرنل پوپم نیگ صاحب اور سی۔ آئی۔ اے کی کشتہ راولپنڈی ڈویژن نے صرف اجلاس کانفرنس
کو اپنی شمولیت سے زینت بخشنے ہی کا وعدہ نہیں فرمایا بلکہ کمال مہربانی سے ممبران کانفرنس سے ملاقات
کرنے کے لئے ان کو اپنے دولت خانہ پر گارڈن پارٹی کے لئے مدعو فرمایا ہے جناب مشرفیٹ صاحب بہادر
ڈپٹی کمانڈر مشرفیٹ صاحب بہادر سپرنٹنڈنٹ پولیس راولپنڈی نے نہایت ہمدردی سے ہر طرح کی
امداد فرمائی ہے، اور ایسے ہی اعلیٰ افسران فوج مثلاً جنرل سر جی کشن صاحب بہادر کمانڈنگ سیکٹار راولپنڈی
ڈویژن اور دیگر صاحبان مثلاً کرنل بلیر صاحب بہادر اسٹنٹ ڈائریکٹر سیلابی و ٹرانسپورٹ و میجر ونگ
صاحب بہادر گنٹونٹ میجر ٹیٹ نے بڑی کشادہ دلی سے ہم کو بہت قیمتی مدد دی ہے اور ان سب اصحاب کا
میں اپنی اور سرپرست کشمیری کی جانب سے تہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں۔

میں ایک بری فونڈ زاشت کے گناہ کا مرتکب ہو چکا اگر اس موقع پر میں اپنے ہندو اور سکھ بھائیوں اور
پادری صاحبان اور افسران سرحدیہ تعلیم کا شکریہ خاص طور پر ادا کروں۔ ہمارے ہماؤن کے قیام کے لئے
آئی۔ آے۔ سی۔ ڈی ہائی اسکول مشن ہائی اسکول۔ خالصہ ہائی اسکول۔ ڈینس ہائی اسکول۔ گورنمنٹ ہائی
اسکول اور نادرل اسکول کی عمارتیں استعمال کے لئے ہمارے حوالہ کر دی گئی ہیں اور جس شوق اور محنت سے
ہمارے ہندو عزیز کام کر رہے ہیں اور کل ریلوے اسٹیشن پر اور شہر میں ہماری کانفرنس کے محترم پریزیڈنٹ
صاحب کے استقبال میں جس جوش اور ہمدردی سے ہمارے ہندو بھائیوں نے حصہ لیا ہے اس کو ہم کسی
فراموش نہیں کر سکیں گے۔

بھوکو اپنے دوست اے صاحب ذاکر ان ان دت صاحب کا بھی نام شکر ادا کرتا ہوں جنوں نے
اپنی خدمات ملتی ادا کئے کے بلا معاوضہ مجھ پر کانفرنس کی زندگی ہیں۔
مجھ کو لایا ہے کہ میں نے آپ کا بہت ساقی وقت لے لیا ہے جس میں اپنے مسلمان بھائیوں
ممبران استقبالیہ کیسی اور دیگر اصحاب کا شکریہ ادا کرنے کے کام کو آپ کی کیسی کے سرکاری کے ذمے
چھوڑتا ہوں اور آپ کی خدمت میں عرض کرتا ہوں کہ خداوند کریم و رحیم کا نام لے کر آپ اپنے کام کو میری
اس دعا کے ساتھ شروع فرمائیں کہ وہ مجھ بلوغت آپ کی ان ساری حسنین میں برکت بخشے اور آپ کی
آئینہ دل سے ہر مسلمان کو کامیاب ثابت کرے۔

ایڈیٹر خیم کر کے ملک صاحب مدوح نے مناسب الفاظ میں تحریک کی کہ جناب الامامی پرمیش
صاحب پریذیڈنٹ کونسل جاول پور اجلاس کانفرنس کے صدر منتخب کئے جائیں جناب امامی محسن الدین
صاحب سرکاری انجمن حمایت اسلام لاہور نے اس تحریک کی تائید کی ہے تو فرمایا کہ۔

”ہمارے محترم بزرگ قوم جناب ملک سائے آفتاب محمدی جو تجویز پیش کی ہے وہ نہایت
”مبارک متنس ہے کہ جناب مولانا امامی پرمیش صاحب ایک ایسے مشہور و معروف بزرگ ہیں کہ جن کے
”ادب و صفات عہدہ کا تذکرہ آپ صاحبان کے سامنے کرنا تحصیل حاصل ہے۔ آپ کی ذات بابرکات
”مسلمانوں کے لئے منفعت میں ہے کہ جناب مدوح کو مسلمانوں کی عام بیوردی کے کاموں کے
”ساتھ بالعموم اور مسلمانوں کی تعلیم کے ساتھ بالخصوص گری ہندی اور گجپتی ہے اور جس ملوحتی
”کے ساتھ جناب مدوح قومی بیوردی کے کاموں میں معاونت فرماتے ہیں وہ سب پر خوش ہیں اور انہ
”مہتمم امور کے محافل ہمارے لئے موجب فخر ہے کہ ایسے بزرگ قوم اس کانفرنس کے صدر منتخب ہوں
”امامی صاحب کو صوفی نے جس قدر ملی مدد اس وقت تک مختلف کشمی ٹیوشن کی اپنی ذات نام
”کے کی دیا اسلامی ریاست سے دلائی ہے وہ ہر طرح سے قابل تحسین و لائق تخریر ہے۔ میں یقین رکھتا
”ہوں کہ آپ صاحبان میری اس آئینہ کے ساتھ شریک ہونے کے ساتھ جناب امامی صاحب کی توجہ ہے
”آئینہ اس سے پڑھ کر قومی کاموں میں امداد ملتی رہے گی۔ چونکہ اب کانفرنس کا کام شروع کرنا ہے
”اس لئے میں اس دعا کے ساتھ اس تحریک کی تائید کرتا ہوں کہ خداوند تعالیٰ مدوح کو ہر دراز عطا

”فلٹے اور وہ سخت کتا ہوں کہ جناب مدوح کرسی صدارت پر وقت افزہ رہوں۔۔۔۔۔“
 جملہ حاضرین نے انتخاب صدر کی تجویز کو نہایت مسرت کے ساتھ قبول کیا اور جناب حاجی صاحب نے حضور
 چیرکی آوازوں میں صدارت کی کرسی کو زینت بخشی اس موقع پر منشی غلام محمد صاحب دہم کشمیری نے
 دو رباعیاں پڑھیں جس میں سے ایک باہمی ذیل میں بیچ کر ہے

آغاز تیرے نام پر ہوا ہے رحیم بخش درمائدہ اس گروہ پر فیض نعیم بخش
 دنیا میں ہم کو علم کی دولت کو نال اور عاقبت میں بخش جنت نعیم بخش

حاضرین رباعی کا طے حاصل کر رہے تھے کہ وجہ الاحترام صاحب صدر نمین اپنا ایڈریس پڑھنے
 کے لئے کھڑے ہوتے اور ایڈریس کے زبان انگریزی میں ہونے کی صحت کرتے ہوئے فرمایا کہ :-

”حضرات! اگرچہ میرے دوست صاحبزادہ آفتاب احمد خاں صاحب اور قاضی برج الدین احمد
 ”صاحب مجھ سے ختم کی گئی کہ میرا ایڈریس اردو میں ہو اور غالباً اس وجہ سے کہ میں نے یہ
 ”ایڈریس انگریزی میں لکھا ہے۔ صاحبان حاضر ہوئے لیکن میں معافی چاہتا ہوں کہ خاص مصلحت سے
 ”مجھے ایسا کرنا پڑا۔ ایسی شاذ و نادر فرس کے لئے ایڈریس انگریزی میں ہونا ضروری تھا کہ میں آپ
 ”صاحبان سے عرض کروں گا کہ جو ہم ملی کے جو غلطیاں مجھ سے سرزد ہو جائیں آپ معاف فرمائیے
 ”میں نے انگریزی بول چال میں پڑھی ہے۔ مگر شکرتا ہوں کہ بڑے حاطو عالمی نہیں ہوں۔۔۔۔۔“
 انگریزی ایڈریس کا ترجمہ ذیل میں بیان کیا جاتا ہے :-

ترجمہ تقریر صدارت

خواتین و حضرات!

ایسے لمحے ہی انسان کی زندگی میں آتے ہیں جبکہ اس کو اس کام یا فرض کی انجام دہی کے متعلق جو
 اس پر عامہ ہوتا ہو اپنی دماغی ناقابلیت کا سب سے زیادہ احساس ہوتا ہو۔ اس وقت میرے اوپر بھی ایسا
 یا تقریباً ایسا ہی حس غالب ہے اس بنیال میں جو سرسید احمدیہ نیک خدا و عاقل و فرزادہ و نواب
 محسن الملک جیسے روشن دماغ فصیح و بلیغ دانش آفرین سید لبرٹی جیسے برگزیدہ و فرزند ممتاز متین،
 مولوی نذیر احمد صاحب جیسے جید عالم و نواب حامد الملک جیسے فاضل و اہل الالہ اور ہمارے پنجاب کے

اجلاسِ روم

یوم یکشنبہ بتایں، ۲ دسمبر ۱۹۱۲ء وقت ۲ بجے پہرے ۵ بجے
زیر صدارت عالی جناب خان بہادر حاجی مولوی رحیم بخش حسینی آئی۔

آنریبل ممبر شہنشاہِ روم صاحب آنریبل خواجہ غلام افغان صاحب در حاجی مولوی محبوب عالم صاحب
ایڈیٹر ایقار کے تار آفریدی چائنہ سکرٹری کانفرنس نے جلسہ میں پیش کرنا ہے جن میں عدم شرکت اجلاس
کانفرنس پانفس اور کانفرنس کے اجلاس کی کامیابی کی دعا کی گئی تھی۔ نیز پندرہ نواب افغان گورنر سیارہ پنجاب
پراپرٹس سکرٹری کی چٹی بھی پڑھی جس کا ترجمہ ذیل میں دیے گیا جاتا ہے:-

گورنمنٹ ہاؤس، لاہور

موجودہ ۴ دسمبر ۱۹۱۲ء

مہربان من - میں نے آپ کی چٹی موصوفہ و روانہ حال حضور افغان گورنر سیارہ کے ملاحظہ میں پڑی کی جس کے جواب
میں مجھے ہدایت پہنچی ہے کہ میں آپ کو مطلع کروں کہ تہہ از محمدی آپ کے دعوت نامہ پر اظہار خوشنودی فرماتے ہیں
حضور محمد کو کانفرنس کے اغراض و مقاصد کے ساتھ کمال جوش و انداز کی کارروائیوں کو بنیاد دینی
ملاحظہ فرمائیے لیکن انفس و پر کہ تعلیمات کرسس کے موقع پرچہ کے سالن کی قرارداد و مصروفیات میں اس نے
مصلح اجلاس کانفرنس میں شریک نہ ہو سکتے۔

آپ کا وفادار

ایس۔ سی۔ بیلی

(دستخط)

افغان کنٹری
پراپرٹس سکرٹری

اجلاس سوم

یوم یکشنبہ بوقت ۸ بجے شب

زیر صدارت مولوی حبیب الرحمن خان صاحب شریف اتنی

آنزیری بائٹس میگزین نے بیان کیا کہ اس جلسہ کیلئے مولوی حبیب الرحمن خان صاحب شریف اتنی صاحبہ نے جو اس نے میں ہستہ کار کا ہون کہ مولوی خیر الدین صاحب اس جلسہ کے صدر قرار دے جائیں۔ یہی اس طرح کی کنائیڈ کی اور مولوی صاحب موصوف صدر جلسہ ہے۔ اس کے بعد جناب مولوی عبد الشرح صاحب ناظم نقارۃ المعارف دہلی نے تقریر کیا ایک گھنٹہ تک وقف فرمایا۔

مولانا موصوف کا وفد ختم ہونے پر مسٹر شوکت علی صاحب نے مولانا کا شکریہ ادا کرتے ہوئے ایک جوشیلی تقریر کی اور انشاء تقریر میں اس قسم کے خیالات کا اظہار کیا جو آنزیری بائٹس میگزین کی لائسنس کی رائے میں کانفرنس کے لیڈر فارم کے موزون نہ تھے۔ اس نے آنزیری بائٹس میگزین نے صاحب صدر جلسہ سے درخواست کی کہ مسٹر موصوف کو اس قسم کی تقریر سے روکا جائے اور عرض کیا کہ اگر نہ روکا گیا تو اس کی فوری آواز پر ہوگی۔ اسی عرصہ میں جناب مولوی محمد حبیب الرحمن خان صاحب شریف اتنی رقیب جسکیم پور دہلی گئے، تشریف لے آئے جو تقریر کی سیکشن کے اجلاس کی صدارت فرما دے تھے۔

مولوی بشیر الدین صاحب صدر جلسہ خان صاحب ممدوح کی تشریف آوری پر کئی صدارت سے منع ہو گئے۔ اور اس طے سراج جو کا دہائی اس وقت پہلے ہی تھی وہ ختم ہو گئی۔

مولانا ممدوح کے کئی صدارت پر تشریف فرما نے کے بعد اہل مولوی عبدالحی صاحب بی آے میگزین میں حق کے لئے انجمن کی سالانہ رپورٹ پڑھ کر سنائی جو حسب ذیل ہے۔

اجلاس چہارم

مختصر تاریخ نہاد مولوی محمد سعید صاحب سے ایک بجے دن تک

نیرممدات عالی جناب خان بہادر مولوی حاجی رحیم بخش صاحب سی۔ آئی۔ ای۔

سے پہلے حاضر محمد سعید صاحب نے کلام پاک کی ایک سورۃ خوش الحانی کے ساتھ تلاوت کی۔ اس کے بعد

صاحب صدر نے فیضِ وقت کی وجہ سے یہ قرار دیا کہ روزِ ولوشن کے محکمین کو دس منٹ اور مولودین کو دس

تقریر کے لئے دے جاتے ہیں اور مولوی بشیر الدین صاحب کو براؤنٹل محمد ایجوکیشنل کانفرنس صوبہ متحدہ کی

رپورٹ پڑھنے کیلئے اور محمد صاحب کو فرمایا کہ "مقررین اپنے موضوع سے تجاوز نہ فرمائیں گے

علاوہ ازیں دو باتوں کا خاص طور سے لحاظ رکھا جائیگا۔ اول یہ کہ اگرچہ کانفرنس ایک اسلامی انجمن ہے

لیکن یہاں شرعی فتاویٰ کی بحث کا ہرگز موقع و محل نہیں ہے اس قسم کی بحث دوسرے مناسب موقع پر

ہونا چاہئے۔ دوسرے کانفرنس ایک تعلیمی مجلس ہے اسلئے بالکل اسی سیاق کے متعلق ہی کوئی کتنا چاہئے

اور نہ کوئی ایسی بات ہونا چاہئے کہ جسکی وجہ سے اختلافات پیدا ہوں کانفرنس اپنے دائرہ عمل کے اندر

نہایت مفید تعلیمی خدمت انجام دے رہی ہو اور جہاں جہاں اسکا اجلاس ہوتے ہیں وہاں کے مسلمانوں میں

تعلیمی تحریک کو بہت کچھ تقویت پہنچی ہو اسلئے کانفرنس میں ایسے خیالات کا اظہار نہ جس سے اختلافات

پیدا ہوں اور جو صحیح ہوں اپنی حالت پر تبادلہ خیالات اور ضروری کارروائیوں کا تسبیح و تہنیت نہ مانا جائے

جو کام ہکلو آج کے پروگرام کے لحاظ سے درپیش ہیں انکو با حسن وجہ انجام دینا چاہئے کوئی صاحبِ برائہ نہیں

کسی مقررہ کارروائی کے علاوہ کسی جدید امر کے پیش کر سکی اجازت نہیں دی جائے گی جو کام آج کے لئے ضروری ہو

وہی ہونا چاہئے پس اب میں مولوی بشیر الدین صاحب سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ اپنی رپورٹ پڑھ کر نکلیں

چنانچہ مولوی بشیر الدین صاحب ہمیشہ سکرٹری براؤنٹل محمد ایجوکیشنل کانفرنس صوبہات ممالک متحدہ اپنی رپورٹ

پڑھنے کیلئے آئے لیکن اس کے موصوف رپورٹ پڑھنا شروع کر س صاحبزادہ آغا محمد خان صاحب نے

مولوی صاحب کو موصوف کا حاضرین میں سے تعارف کراتے ہوئے کہا کہ وہ بزرگ ہیں مکی تھاکو شمس اور جانواری

کی بدولت انادہ میں مسلمانوں کی مشہور درسگاہ اسلامیہ الی اسکول انادہ قائم ہو اور جہاں علاوہ اس موصوف کے

تقریباً تمام موصوف کا تعلیم یافتہ ہیں مولوی صاحب نے موصوف جس خلوص اور سچے انیاس کے کام کرتے ہیں

وہ محتاج بیان نہیں انہوں نے مسلمانوں کے تعلیمی معاملات پر جو کچھ کر سکیں ان پر کمالِ شہرہ صرف کیا ہے

اور جو رپورٹ وہ پڑھ کر سناٹینگے وہ خاص توجہ کے قابل ہوگی

خان بہادر مولوی بشیر الدین

اجلاس خیم

یوم دوشنبہ بتاریخ ۲۸ دسمبر ۱۹۴۷ء وقت ۸ بجے شب سے ۱۱ بجے شب تک

کارروائی اجلاس اسکول سیکشن

زیر صدارت جناب خان بہادر صاحبزادہ عبدالقیوم خان صاحب سی ایس آئی

کارروائی اجلاس شروع ہونے سے قبل خان بہادر صاحبزادہ مولانا کشمیر نے ایک مختصر تقریر نمید کے ساتھ حمد و ثناء میں ایک نظم جو حاضرین نے دیکھی ہے سنا، یہ تھی۔

چونکہ صاحبزادہ عبدالقیوم خان صاحب جو اسکول سیکشن کے اس اجلاس کی صدارت فرما رہے تھے پشاوریہ سے اجلاس شروع ہو چکے تھے کہ شریف نہیں لائے اس لیے صاحبزادہ آفتاب احمد خان جناب خان بہادر مولوی حاجی بخش صاحب کرسی صدارت پر رونق افروز ہوئے۔ اور مندرجہ ذیل رزلویشن پاس ہونے سے کارروائی اجلاس شروع ہوئی۔

رزلویشن نمبر ۱

اس کانفرنس کی رٹ ہے کہ قسیر کے کانخاندان اپنے اپنے کام قانون میں ایک ایک فرنگ گلاس جاری کریں اور اس میں مسلمان نوجوانوں کو تعلیمی حاصل کرنے کا موقع دیں اور جس قدر اور جس کیفیت کا کام امیدوار انجام دیں اسکے موافق انھیں بھادھ دیں۔ اس میں کانخاندان داروں کا بھی فائدہ ہوگا اور اسلامی روزگار مسلمانوں کے لیے ایک وسیع اور مفید ذریعہ پیدا ہو جائیگا۔

اصل محرک رزلویشن کی عدم موجودگی کی وجہ سے جناب غلام حسین خان صاحب ساکن راولپنڈی نے رزلویشن کی تحریک کو مختصر بیان کیا کہ مسلمانوں کے باوجود صنعت و حرفت کے مفید پیشہ کاروں سے

اجلاس ششم

یوم شنبہ بتاریخ ۲۹ ربیع الثانی ۱۹۱۴ء شروع وقت ۱۰ بجے دن سے ایک بجے تک

نیز صدارت عالیجناب خان بہادر حاجی مولوی حسیں بخش صاحب سی کئی ای

جو نیکارو الی اجلاس کے شروع ہو چکا تھا اور صاحب صدر جلسہ نے نہیں لائے تھے اسلئے
 حسب تحریک صاحبزادہ آفتاب محمد علی صاحب جناب مولوی محمد حبیب الرحمن خاں صاحب شروانی گری صدارت
 پر رونق افروز ہوئے اور جب ارشاد جناب صدر جلسہ مولوی امین محمد صاحب بی لے (ملک) نے جو بی بی
 کی دگری حاصل کرنے کے بعد مدرسہ عالیہ دیوبند اور نظارۃ المعارف، اترائیہ دہلی میں حرمہ تک قرآن پاک
 کی تعلیم حاصل کرتے تھے اس تعلیم القرآن پر اپنا نیکو چکر لکھ کر سنایا یہ نیکو چکر جابجائی لکھا گیا تھا اور جس پر یہ کیا
 تھا وہ خود نیکو چکر سے واضح رہتا تھا ماضی میں اس نیکو چکر کو سنگ نایاب محفوظ ہوئے یہ نیکو چکر تمام و کمال ذیل میں
 نقل کیا جاتا ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَنَزَّلْنَا مِنَ الْقُرْآنِ مَاءً مَّشْهُوًّا وَسَجَّهَ اللَّهُ مُسْتَمِئِينَ

گزشتہ کانفرنس منعقدہ اگر دہلی میں نکاس کرنے ایک مخزون طبعاً جس میں زیادہ ترانہ دو سو پچیس گئی
 تھی کہ ہماری قوم کے جدید طبقے میں یہی تعلیم کی کس حد تک ضرورت ہے اور اس شعبے کی مذہبی تعلیم کے لئے
 کس قسم کے مشقوں کی ضرورت ہے۔

اس مرتبہ ہماری مذہبی کتاب قرآن مجید کی تعلیم کے متعلق اپنی رائے عرض کر دیا تھا اس قرآن کی تعلیم کا
 اشراف کہ چند سال کے حرمہ میں جو کچھ بت پرست جاہل لوگ دنیا میں سب سے زیادہ خدا پرست سب سے زیادہ
 متہم تان سید سے زیادہ تہذیب یافتہ اور سب سے زیادہ طاقتور بن گئے۔

اجلاس ہفتم

پہلے شنبہ بتایا ۲۹ دسمبر ۱۹۱۳ء وقت ۲ بجے دن سو ۲ بجے تک

زیر صدارت عالی جناب خان بہادر مولوی حاجی رحیم بخش صاحب سی۔ آئی۔ ای
صدر انجمن صاحب کے کہ کئی صدارت پر روضی افروز ہوئے کے بعد مولوی الف دین صاحب نے
باجازت صاحب موصوف نظم ذیل چمکے ستانی جس نے خاص لطف پیدا کیا۔

نظم خطاب بہ مسلم

سبق آموز عبرت سے تمھاری داستان باقی
نہ وہ مینا نہ وہ ساغر نہ وہ پیر معناں باقی
نہ اب وہ شمع ہے روشن نہ وہ پروانگان باقی
عوض مینا کے رہی ہے یہ چشم خونچکاں باقی
خوار بادہ دوشینہ سے اک سرگراں باقی
بیایا کیوں ہے یہ اتم اور کیوں آہ و فغان باقی
پکارے ہو کہ اب میرا نہیں کوئی مستان باقی
نہیں اے نام کے سلم کہیں اس کاشاں باقی
نہیں اے وحدت ترا نام و نشان باقی
گر اب رہ گئیں لے دے کہ غادہ بگیاں باقی
خیلج شیشی و سستی ہے جب تکے ریاں باقی
راہگرا دعا سے مدد آئیں خدا باقی
رہیں پھر کیوں مسلمانو! یہ فرقہ بندیوں باقی

مسلمانو! کہاں اپنا یہ وہ غلط کے نشان باقی
نہ وہ محفل نہ وہ سامان نہ وہ میز و کاناں باقی
ہوئی چشم زون میں بنیم اخوان العقباء ہم
دل پروان ہے اک یادگار محفل رنگین
راہ ہے شیشیو! یادگار صحبت عشرت
ہوئی وہ بنیم کیوں برہم تلخے ہو گئے کیوں ہم
سبب اس کا تو ہے ظاہر کہ قرآن طاق نیاک
وہ روح وحدت انسان لگے بس کو لایا تھا میں
یہ شیشی ہے وہ ہو سنی یہ لافض ہے وہ ہر صاحب
کبھی تھا اتحاد باہمی سر یائے نازش
اترنا سہل مقصود پر دشوار ہے اپنا
ہیت ہوں گے خدا حافظ بہادر و میرزا پیرا
ہے جب واحد خدا نے قبلہ رخ ہے قرآن

کسی ہم پیشہ دروئے زمین پر تھے تمدن کے
 اگر میں مین ابی کبشہ جو قدر میں طاقی
 زمانے پر بیان ہے رفت مینارولی سے
 وہ تاج اگر متاز عالم اپنی خوبی میں
 اوجھڑی ہمالہ کی اوجھڑی کی وادی
 اشتداء علی انکار ہے تھے جدل باحسم
 جب اس نرمی و گرمی پر حکومت تھی نہ بہت کی
 متاقرآن ہاتھ میں تجھیر لب پر درو سینہ میں
 جھکا اللہ کے آگے جھکا یا ساری دنیا کو
 کمال عبادت میں تھا بلال سلطنت مقرر۔
 یہودی ہیں کہ نظراتی برہمن ہیں کہ زرتشتی
 کوئی دن میں یہ سارے جذبہ ہو جائیگے و تمدن
 تو اے دین الرحمنی کاشف ہر افسوس ہے۔
 گل توحید قرآن سے سطر ہے شام جاں
 الہی کیا ہوا وہ اعتصام عروۃ الوثقی۔
 نہ وہ مومن نہ وہ ایمان نہ وہ مسلم نہ وہ عرفان
 نہ ساجد ہیں نہیں راجع نہ قاعد ہیں نہیں قائم
 مجبور عام سے طاری نہیں تیزی مانوں میں
 نہ مسکین کی سوزی نہ مہدی کی الازدی
 ہے ملائکہ نگین سے اک شیریں بیاں حالی
 الہی دینک محفوظ رکھو دست گلچین سے
 گل، خشک چشم، لالہ داغ دل، سنبل پریشانی
 مدد اسے جذبہ فیض خدا سے برتر و دانا

ہیں اب تک رگھو ارون پر نشانہ کاروان باقی
 ہے ذکر ابن قاسم سندھ میں اور زبان باقی
 زمین ہند میں اسلام کا ہے اسماں باقی
 بحکم ہے سر پاجہرت نفار گاہ باقی
 شکوہ سطوت اسلام کے ہیں ترجاں باقی
 تمہاری نرمی و گرمی سے تھا نظم جہاں باقی
 تھے اظیم سیاست میں تعین تم حکمران باقی
 نہ تھا دوسرے زمین پر کوئی اسپنا ہمنان باقی
 یہ راز غفلت مسلم تھا سب دین نہاں باقی
 یہ نکتہ سیرت احمدی ہے جو نکتہ میراں باقی
 یہ ہیں سب نعمت اسلام کے تلاشیاں باقی
 رہیگا سکھ توحید عالم میں رواں باقی
 رہیگا تیرے قبضہ میں ہمیشہ ملک جاں باقی
 رہیگی باغ احمد میں بہار بے حسرتاں باقی
 کہ ہے اپ متشر شیرازہ اسلامیاں باقی
 یونہی ہیں چمکے بے جان بدست زندگان باقی
 نہ سرافازیاں باقی نہ سرافرازاں باقی
 نہ دل میں نہ زیاں باقی نہ خون میں گریباں باقی
 نہ یروش بیاں باقی نہ شبلی نکتہ داں باقی
 سو ہیں یہ اک گل خرمردہ باد گلستان باقی
 کہ الہ کے بعد ماں خالی ہے جائی و گمان باقی
 یہی اب رہ گئی ہے باد گلستان باقی
 کہ ہے اس دور حجت میں یقین حضرت گمان باقی

ترا در مجبور کر یا رب بتا جائے کہاں مسلم	کہ ہے اللہ والوں کا یہی اک آستان باقی
تو اگر مہرے کریموں میں تو ارحم الراحمین	تو ہی اک بیکسی میں ہے نصیر بیکیاں باقی
شفیق ماجزاں ہے توفیقور عاصیاں ہر کو	تو ہی بس بے بسی میں ہے رفیق بے یلہا باقی
سہارا تیری رافت پر ہر دوسہ تیری رحمت پر	اگر مہرے تری مکیہ معین دستاں باقی

ترا ارشاد ہے مولیٰ ارحم الراحمین
رہے لاکھ تک محزون نفیس خستہ پاں باقی

فاکسار۔ الف دین نفیس

تلم کے ختم ہونے کے بعد جناب مولوی محمد اکرام خان صاحب ریٹائرڈ جج و پریسیڈنٹ اسلام آباد
اسکول پونچھ نے ایک مختصر تقریر فرمائی جو حسب ذیل ہے۔

میرے کرم دوست پیر حاتم الدین شاہ صاحب سجادہ نشین پونچھ نے آیۃ شریف اہل حرم کا
الاحسان اللاحسان کی تیل کی ہے جس کا گناہم پر واجب تھا یعنی اس وقت تک جس قدر رعایا
یا عیالت ہمیں ملے ہیں ان کا شکر یہ مناسب ہو جو کیا گیا لیکن حضرات اس سے کہیں یہ سوچو جو دین کہیں کسی
میں ہمارے اغراض و مقاصد پورے ہو گئے ہوں۔ نہیں ہرگز نہیں تمہاری آرزو میں بہت بچی ہیں تمہاری خواہشات
تیلی بہت دیکھی ہیں۔ انٹرنیشنل ڈیپارٹمنٹ ہماری کرنے کے لئے بڑے رچہ کی ضرورت ہے جس قدر زیادہ پروہ

کی ضرورت ہوتی قدر ہم باشندگان ریاست پونچھ زیادہ اطلاع زدہ ہیں۔ اس لئے میں سوہانہ طور پر اس
فیلم احسان کا نفرنس کی وجہ اس طرف مبذول کرنا چاہتا ہوں کہ پونچھ بھی کثیرے علمی جوہران تک کہ خط
و کتابت میں بھی پونچھ کثیر لکھا جاتا ہے جو اس جہان کہ کانفرنس میں کثیر مسلمانان کی اصلاح کا ذکر آئے اس میں
بھی پونچھ کو بھی الحاق اور شمول کرنے کا مرتبہ تھا جاوے۔ تاکہ اکابرین کانفرنس کو غلطہ تکلیف گوارا کرنی
پڑے اور ساتھ ہی میں تحریک کرتا ہوں کہ زیادہ عیالت کانفرنس سے حضور دوسری وجہ صاحب بہادر پونچھ اور
جناب کپٹن سی۔ ایف۔ نیکنری صاحب بہادر پینٹیل ہسٹنٹ رزٹنٹ اور جناب پنڈت چندر دھن صاحب
مدیر ریاست کو خطوط لکھے جاویں اور ساتھ ہی ہمیشہ مسلمانان پونچھ کی تعلیمی ترقی کے لئے یہی تحریک فرمائی
جاوے تاکہ سلسلہ جلدی ہو جاوے۔

چند روز لیوشن کی اہمیت کی وجہ سے پروگرام مطبوعہ میں کسی قدر فرق کیا گیا اور اول دو روز لیوشن پیش ہوئے جو پروگرام کے آخر میں بیچ تھے چنانچہ دو روز لیوشن ذیل باتفاق پاس ہوئے

روز لیوشن نمبر (۲۹) مسلمانان کشمیر

ریاست کشمیر کے مسلمانوں کی تعلیمی ترقی کے لئے ضروری ہر کاروان کے سرپرستہ تعلیم میں مسلمانوں کی کافی تعداد ہو اس لئے یہ کانفرنس حضور مبارک صاحب ہزار ریاست کشمیر سے بادبستہ ہی ہے کہ جس طرح دیگر قوم کے طلبہ کو وظیفہ دیکر ٹریننگ کالجوں کی تعلیم کے لئے بھیجا جاتا ہے مسلمان طلبہ کو بھی وظیفہ دے کر ٹریننگ کالجوں میں داخل کرایا جاسے۔

روز لیوشن نمبر (۳۰)

اس کانفرنس کی جلسے میں مسلمانان صوبہ سرحدی و صوبہ پنجاب کی تعلیمی ترقی کے لئے ضروری ہر کاروان کے مالک متحدہ کی گھنٹے نے اپنے روز لیوشن نمبر ۲۵ اگست ۱۹۴۸ء کے ذریعے ہر ضلع میں اس ضلع کے مسلمانوں کی تعلیم کی ترقی کے لئے مسلمان مبروں کی کمیٹیوں کی تشکیل کے یہ تصدیقات قائم کئے جانے کی تحریک کی ہر اس طرح ان ہر دو صورتوں کے اصلاح میں کمیٹیوں قائم ہوں۔

روز لیوشن نمبر (۳۱)

یہ کانفرنس گورنمنٹ ہند سے بابو التجا کرتی ہے کہ جو قوم کثیر اہل مسلمانوں کے متعلق سود کے سیورنگ بنکوں میں جمع ہون جو سود لینے میں چاہتے وہ اس کانفرنس کو ملنا فرماتی جاویں اور ان سے یونیورسٹی کے متعلق ایک ہوشل مسلمانوں کو اسلئے قائم کیا جاوے اور جو آمدنی اس ہوشل سے ہو وہ مسلمان طلبہ کے وظائف میں صرف کیا جاوے۔ روز لیوشن نمبر ۳۲ واپس لیا گیا اور نمبر ۳۳ کے متعلق کیا گیا۔ بعد اس کارروائی کے مولانا شاہ مسلمان اشرف صاحب و ائمہ مدرسہ العلوم علی گڑھ نے جو خاص بہرہ من شرکت کانفرنس اشرف لائے تھے وہ عطا فرمایا۔

وخط

جناب مولانا سید سلیمان اشرف صاحب

بموقع

اجلاس سبت و ہفتہ آمل انڈیا محمدیہ یو کیشنل کانفرنس

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حَلَمَدًا مَّصَلًیًّا

خط سنبورہ و صلوات تھنا، تلوذ و تسمیہ کے بعد رات کریمہ تلاوت کی گئی۔ ہُوَ الَّذِي أَرْسَلَ
رَسُولَهُ بِالْحَقِّ يُدِينُ الْحَقَّ لِيُطَاعَ عَلَى الَّذِينَ كَلَّمَ وَكُنِيَ بِاللَّهِ شَهِيدًا ۝

یہ آیت کریمہ آخر کو سورہ فتح کی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے مخلص بندوں کی ایک جماعت
بشارت فتح مبین

ہر جو حبیب با العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر کالی میں سعادت کو زمین کی ثبات
لوثی ہوئی مدینہ طیبہ واپس جا رہی ہے۔ بغرض عمرہ رسول کریم علیہ الواف الصلوٰۃ و التسلیم چودہ سو سال
کو لیکر ہمارم مکہ معظمہ ہوئے تھے۔ کفار مزاحم ہوئے اور حقیقیہ سے لگے بڑھنا ہوا۔ دوا و اقد طویل ہے۔ مختصر
ہوں سمجھے کہ ایک صلح نامہ لکھا گیا جس کے شرائط مسلمانوں پر شاق تھے۔ لیکن سرکارِ دو عالم کی متابعت
اسی میں تھی لہذا ہر جویم منظور تھا۔ مگر اس طرح کی مراجعت نے دلوں کو اس کیفیت کو جس میں ایک سوزش
اس سوزش میں اخلاص اس اخلاص میں عبودیت کامل موجود تھی ذرا اچکا دیا تھا۔ اس پر منافقین کے ہستہ
وطن و تشنیع اور بی تک چہرے کئے جاتے تھے۔ پس کمال نیا زمندی انتہائے مدال انخار سے قلوب میں

اجلاس ہشتم

منعقدہ

یوم سہ شنبہ بتاریخ ۲۹ دسمبر ۱۹۱۲ء وقت شب ۸ بجے سے دس بجے تک
زیر صدارت عالی جناب خان بہادر مولوی رحیم بخش حساسی - آئی - آئی

سب سے پہلے صاحبزادہ آفتاب احمد خاں نے رزلویشن نمبر ۳۵ کی تحریک کی اور کہا کہ میں مندرجہ ذیل
حضرات کا شکریہ ادا کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ ان صاحبان نے قومی تعلیم میں دلچسپی کا اظہار فرمایا ہے اور ہمارا
فرض ہے کہ علی الاعلان اس کا اعتراف کریں۔ تمام حاضرین نے اس سے اتفاق کیا اور اصحاب ذیل کا شکریہ
منقول ہوا۔

رزلویشن نمبر ۳۵

یہ کانفرنس مندرجہ ذیل اصحاب کا ان کی پیش بہا تعلیمی خدمات کے واسطے شکریہ ادا کرتی ہے۔

صوبہ سرحدی کشمیر و پنجاب

شاہچور ڈاب کپتان کاکھٹہ مبارز خاں حسا۔ ٹوانہ رئیس اعظم۔
گجرات - خاں صاحب چودہری فضل علی خاں صاحب بیس آؤری محبٹرٹ۔

منفی محمد دین صاحب پیڈر سکریٹری لوکل کمیٹی۔

جہلم - مولوی محمد اکرم صاحب بیرٹراٹ لا۔ سکریٹری انجمن محمد تعلیم جہلم
راولپنڈی - قاضی سلج الدین احمد صاحب بیرٹراٹ لا۔

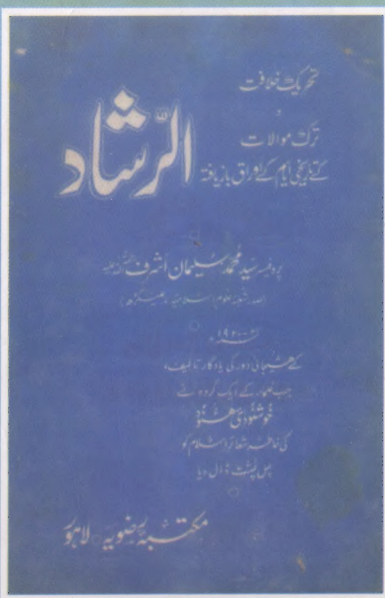
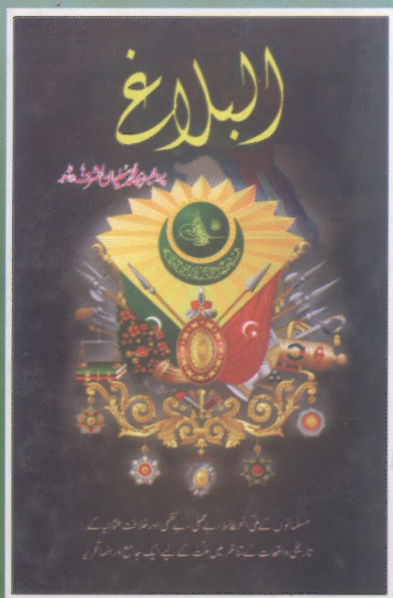
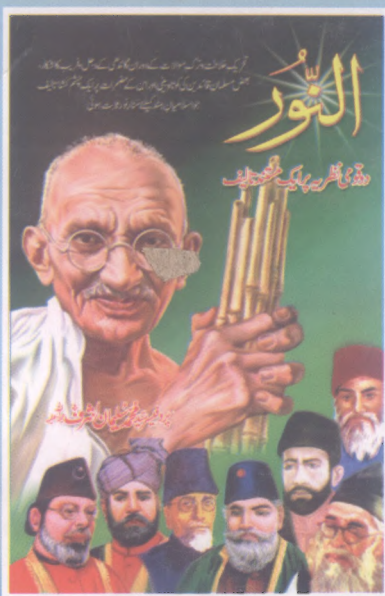
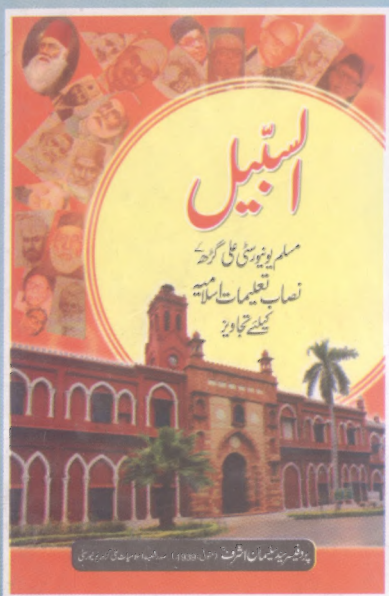
پنڈت جواہر لال نہرو مدح سرسید میں

تحریک کی تاریخ کی ورق گردانی سے یہ بھی محسوس ہوا کہ سرسید اور ان کے رفقاء پر بسا اوقات ان کی برطانوی حکومت سے وفاداری اور تحریک آزادی سے علاحدگی کے باعث تنقید کی جاتی ہے۔ اس تنقید کے محرکات یا تو سیاسی اور بعض دوسرے رجحانات ہیں یا اس کی وجہ تاریخی حقائق تک ناکافی رسائی ہوتی ہے۔ یہ اپنی جگہ سچ ہے کہ کانفرنس کے قائدین نے شروع میں حکومت سے تعاون پر زور دیا کیوں کہ ان حالات میں یہ ناگزیر تھا۔ وجہ یہ ہے کہ وہ لوگ مسلمانوں کو ہر قیمت پر ایک پس ماندہ اور غیر موثر اقلیت میں تبدیل ہو جانے سے محفوظ رکھنا چاہتے تھے۔ جیسا کہ پنڈت جواہر لال نہرو نے اپنی خودنوشت سوانح حیات میں ایک جگہ سرسید اور ان کی تحریک پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

”سرسید نے اپنی پوری قوت جدید تعلیم کی طرف مرکوز کر دی تھی اور اپنی قوم کو کسی دوسری طرف متوجہ ہونے دینا نہیں چاہتے تھے کیوں کہ یہ ایک دشوار کام تھا اور مسلمانوں کی ہچکچاہٹ دور کرنا مشکل تھا۔ سرسید کا فیصلہ کہ مسلمانوں کی ساری توجہ مغربی تعلیم حاصل کرنے پر صرف کر دی جائے بلاشبہ درست تھا۔ اس کے بغیر وہ جدید ہندوستان کی تعمیر میں کوئی موثر رول ادا نہیں کر سکتے تھے۔“

(آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے سو سال مرتبہ امان اللہ خاں شیروانی، مطبوعہ علی گڑھ،

پروفیسر سید محمد سلیمان اشرف رحمہ اللہ کی دیگر کتب



اَلَا بِاِكُنْ نَاشِئَةً لِّلْاٰلِہِ